ارمغانِ پاک

اسلامی ہندو پاکستان کی فارسی شاعری کا انتخاب

(تاریخی ترتیب سے)

منتخبہ و مرتبہ

شیخ محمد اکرام ایم۔اے۔ایم۔آر۔سی۔ایس۔سی۔ایس۔پی

مصنف "آثارِ غالب"۔ "شبلی نامہ"۔ "موجِ کوثر" وغیرہ

ادارہ مطبوعات پاکستان۔ کراچی

اشاعتِ اوّل ۱۹۵۰ء

اشاعتِ ثانی ۱۹۵۳ء

طباعتِ خاص (آرٹ پیپر)

فہرست

شمارۂ ترتیب	نام شعرا	صفحہ
	دیباچۂ طبعِ ثانی	۷
	مقدّمہ	۱۳
	لاہور	۸۱
	۴۱۸ھ — ۵۸۸ھ / ۱۰۲۷م — ۱۱۹۲م	
	ابو الفرج رونی	۸۳
	مسعود سعد سلمان لاہوری	۸۷
	سلطنتِ دہلی (مغلوں سے پہلے)	۹۷
	۵۸۸ھ — ۹۳۳ھ / ۱۱۹۲م — ۱۵۲۶م	
۳	عمید سنّامی	۹۹
۴	قطب جمال الدین احمد ہانسوی ؒ	۱۰۵
۵	بو علی قلندر پانی پتی	۱۰۹

۶	**امیر خسروؒ**	۱۱۳
۷	حسن دہلوی	۱۳۳
۸	ضیا نخشبی بدایونی	۱۳۷
۹	مُطہّر	۱۴۱
۱۰	مسعود بک	۱۴۹
۱۱	سید محمد گیسو درازؒ	۱۵۱
۱۲	جمالی	۱۵۴

عہدِ مُغلیہ

۱۵۹

{ ۹۳۳ھ — ۱۲۷۳ھ / ۱۵۲۶ء — ۱۸۵۷ء }

۱۳	بیرم خاں بَیرم	۱۶۱
۱۴	عُرفی	۱۶۴
۱۵	**فیضی**	۱۷۱
۱۶	نظیری	۱۹۵
۱۷	ظہوری	۱۹۹
۱۸	طالب آملی	۲۰۵
۱۹	منیر لاہوری	۲۱۱
۲۰	قدسی	۲۱۹

۲۱	ابوطالب کلیم	۲۲۵
۲۲	داراشکوہ قادری	۲۳۳
۲۳	سرمد	۲۳۵
۲۴	غنی کاشمیری	۲۴۰
۲۵	برہمن لاہوری	۲۴۲
۲۶	غنیمت کنجاہی	۲۴۶
۲۷	ناصر علی سرہندی	۲۵۴
۲۸	نعمت خان عالی	۲۵۷
۲۹	بیدل	۲۶۰
۳۰	واقف	۲۶۸
۳۱	حزیں	۲۷۲
۳۲	قمرالدین منت	۲۷۶
۳۳	مشاہیر شعرائے اردو کہ در فارسی ہم شعر سرودند	۲۸۱
۳۴	**غالب**	۲۹۹
۳۵	نوادر	۳۱۶

عہدِ نو

۱۲۷۳ھ — ۱۳۶۹ھ
۱۸۵۷ء — ۱۹۵۰ء

		۳۲۳
۳۶	تبرکات	۳۲۵

۳۷	عبیدی جہانگیر نگری	۳۳۰
۳۸	آزاد جہانگیر نگری	۳۳۴
۳۹	شبلی	۳۴۱
۴۰	غلام قادر گرامی	۳۴۸
۴۱	اقبال	۳۵۵

دیباچۂ طبعِ ثانی

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد
در دام ماندہ باشد، صیاد رفتہ باشد

ہمیں جب کبھی اُن شعرا و ادبا کے نتائجِ فکر کا خیال آتا جنھوں نے اس برِ صغیر میں فارسی کو شعر و ادب کی زبان بنایا تو لا محالہ مندرجہ بالا شعر زبان پر آجاتا۔ فارسی سات سو سال تک پاکستان اور اسلامی ہند کی ادبی زبان رہی۔ ہمارے "بہترین دماغوں کے بہترین خیالات" کا اظہار اسی میں ہوا۔ مسعود سعد سلمان لاہوری اور ابوالفرج رونی کی شاعری عہدِ غزنویہ کی ادبی صحبتوں اور سیاسی کشمکشوں کی آئینہ دار ہے۔ امیر خسرو کا شکوہِ شاعری، سکندر ثانی سلطان علاء الدین خلجی کی سطوتِ شاہانہ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کی روحانی عظمت کا جواب ہے۔ اور فیضی اور غالب کے فارسی کلام میں

اسی مغلیہ تہذیب و تمدن کے خط و خال نمایاں ہیں۔ جس نے اس سرزمین کو اکبر اور اورنگ زیب جیسے منتظم بادشاہ، اور تاج محل اور لال قلعہ جیسے تعمیری شاہکار دیئے۔ لیکن قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ اب کلیات خسرو اور دیوان فیضی کو کوئی کھول کر نہیں دیکھتا بلکہ ان کا حاصل کرنا ہی آسان نہیں!

انقلابِ زمانہ سے جس سرزمین پر یہ چیزیں لکھی گئیں وہاں سے فارسی ہی نہیں، اردو کو بھی دیس نکالا دیا جا رہا ہے۔ دہلی۔ آگرہ۔ احمد آباد میں جہاں غالب، فیضی اور نظیری نے غزل سرائی کی اور جو ان کے کالبدہائے خاکی کے مدفن ہیں وہاں ہندی کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اِدھر ایران کے روابط گزشتہ دو تین سو سال سے اِس برصغیر سے اس طرح منقطع ہو گئے کہ وہاں بھی اِن فارسی شعرا کو کوئی نہیں جانتا۔ پاکستان میں بھی حالات چنداں سازگار نہیں۔ اس جگہ ایک دوسری زبان کا جادو چلتا ہے۔ یہاں جرأت، مصحفی اور جلال لکھنوی پر تو مستقل کتابیں موجود ہیں لیکن خسرو، فیضی اور مسعود سعد سلمان کے متعلق ایک قابلِ ذکر تصنیف نہیں۔ بلکہ اس برصغیر کے فارسی ادب کی تاریخ ہی مرتب نہیں ہوئی۔ جن عالم فاضل لوگوں کے ہاتھ میں فارسی زبان اور ادب کی تعلیم ہے وہ دور کے ڈھولوں پر فریفتہ ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نصاب میں تاریخِ وصاف اور انوارِ سہیلی کے انتخابات تو داخل ہیں لیکن برنی اور بدایونی کی تواریخ اور نخشبی کے طوطی نامہ کا نام بھی طلبا کے کانوں تک نہیں پہنچتا۔

قوم کی اپنی علمی، ادبی اور فکری زندگی سے عام بے اعتنائی کا احساس تھا جس سے متاثر ہو کر ہم نے آج سے بیس بائیس سال پہلے عہد کیا کہ فرصت کے جو

سے میسر آئیں گے وہ اس "متاعِ کس مخر" کی ترتیب و آرائش میں صرف ہونگے۔ "اسلامی ہند و پاکستان کی مذہبی اور علمی تاریخ" کی تین جلدیں اسی مقصد کے لئے لکھی گئیں۔ غالب نامہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ CULTURAL HERITAGE OF PAKISTAN (پاکستان کا تہذیبی ورثہ) کی ترتیب میں بھی یہی مقصد پیشِ نظر تھا۔ ایک بڑی آرزو یہ تھی کہ اِس برِ صغیر کے فارسی ادب کی تاریخ مرتب ہو جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے شعرا کے دواوین اور نثر کی تصانیف جمع کیں لیکن جب اس وادی میں قدم آگے بڑھا تو نظر آیا کہ راستہ طویل ہے اور محکمانہ مصروفیات کا بارِ گراں اٹھا کر اس منزل کو طے کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ با دلِ ناخواستہ یہ ارادہ ترک کرنا پڑا لیکن حُسنِ اتفاق سے ۱۹۵۰ء میں شہنشاہِ ایران پاکستان میں تشریف لائے۔ دل نے کہا کہ جہاں معزز مہمان کی آمد پر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے ضیافتوں اور خیر مقدم کی دوسری تقاریب میں صرف ہونگے وہاں اگر اس برِّ صغیر کے فارسی شعرا کے کلام سے ایک گلدستہ ترتیب کر کے پیش کیا جائے تو شاید اسے ہدیۂ ناموزوں نہ سمجھا جائے اور ایران اور پاکستان کے درمیان بہتر تمدنی روابط کا ذریعہ ہونے کے علاوہ قوم کو بھی اپنا ماضی یاد دلانے کا ذریعہ ہو۔ چنانچہ ارمغانِ پاک مرتب ہوا اور شاید اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہا۔ پاکستان میں اہلِ ذوق نے کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا (اور جلد ہی پہلا اڈیشن فروخت ہو گیا)، لیکن مرتب کو اس سے بھی زیادہ خوشی اس امر سے ہوئی کہ اس مجموعہ کی بدولت ایران کے اہلِ نظر کا برِ صغیر پاکستان و ہند کے فارسی شعرا سے تعارف ہوا اور ان منتخبات کی بنا پر ایرانی اہلِ قلم نے ان شعرا کی نسبت نیک

رائے اور اچھے خیالات کا اظہار کیا۔

انتخابِ شعر کے معاملے میں ہمیشہ اختلاف رائے کی گنجائش رہتی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ بالعموم ارمغانِ پاک کے اسلوبِ انتخاب کو ناپسند نہ کیا گیا۔ البتہ ایک دو بزرگوں نے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ "ایرانی الاصل شعرا کو کیوں اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے اور اگر انھیں شامل کرنا تھا تو صائب کو کیوں نظر انداز کیا گیا"۔ شاید ان بزرگوں نے ہمارے اس اصولِ انتخاب پر غور نہیں کیا کہ "ارمغانِ پاک" میں "اُن شعرائے کرام کا کلام انتخاب ہوا ہے جو یا تو برّصغیر پاکستان و ہند میں پیدا ہوئے یا باہر سے آکر یہاں اس طرح مقیم ہوئے کہ مرکر یہیں کی خاک ہو گئے"۔ ہم نے فقط اُن مشاہیر ایرانی شعرا کو شاملِ انتخاب کیا جنھوں نے اس برِّصغیر کو اپنا وطن بنا لیا تھا اور جنھوں نے یہیں وفات پائی۔ صائب نے ایک زمانہ یہاں گزارا لیکن چونکہ وہ وفات سے پہلے ایران چلا گیا تھا اس لئے اُسے نظر انداز کرنا پڑا۔

ارمغانِ پاک کا اب دوسرا ایڈیشن ہدیۂ ناظرین ہے۔ کتاب میں طویل اضافے کئے گئے ہیں۔ احمد ہانسویؒ۔ ضیا نخشبی۔ سید گیسو درازؒ۔ مسعود بک، منیر لاہوری۔ داراشکوہ قادری۔ مومن۔ حسرتی۔ عبیدی۔ آزاد جہانگیر نگری پہلی مرتبہ اس محفل میں رونق افروز ہیں اور بعض دوسرے شعرا مثلاً عمید سنّامی، فیضی۔ قدسی۔ غنیمت۔ شبلی۔ گرامی کے منتخب کلام میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے۔

نئے ایڈیشن کی ترتیب کے وقت ہماری بڑی خواہش تھی کہ اطرافِ

پاکستان کے اُن شعرا کو بھی شریکِ محفل کرلیا جائے جنھوں نے خواہ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ میں عام شہرت حاصل نہ کی ہو لیکن جن کا کم از کم پاکستان کی ادبی تاریخ میں نام آنا چاہیئے۔ اس مقصد سے بنگال۔ سندھ۔ سرحد۔ بلوچستان۔ کشمیر۔ پنجاب کے نسبتاً کم مشہور لیکن قابلِ ذکر شعرا کے متعلق بہت سا مواد جمع ہوا۔ اور (بعض حصص میں جناب حفیظ ہوشیارپوری کے تعاون سے) کوئی چالیس پچاس صفحہ کا "ضمیمہ ارمغانِ پاک" مرتب ہوگیا۔ لیکن چونکہ یہ مواد زیادہ تر تذکروں اور منتخبات پر مبنی تھا اور شعرائے اطراف کے مستقل دوادین تک بالعموم رسائی نہ ہوئی، اس لئے بالآخر فیصلہ ہوا کہ اس وقت اس ضمیمہ یا اس طرح کے کسی اور مجموعے کو شائع نہ کیا جائے اور مختلف دوادین کے قلمی نسخوں کی تلاش جاری رہے تاکہ بعد میں ضمیمۂ ارمغانِ پاک زیادہ مکمل صورت میں علیحدہ شائع کیا جاسکے۔

پہلے ایڈیشن کی ترتیب کے وقت طالب آملی کے دیوان تک ہماری رسائی نہ ہوئی تھی اور انتخاب کے لئے صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم کو زحمت دینی پڑی۔ اب ان کی عنایت سے قلمی دیوان دیکھنے کا موقع ملا اور اس میں سے چند غزلیں اور منتخب کی گئی ہیں۔ حمید سنامی کے کلام میں اضافہ پٹنہ کے پروفیسر اقبال حسین کی مدد سے ہوا۔

پہلے ایڈیشن میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ ان کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں پروفیسر محمد ابراہیم ڈار (اسمٰعیل کالج بمبئی)۔ مولانا غلام رسول مہر اور میاں محمد رفیق صاحب خاور سے بیش بہا مدد ملی ہے۔

نئے ایڈیشن کی طباعت کی نگرانی جناب آرم لکھنوی کر رہے ہیں اور جو حضرات جانتے ہیں کہ اس سر زمین میں کتاب لکھنا اور مرتب کرنا آسان اور صحیح چھپوانا مشکل، وہ اندازہ کرلیں گے کہ اُنھوں نے مجھے کتنی زحمت سے بچا لیا اور مؤلف ان کا کس حد تک ممنون ہے۔

۲۵ مئی ۱۹۵۲ء

اکرام

مقدمہ

اردو ادب قومی روایات کا ایک خوشنما آئینہ ہے۔ لیکن جن لوگوں کی قومی تاریخ پر نظر ہے اور جنھوں نے اسلامی ہند و پاکستان کی ادبی تاریخ پر غور و فکر کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس آئینے میں فقط دو ڈھائی سو سال کی قومی زندگی کے خط و خال جھلکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ان دو ڈھائی سو سالوں میں قومی زندگی میں ایک عجیب تلاطم برپا رہا اور چونکہ اب شاعری شاہی درباروں اور امیروں کے دیوان خانوں سے نکل کر عام خیالات و جذبات کی عکاسی اور قومی مزاج کی

ارمغانِ پاک میں فقط اُن شعرائے کرام کا کلام منتخب ہوا ہے جو یا تو برِ صغیر پاکستان و ہند میں پیدا ہوئے یا باہر سے آکر یہاں اس طرح مقیم ہوئے کہ مرکر یہیں کی خاک ہو گئے۔

تمام کیفیات کی آئینہ داری کرتی تھی اس لئے اس میں ایک دلفریب بوقلمونی اور شعرائے کبار کے کلام میں ایک جاندار انفرادیت ہے۔ اس زمانے میں شاعری پرانی وضعداریوں اور قدیم رسم و روایات سے آزاد ہو رہی تھی اور گزشتہ سو سال میں تو اس کے سامنے دنیا کی دوسری قوموں کی شاعری کے دروازے کھل گئے ہیں۔ چنانچہ اردو شاعری نے اپنی مختصر مدتِ حیات میں ارتقاد تغیر کی بڑی طویل منزلیں طے کر لی ہیں۔ اور اس میں قوس قزح کے تمام خوشنما رنگ جمع ہیں۔ قوم کے دَورِ انحطاط کو شخصی مشاہدات و احساسات کے آئینے میں دیکھنا ہو تو میر و غالب کا کلام ہے۔ اور اگر اس انحطاط پر قابو پانے کی کشمکش دیکھنی ہو تو اس کی تصویر حالی کی شاعری میں ہے۔ بالآخر یہ کشمکش کامیاب ہوئی۔ اور قوم کی "نشاۃ ثانیہ" کا آغاز ہوا۔ اس نئی کیفیت کا مرقع اقبال کی بانگِ درا ہے۔

اردو شاعری کی دلآویز بوقلمونی اور اہمیت میں کلام نہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اردو شاعری کا پہلا اہم مجموعہ آج سے فقط سوا دو سو سال پہلے مرتب ہوا۔ شہنشاہ عالمگیرؒ کی وفات کے ساتھ ہندوستان میں اسلامی حکومت کا آفتابِ عالمتاب غروب ہو رہا تھا کہ وَلی نے اردو غزل کا چراغ جلایا۔ اور اگرچہ اس کے بعد جو شمعیں روشن ہوئیں انہوں نے محفلِ شعر و سخن کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اور ان میں سے ایک دو تو صبحِ تاباں کی پیش رو ثابت ہوئیں۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ قوم کی ادبی اور ذہنی زندگی کا آغاز وَلی دکنی سے ہوتا ہے تو یہ کس قدر غلط بلکہ مضحکہ خیز خیال ہوگا۔

ایک شدید تاریخی غلط فہمی کے علاوہ جو قوم خسرو اور فیضی۔ بیدل اور سرمد کو نظر انداز کر دے اور اُن کے جواہرِ سخن سے آنکھیں پھیر لے، اس کے "ادبی مذاق" بلکہ محرومی قسمت کی نسبت کیا کہا جائے؟

پھر لطف یہ ہے کہ جن محسنوں نے اُردو کے چمن ادب کی سب سے بڑھ کر آبیاری کی اور اس میں سب سے زیادہ خوشنا پھولوں اور تناور درختوں کا اضافہ کیا۔ اُن کی کوششوں کا اصل میدان فارسی کا گلستانِ ادب تھا۔ اُردو شاعری میں غالب اور اقبال سے بڑھ کر کس کا مرتبہ ہے لیکن ان کے ادبی شاہکار ملاحظہ کیجئے تو وہ بہ زبانِ حال ہی نہیں، بہ زبانِ قال بھی پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اُردو کہ بیرنگِ من است

ہماری ادبی تاریخ میں فارسی شاعری کی اہمیت اس قدر ہے اور یہ زبان شعر و سخن کے ایک ایسے سدا بہار باغ کی قفل کشائی کرتی ہے کہ ضرورت اس امر کی تھی کہ ناظرین کو اس سارے باغ کی سیر کرائی جاتی۔ ایک ایک گلبنِ زیبا کے پاس لے جا کر اس کی پھول پتی کا بیان ہوتا لیکن اس کے لئے طویل فرصت اور علیحدہ صحبت درکار ہے۔ اس وقت فقط گلہائے رنگا رنگ کا ایک گلدستہ پیش ہے۔ شاید ان پھولوں کی رعنائی اہلِ نظر کو اس باغ کی سیر پر آمادہ کر دے اور شاید انہیں دیکھ کر ہمارے تعلیمی اداروں کے عالم فاضل بزرگوں کا بھی دل پسیجے اور وہ خاقانی اور فلکی شروانی کو چھوڑ کر منیر لاہوری اور فیضی اکبرآبادی کے لئے کچھ وقت نکال سکیں!

بیا دریدگرایں جا بود زباں دانے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

لاہور

"غزنینِ خورد" برِّ صغیر پاکستان و ہند میں فارسی شاعری کا سرچشمہ سب سے پہلے لاہور میں پھوٹا۔ گیارھویں عیسوی صدی میں لاہور غزنویوں کے مقبوضات "ہندوسند" کا مرکز اور اس برِّ صغیر میں اسلامی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ حکومت کے اعلےٰ اختیارات تو سلاطین غزنہ کے ہاتھ میں تھے لیکن مقامی حکام کو بھی بڑا اقتدار اور جاہ و جلال حاصل تھا۔ لاہور ایک بڑی اسلامی فوج کی لشکرگاہ تھا اور غزنی سے متعدد عہدہ دار اور سرکاری ملازم یہاں آکر مقیم ہوتے تھے۔ چونکہ غزنی اس وقت فارسی کا گہوارہ تھا وہاں سے جو خاندان بسلسلۂ ملازمت پنجاب میں آکر آباد ہوئے اُنھوں نے اپنی زبان و تہذیب اور دیگر روایات کو برقرار رکھا اور لاہور کو "غزنینِ خورد" بنا دیا۔

لاہور کے جن حکام نے علم و ادب کی سرپرستی کی' ان میں مسعود سعد سلمان کے ممدوح و مربّی قوام الملک نظام الدین ابو نصر ہبت اللّٰہ فارسی کا نام سرِفہرست ہے۔ وہ نائب السلطنتِ ہند (شیرزاد) کا پیشکار اور سپہ سالار تھا۔ اس نے لاہور میں ایک خانقاہ قائم کی۔ جس نے علم و فضل کے متوالوں کو دُور دُور سے یہاں کھینچ لیا۔" در دولتِ سلطان رضی ابراہیم[ل] رحمۃ اللّٰہ کارہائے بزرگ کردہ

ل تخت غزنین ولاہور پر ذیل کے بادشاہ تخت نشین ہوئے (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

بہ فضل و کفائت معروف و مشہور گشتہ۔ خانقاہ عمد (خانقاہِ عمید؟)

نمبر شمار	نام بادشاہ	تاریخ تخت نشینی سنہ ہجری۔ سنہ عیسوی
۱	سبکتگین	۳۶۶ھ - ۹۷۶ء
۲	اسماعیل	۳۸۷ھ - ۹۹۷ء
۳	سلطان محمود غزنوی	۳۸۸ھ - ۹۹۸ء
۴	محمد	۴۲۱ھ - ۱۰۳۰ء
۵	مسعود شہید	۴۲۱ھ - ۱۰۳۰ء
۶	مودود	۴۳۲ھ - ۱۰۴۰ء
۷	مسعود ثانی	۴۴۰ھ - ۱۰۴۹ء
۸	علی بہاء الدولہ	۴۴۰ھ - ۱۰۴۹ء
۹	عبدالرشید طغرل	۴۴۴ھ - ۱۰۵۲ء
۱۰	فرخ زاد جمال الدولہ	۴۴۴ھ - ۱۰۵۳ء
۱۱	ابراہیم ظہیر الدولہ	۴۵۱ھ - ۱۰۵۹ء
۱۲	مسعود ثالث	۴۹۲ھ - ۱۰۹۹ء
۱۳	شیرزاد	۵۰۸ھ - ۱۱۱۵ء
۱۴	ارسلان شاہ	۵۰۹ھ - ۱۱۱۶ء
۱۵	بہرام شاہ	۵۱۲ھ - ۱۱۱۸ء
۱۶	خسرو شاہ	۵۴۷ھ - ۱۱۵۲ء
۱۷	خسرو ملک	۵۵۵ھ - ۱۱۶۰ء

سلطان محمد غوری کا قبضۂ لاہور — ۵۸۲ھ - ۱۱۸۶ء

در لاہور یکے از خیراتِ اوست"................ "و جوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلادِ ہندوولایت ہائے کاشغر وماوراءالنہر وعراق و بخارا وسمرقند وخراسان وغزنین وہری وغیرذالک ازاں خیرات منبع منتفع مے شدند۔ چنانکہ یک آبادانی نَو در حدود لاہور پدید آمد"۔ بو نصر فارسی شاعر بھی تھا۔ جب وہ انتہائی عروج پر پہونچا تو اُس کی صحبت نے جواب دیدیا۔ اس پر لکھتا ہے ؎

دریغا گوہرِ فضلم کہ در ضدّم وبال آمد
بہ چشمِ حاسداں لعلم ہمہ سنگ وسفال آمد
چو کلک اندر بنانِ من بدیدے خاطرِ نحوی
مراتب را خبر دادے کہ ہاں عزّ وجلال آمد
چو زخمِ تیغِ من دیدے شہِ ہندوستان در ہند
بہ دستور از خاں گفتے کہ سامِ پورِ زال آمد
نمازِ بامدادی مر نظامی را کمر بستم
نمازِ شام فرزندِ مرا نعمت زوال آمد

لاہور کی ایک اور برگزیدہ ہستی ابوالنجم زریر شیبانی تھا۔ جو سلطان ابراہیم غزنوی کے عہدِ حکومت (۴۵۰ تا ۴۹۲ھ) میں سپہ سالار ہند تھا۔ اس کی تعریف میں ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے قصائد ہیں۔ "ابوالفرج رونی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ زریر شیبانی نے سلطان محمود کے دَور کا احیا کر دیا تھا۔ وہ ایک طرف بانرسی (بنارس) دوسری طرف سومنات پر چھاپا مارتا

ہے۔ تانیسر (تھانیسر) والوں کو مغلوب اور قنوج کو زیر کر چکا ہے۔ میرٹ (میرٹھ) پر اس کا قبضہ ہے۔ اور چونکہ النکی والیِ دہلی نے میرٹ کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ وہ اتفاقاً دہلی پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا" کہ دشمنوں کی دراندازی سے باغی و غدار قرار دیا گیا اور جنگ کے بعد قتل ہوا۔ افسوس کہ لاہور کے دوسرے حکام کو بھی اسی قسم کے انقلابات سے سابقہ پڑا۔ ابو نصر فارسی بڑی کامیاب نیابت کے بعد معتوب ہوا اور مسعود سعد سلمان کو بھی عمر کا ایک طویل حصہ قید خانوں میں بسر کرنا پڑا۔

ابو عبداللہ روزبہ بن عبداللہ النکتی لاہوری

لاہور کا پہلا شاعر جس کا نام تذکروں میں آتا ہے

روزبہ بن عبداللہ النکتی لاہوری ہے۔ لباب الالباب میں اس کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود شہید (وفات سنہ ۱۰۴۰ء) کا مدح گو تھا اور اس کے ذیل کے اشعار نقل کئے گئے ہیں ؎

روئے آں ترک نہ رویست دبرِ او نہ برست — کہ بریں نار ببار ست و برآں گل ببرست
بہ طرازِ قد و خوی زلفینِ دراز — رستخیز ہمہ خوبانِ طرازِ و خزرست
در بجائے مہ و خورشید بود یار مرا — اندریں معنی ہم جائے حدیث و نظرست
ماہ کے سرو قد و سیم تن و لالہ رخست — ماہ کے نوش لب و نار بر و جعد ورست
مہر او در دلِ ما مستقر است ایں نہ عجب — آں شگفتست کجا مستقرِ او سقرست
واں عجب تر کہ طلسمے است ہوا را کہ ہمی — بنہ سوزد اگر او را چو سقر مستقرست
واں طلسمے کہ ہوا زد بہ دل اندر ہمی سوخت — راستی خسروِ شیرا و تنِ پیروزگرست

ملکِ عادل مسعود خداوندِ ملوک ... کہ بفضل از ملکان بیشتر و بیشتر ست

لباب الالباب میں اس کا ایک قطعہ "منجنیق"، کی تعریف میں درج ہے۔
اور ذیل کے اشعار بھی ہے

بہ نرگس بنگری چو جامِ زرّیں ... بزیر جامِ زرّیں چشمہ چشمہ
تو گوئی چشمِ معشوقست مخمور ... زنا زو نیکوئی گشتہ کرشمہ

داتا گنج بخش علی ہجویریؒ
(وفات ۱۰۷۲ء)

لاہور کے دوسرے شاعر اور اہلِ قلم مشہور صوفی بزرگ داتا گنج بخش علی ہجویریؒ تھے۔ جن کی تصنیف کشف المحجوب تصوف پر فارسی میں پہلی تصنیف ہے۔ وہ شاعر بھی تھے لیکن اُن کا دیوان ان کی زندگی ہی میں کسی نے چرا لیا تھا۔ ان کی نثر کی تصانیف میں جو ان کے اشعار ملتے ہیں وہ بہت سادہ اور فنی خوبیوں سے معرا ہیں۔ لیکن صوفیانہ شاعری نے بعد میں اس برّصغیر میں بڑی وسعت حاصل کی اور اس کے آغاز کا سہرا آپ ہی کے سر ہے

اشتیاقت روز و شب دارم دلا ... عشقِ تو دارم نہان و برملا
جاں بخواہم داد اندر کوئے تو ... گر مرا آزار آید یا بلا
سوزِ تو دارم میانِ جان و دل ... می دہم از عشقِ تو ہر سو صلا
دلبرا از تو ہمی خواہم لقا ... کن تو دارے، و مکن ہرگز تو لا
اے علی تو فرخی در شہر و کو ... دہ زعشقِ خویشتن ہر سو صلا

ابوالفرج رونی
(وفات ۱۰۹۱ء)

اس دور کا پہلا مشہور شاعر جسے لاہور سے تعلق خاص تھا اور جس کا دیوان موجود ہے۔ ابوالفرج رونی تھا۔

فارسی شعرا کا سب سے قدیم تذکرہ نگار عوفی اس کی نسبت لکھتا ہے "مولد و منشائے او خطۂ لاہور بود و ایں خطہ بفضلِ لاتناہی او بر سائرِ بلاد مفاخرو مباہی۔ در دولتِ سلطان رضی ابراہیم دولتہا دیدہ قصائدِ او اکثر در مدحِ اوست۔ و انوری پیوستہ تتبعِ سخنِ او کردے و دیوانِ او ہموارہ در نظر داشتے"۔

اس کا والد مسعود رازی بھی شاعر تھا۔ اور پنجاب میں ایک عرصہ مقیم رہا۔ اور یہیں وفات پائی۔ وہ سلطان محمود اور اس کے بیٹے سلطان مسعود کے عہد کا شاعر تھا۔ ذوالحجہ ۴۳۱ھ میں اس نے ایک قصیدہ سلطان مسعود کی مدح میں پڑھا جس میں سلطان کو نصیحت کی کہ وہ سلجوقیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی روک تھام کرے اور کہا ؎

مخالفانِ تو موراں بدند مار شدند ۔۔۔ برآر زود ز موران مار گشتہ دمار
مدہ زماں شاں زیں بیش و روزگار مبر ۔۔۔ کہ اژدہا شود ار روزگار یابد مار

بادشاہ پر یہ نصیحت گراں گزری اور شاعر کو پنجاب میں جلاوطن کر دیا۔ اگلے سال بادشاہ نے اس کا قصور معاف کیا۔ اور ایک قصیدہ کے صلہ میں "ہزار دینار مشاہرہ بھی معاملاتِ جہلم پر مقرر کر دیا"[۱] لیکن حکم دیا کہ جہاں ہو وہیں رہو۔ چنانچہ مسعود نے اس ملک میں بہ نیابتِ امارت سیف الدولہ محمود ۴۴۰ھ کے قریب وفات پائی۔ اس کے بیٹے ابوالفرج رونی نے بھی قریباً ساری عمر لاہور میں گزاری۔

لباب الالباب میں مسعود رازی کے کئی اشعار درج ہیں۔ مثلاً رباعی ؎

آں زلف نگر بر رخِ آں دُرِّ یتیم ۔۔۔ چوں بنگاری چنانک از غالیہ جیم
واں خال بر آں عارضِ چوں ماہیِ شیم ۔۔۔ ہمچوں نقطے ز مشک بر تختۂ سیم

ابوالفرج سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی کا جو ۴۵۱ھ میں تخت نشین

---

[۱] ملاحظہ ہو پنجاب میں اردو (اشاعتِ اوّل) از علامہ شیرانی، ص ۲۳

ہوا معاصر تھا۔ اس کے کئی قصائد ایسے ہیں جن میں لاہور کا ذکر ہے۔ اور جن کی نسبت خیال ہوتا ہے کہ وہ ممدوح کی لاہور میں آمد پر لکھے گئے۔ مثلاً ایک قصیدہ میں سلطان مسعود بن ابراہیم کی تعریف میں کہتا ہے ؎

حضرتی شد بزرگ چوں غزنیں　　لاہوا راز قدوم شاہ زمیں

ایک اور قصیدہ سیف الدولہ محمود بن ابراہیم کی مدح میں ہے ؎

نظامِ ملک و ولایت جمالِ تاج و کلاہ　　سرِ محامد محمود شاہزادہ و شاہ
بہ لاہور در آمد میانِ موکبِ خویش　　بہ زینتے کہ برآید شبِ چہاردہ ماہ

ابوالفرج رونی کے قصائد کی ایک زمانے میں بڑی شہرت تھی۔ مشہور ایرانی قصیدہ نگار انوری لکھتا ہے ؎

با دمعلومش کہ من بندہ بہ شعرِ بوالفرج
تا بدیدستم دلوعے داشتستم بس تمام

عرفی نے تو ایک شعر میں انوری اور ابوالفرج کو قریب قریب ہم پایہ قرار دیا ہے ؎

انصاف بدہ بوالفرج و انوری امروز　　ہر چہ غنیمت نہ شمارند عدم را

شمعِ سخن میں نواب صدیق علی خاں لکھتے ہیں کہ ابوالفرج نے ۴۹۲ھ میں وفات پائی لیکن اس تاریخ کا ماخذ نہیں ملا۔ ابوالفرج کا دیوان ایران میں چھپ گیا ہے۔

مسعود سعد سلمان (۱۰۴۶ء تا ۱۱۲۱ء) اس عہد کا سب سے مشہور شاعر جو نہ صرف لاہور میں پیدا ہوا بلکہ جسے لاہور سے ایک خاص قلبی تعلق تھا

مسعود سعد سلمان لاہوری ہے۔ زندگی بھر وہ نیرنگیِ روزگار کے ہاتھ میں ایک کھلونا بنا رہا۔ کبھی بادشاہ کا منظورِ نظر ہوتا۔ بڑے بڑے اقطاع ملک پر حکمرانی بھی کی۔ لاہور میں اس کا محل اس شان کا تھا کہ شعرائے معاصر مثلاً ابوالفرج رونی نے اس کی تعریف میں اشعار لکھے۔ رشیدی سمرقندی اور دوسرے شعرائے بزرگ نے اس کی تعریف میں قصیدہ نویسی کی۔ لیکن چالیس سال کی عمر میں طالعِ مسعود نے بیوفائی کی۔ ادبار غالب آیا اور اس کے بعد اس کا بہت سا وقت تیرہ و تار قید خانوں میں گزرا ؎

تارے از موے من سفید نہ بود چوں بہ زنداں مرا فلک بنشاند

ماندم اندر بلا و غم چنداں کہ یکے موئے من سیاہ نہ ماند

مسعود سعد سلمان کی قید کی کل مدت تیرہ برس شمار کی گئی ہے۔ پہلے دس سال سلطان ابراہیم بن مسعود کے زمانے میں کٹے۔ اس کے بعد رہا ہوا۔ اور ابونصر فارسی کی سرپرستی میں جلد مدارج بلند پر پہونچ گیا۔ بلکہ جالندھر کی حکومت اُسے سپرد ہوئی لیکن حاسدوں نے دراندازی کی۔ اور پھر تین سال جیل خانوں میں گزارنے پڑے۔ اس دوران میں اس نے حبسیہ قصائد لکھے جو فارسی شاعری کی تاریخ میں یادگار ہیں اور شعر و شاعری سے غم کے بوجھ کو ہلکا کیا ؎

شعر گریم ہمی ز اندوہِ دل خاطرم جز بہ شعر نگسارد

مسعود سعد سلمان اتنی مدت قید رہا کہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو ہمت ہار دیتا۔ لیکن مسعود جس قدر شعر و شاعری کا دلدادہ تھا اتنا ہی دل کا جری تھا۔ اس نے ہمت نہ ہاری۔ شعر لکھتا اور بادشاہ کے پاس بھجواتا کہ شاید کبھی قید خانے

کی طرف نگہ کرم پڑجائے۔ وہ اپنا اصول زندگی ایک شعر میں بیان کرتا ہے ؎

تا نیابی مرادِ خویش، بکوش   تا نہ سازد زمانہ با تو، بساز

مسعود اپنے آپ کو یہ کہہ کہہ کر تسلی دیتا تھا کہ تم ایک تلوار ہو۔ ایک نہ ایک دن تمھیں زمانہ میان سے نکالے گا ؎

آں گوہرے حسامم در دستِ روزگار   کاخر برونم آرد یک روز در وغا
در صد مصافِ معرکہ گر کند گشتہ ام   روزے بیک صقال بجا آید آں مضا

ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

باز ہاں شیرِ دژ آگہ شوم
کز من بے شیرِ شود مرغزار

بالآخر دوسری مرتبہ قید کے بعد رہا ہوا تو اپنی زندگی کے تلخ لمحے یاد کر کے کہتا ہے ؎

در جہاں ہیچ گوش نشنیدہ است   آنچہ دیدست چشمِ من زعبر
سالہا بودہ ام چنانکہ بُوَد   بچۂ شیر خوارہ بے مادر
گہ بزاری نشستہ ام گریاں   خانہائے ز سیج مظلم تر
گہ بہ سختی کشیدہ ام نالاں   بندہائے گراں تر از لنگر
چہ حکایت کنم کہ می بودم   ز آتش و خاک، بالش و بستر
بر سرِ کوہ ہائے بے فریاد   شد جوانیِ من ہبا دہبر

رہائی کے بعد مسعود شاہی کتب خانے کا منتظم مقرر ہوا۔ اور اب اسے موقع ملا کہ اپنے منتشر کلام کو ترتیب دے۔ مشہور رہے کہ فارسی کے علاوہ عربی

اور ہندی میں بھی شعر کہتا تھا۔ اس کا مبسوط فارسی دیوان آقائے رشید یاسمی نے تصحیح و ترتیب کے بعد بڑی نفاست سے طہران سے شائع کیا ہے۔ دیباچہ اور فہرست سے قطع نظر فقط اشعار کے سات سو چھتیس صفحات ہیں۔

دیگر شعرا لاہور کے اس عہد کے شعرا میں سے فقط ابو الفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے ناموں سے کان آشنا ہیں۔ (اور انہیں بھی آج سے چند سال پہلے تک ایرانی تذکرہ نگار نیشا پوری اور ہمدانی بتا رہے تھے!) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ لاہور کی ادبی زندگی فقط ان دو تک محدود تھی۔ افسوس کہ مرورِ زمانہ سے باقی شعرا اور ادبا کی تصانیف ضائع ہو گئیں لیکن عوفی کی لباب الالباب میں جو تھوڑا بہت مواد ملتا ہے۔ اور بعض جگہ جو اچٹتے اشارے ہیں۔ ان سے خیال ہوتا ہے کہ لاہور اس زمانے میں صحیح معنوں میں "غزنین خورد" تھا۔ اور شہر کی ادبی، علمی اور روحانی زندگی شباب پر تھی۔ عوفی نے مختلف ممالک کے فارسی شعرا کے حالات لکھے ہیں۔ ان میں لاہور کا ذکر مختصر سا ہے۔ تذکرہ نگار اس برصغیر میں اس وقت پہنچا جب لاہور کے چمن میں خزاں آچکی تھی۔ لیکن اس کی کتاب کو بغور دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لاہور میں علم و ادب کا بڑا چرچا تھا۔ بلکہ لاہور کے علما و فضلا کی ممالکِ اسلامی میں بڑی قدر تھی۔ مثلاً عوفی نے ایک جگہ سید الکتاب جمال الدین علی لاہوری کا ذکر کیا ہے جنھیں والیِ نیشا پور نے اپنا دفترِ انشا سپردکر رکھا تھا۔ اور "شیخ الاسلام زکی الملت والدین صفوۃ الزہاد قدوۃ العباد ابن احمد اللوہوری ادام اللہ برکات ایامہ" کا ذکر تو بار بار آتا ہے۔ عوفی کے دل میں ان کی جو قدر و منزلت تھی۔ اس کا اندازہ ان خطابات سے ہو سکتا ہے لیکن

ان کی تعریف میں ہرات کے ایک فاضل کا قصیدہ بھی ملتا ہے جس سے ان کے علوِ مرتبہ پر روشنی پڑتی ہے ؎

زہے ز خاطرِ تو لشکرِ سخن منصور　　خہے بہ ہمتِ تو کشورِ ہنر معمور

سزد کہ خطِ غلامی ستاند از آفاق　　چو ہست مسکنِ تو خواجہ خطۂ لوہور

موفقی و بہ توفیقِ حق نہ معجب　　محققی و بہ تحقیقِ خود نہ مغرور

شدی بفضل و فضائل بہ ہر طرف معروف　　شدی بہ لطف و شمائل بہ ہر کنف مشہور

اسی طرح عوفی مشائخِ خطۂ لاہور میں سے شیخ الاسلام خطیر الدین کا نام لیتا ہے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ ان کے جانشین امام مجد الدین تھے جن کی تصانیف "در انواعِ علوم از معقول و منقول مشہور" تھیں۔

علما و فضلا کا ذکر "لباب الالباب" میں ضمنی طور پر آتا ہے۔ اصل میں یہ شعرا کا تذکرہ ہے۔ اور اس میں لاہور کے کئی اہلِ سخن کے نام ہیں۔ ان میں سے بعض لاہور میں پیدا ہوئے لیکن ان کی شہرت کا میدان اسلامی ممالک تھے۔ مثلاً (طبقاتِ ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین کے والد) ملک الکلام سراج الدین لاہوری۔ بہت سے ایسے تھے۔ جو پیدا افغانستان، خراسان وغیرہ میں ہوئے۔ اور بسلسلۂ ملازمت لاہور میں آکر مقیم ہوگئے۔ بعض ایسے بھی تھے۔ جنھیں غزنی سے لاہور بطریقِ تعزیر جلا وطن کیا گیا۔ مثلاً (ابو الفرج رونی کے والد) مسعود رازی؛ اور ابو العلا عطا ابن یعقوب المعروف بہ ناکوک، جو عربی اور فارسی، دونوں زبانوں کا زبردست شاعر تھا۔ ان کے علاوہ لاہور کے متعدد دوسرے شعرا تھے۔ جن کے نام اور چند اشعار لباب الالباب میں ملتے ہیں۔ لیکن ان کے زمانۂ حیات کے متعلق کوئی تفاصیل نہیں

مثلاً مسعود بن سعد شالی کوب جن کی نسبت عوفی لکھتا ہے۔ "از احرارِ خطۂ لاہور بود۔ ودر طبع زکی۔ وشعرِ دے قرینِ عنصری و رودکی"۔ یا ابو جعفر عمر بن اسحاق الواشی جو لاہور کے علما میں سے تھے۔ اور جن کے بعض اشعار عوفی نے منتخب کئے ہیں۔ مثلاً

غزل

دوش در سودائے دلبر بودہ ام بالبِ خشک و رخِ تر بودہ ام
در خمارِ عبہرِ مخمورِ او دیدہ باز از غم چو عبہر بودہ ام
در نمِ چشم و تفِ دل ہر زماں گوئی اندر آب و آذر بودہ ام
ہمچو بحر و کاں ز آب و خونِ اشک پُر ز دُرّ و پُر ز گوہر بودہ ام

لاہور میں شعر و سخن کا ہمیشہ چرچا رہا۔ لیکن اس کا انتہائی عروج اس زمانے میں ہوا۔ جب سلطنتِ غزنویہ زوال کی انتہائی پستیوں سے ہمکنار تھی۔ علاء الدین جہانسوز نے غزنی کو ۱۱۵۱ء میں جلا کر راکھ کر دیا۔ اور (سوائے سادات کے) جو کوئی شہر میں نظر آیا۔ اسے تہِ تیغ کر دیا۔ غزنویوں کی وسیع سلطنت میں بالآخر ان کے پاس فقط پنجاب رہ گیا۔ اور لاہور اُن کا دارالخلافہ تھا۔ "غزنین خورد" اب "غزنین کلاں" تھا۔ بلاشبہ دشمنوں نے یہاں بھی زیادہ دیر آرام لینے نہ دیا۔ لیکن بجھتے ہوئے چراغ نے تھوڑی دیر کے لئے سنبھالا لیا۔

دربارِ خسرو ملک (۱۱۶۰–۱۱۸۶ء)

آخری غزنوی فرمانروا خسرو ملک سیاسی اور عسکری حیثیت سے ایک کمزور اور ناکام بادشاہ تھا۔ لیکن اس کے دربار سے بڑے بڑے اہلِ کمال وابستہ تھے۔ عوفی

سے کئی ایک شعرا کے متعلق لکھا ہے کہ اُنہوں نے خسرو ملک کی تعریف میں قصیدے کہے اور یہ قصیدے نقل بھی کئے ہیں۔ چونکہ خسرو ملک کے چھبیس سالہ عہدِ حکومت میں (۱۱۶۰ء سے ۱۱۸۶ء تک) اس کا دارالحکومت لاہور رہا۔ اس لئے قرینِ قیاس ہے کہ یہ سب شاعر لاہور میں موجود ہونگے۔ بعضوں کی نسبت عوفی نے تصریح کردی ہے کہ وہ خسرو ملک کے دربار سے وابستہ تھے۔ مثلاً صدرالاجل جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن نصر الکاتب جو پہلے خسرو شاہ اور پھر خسرو ملک کے دیوان الانشا کا افسر اعلیٰ تھا۔ عوفی نے اس کے پانچ قصائد کا انتخاب درج کتاب کیا ہے۔ جن میں سب سے شگفتہ ذیل کا قصیدہ ہے ؎

دہانِ تنگِ ترا وہم در نمی یابد — بصد فسون، سخن زو گزر، نمی یابد
میان تو زنحیفی چناں لطیف آمد — کہ در کنار مراد، کمر نمی یابد
گل از کمالِ بقا بہرہ نمی یابد — مدد ز نورِ جمالت مگر نمی یابد
چناں حجابِ تو آمد شعاعِ طلعتِ تو — کہ بہرہ ز جمالت نظر نمی یابد
چگونہ گویم وصفِ جمالِ تو مجمل — کہ عقل حسنِ ترا مختصر نمی یابد

شاید تر و تازگی میں خواجہ شہاب الدین محمد بن رشید کا کلام اس سے بڑھ کر ہے۔ وہ خسرو ملک کے درباریوں میں سے تھا۔ اور ۵۹۰ھ میں انتقال کر گیا۔ عوفی نے اس کے تین قصیدوں سے اشعار لئے ہیں۔ اور تینوں کی تشبیہیں رنگین و پُر اثر ہیں۔ مثلاً ؎

ساقیا درده قدح بر لذتِ دیدارِ گل — در طرب رخسارِ خود بفروز چوں رخسارِ گل
باده را چوں آفتاب از مشرقِ ساغر برآر — نہو را بنمائے صبح از مطلعِ دیدارِ گل

ساقیا چوں حقِ گل را جز بے نواں گزاشت — گل بود از پردہ رخ مے دہ، مخواہ آزارِ گل

اور سے

روز خوش است و ابر در آفاق می کشد — دل سوئے ساقیانِ سمن ساق می کشد
دستانِ مرغ پردۂ عشاق می زند — عشرت گرفتہ دامنِ عشاق می کشد
بادِ صبا ز کلۂ فیروزہ گونِ باغ — خنداں ہزار لعبتِ خفچاق می کشد
گلہا شدند گوئی در لعب طاق و جفت — کایں جفت می نماید و آں طاق می کشد
بر طاق نہ ہوائے جہاں را کہ در ہوا — قوسِ قزح ز ایوان اصد طاق می کشد
در دہ مے کہ در قدح از فروغ آں — در شامِ تیرہ، صبحِ براق می کشد
آبیست در قنینہ و لیکن چوں آتش است — کز غایتِ فروغ بہ احراق می کشد
مستی ز ہوشیاری خوشتر مرا از آنک — مستی بمدحِ خسروِ آفاق می کشد

اور سے

اے دیدہ در خزاں ز جالت بہار چشم — دارم ز حسرتِ تو چوں ابرِ بہار چشم
از بسکہ از بہارِ جمالِ تو بہرہ یافت — ہست از ہر شکِ رنگیں، چوں لالہ زار چشم
بے دیدنِ جمالِ تو اے نورِ چشمِ من — ندہد حیات زیب و نیاید بہ کار چشم

شہاب الدین بلا کا بدیہہ گو اور حاضر جواب تھا۔ ایک مرتبہ اس کے ایک دوست نے اسے گلاب اور نرگس کے کچھ پھول بھیجے۔ اس نے فی البدیہہ کہا ؎

شاخکے چند نرگسِ رعنا — گلکے چند تازہ و چیدہ
آں ہمہ دیدہ ہائے بے چہرہ — ویں ہمہ چہرہ ہائے بے دیدہ

دربارِ خسرو ملک کا ایک درخشندہ ستارہ جمال الفلاسفہ یوسف بن محمد الورینڈی

تھا - جو ایک بلند پایہ عالم اور یکتائے عصر فلسفی تھا - مدت تک امرائے کبار میں شمار ہوتا رہا - پھر حالات زمانہ دیکھ کر فقیر ہو گیا - اس کا مزار مدّت مدید تک لاہور میں زیارت گاہِ خاص و عام رہا - اس کے ایک قصیدہ کے چند اشعار ہیں؎

رنجورِ دل شکستہ و حیراں بماندہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ کز حضرتِ مبارکِ سلطاں بماندہ ام
از دوستانِ مشفق و یارانِ مہرباں ‏ ‏ ‏ ‏ بر گوشۂ ز عالمِ نسیاں بماندہ ام
من یوسفم و لیک چو یعقوب روز و شب ‏ ‏ ‏ ‏ در پیش گاہِ خانۂ احزاں بماندہ ام
پائے بجائے رفتہ و در دستِ اکتساب ‏ ‏ ‏ ‏ چیزے نماندہ ، بے سروساماں بماندہ ام
تا خطّ و تا خطابِ عزیزت بدیدہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ در روضۂ مبارکِ رضواں بماندہ ام

جاناں جفا مکن کہ جفا را نہ در خوریم ‏ ‏ ‏ ‏ آں بہ کہ در زمانہ وفا را بہ پروریم
تا کے برائے وصلِ تو دل در وفا نہیم ‏ ‏ ‏ ‏ تا کے ز دستِ ہجرِ تو خونِ جگر خوریم
در ما چہ دیدۂ کہ نمی ننگری تو بیش ‏ ‏ ‏ ‏ بگزار تا بروئے تو یک بار بنگریم
جرمے دگر نداریم آخر چہ شد کہ ما ‏ ‏ ‏ ‏ بر درگہِ مرادِ تو چوں حلقہ بر دریم
در وصلِ تو ز لطفِ زبانیت عاجزیم ‏ ‏ ‏ ‏ در ہجر از سر شکِ نہانی توانگریم
از خود برواد رکہ در راہِ عشقِ تو ‏ ‏ ‏ ‏ بے رہبرِ وصال در آئیم و بگزریم
ظلمِ فراق از ما کوتہ کن ار نہ ما ‏ ‏ ‏ ‏ ایں مظلمت بحضرتِ صدرِ جہاں بریم

خسرو ملک کے زمانے کا ایک مشہور فاضل نصر اللہ بن عبد الحمید تھا - بہرام شاہ کے زمانے میں کلیلہ و دمنہ کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا خسرو ملک نے اسے کسی الزام میں قید کر دیا تو اس نے یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیجی ؎

اے شاہ مکن آنچہ بہ پرسند از تو — روزے کہ تو دانی کہ نہ ترسند از تو
خرسند نہ بہ ملک و دولت ز خدا — من چوں باشم بہ بند خرسند از تو!

بالآخر اس کا عالمِ اسیری ہی میں انتقال ہوا۔ وفات کے وقت اُس نے کہا ؎

از مسندِ عز اگرچہ ناگہ رفتیم — حمداً للہ کہ نیک آگہ رفتیم
رفتند و شدند و نیز آیند و روند — ما نیز توکلتُ علیٰ اللہ رفتیم

بعض شعرا ایسے تھے جنھوں نے پہلے خسرو ملک کی تعریف میں قصیدے کہے۔ اور پھر جب ۵۸۲ھ میں سلطان محمد غوری نے اسے شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ تو وہ نئے بادشاہ سے وابستہ ہو گئے۔ مثلاً عبدالرافع ہروی، جس نے سلطان خسرو ملک کے نام پر رسالۂ جلالیہ نظم کیا تھا۔ اس کے ایک قصیدہ کی تشبیب ہے ؎

اے دل بیار مژدہ کہ جاناں ہمی رسد — وے دیدہ جائے ساز کہ مہماں ہمی رسد
وے تن اگرچہ کارِ تو از غم بجاں رسید — جاں را فرست پیش کہ جاناں ہمی رسد
کارِ نشاط و لہو ز سر تازہ کن کنوں — چوں رنج ہائے ہجر بہ پایاں ہمی رسد
ایامِ درد و محنت و شدت ہمہ گزشت — ہنگامِ روح و راحت و درماں ہمی رسد
چوں بلبلاں نوا زن اندر بہارِ فصل — کاں تازہ گل بہ صحنِ گلستاں ہمی رسد

اسی طرح کا ایک شاعر ابوبکر خسروی تھا جس نے پہلے خسرو ملک اور پھر سلطان محمد غوری کی تعریف میں قصیدے کہے۔ اس کی ایک غزل ہے ؎

تا چند پیشِ تیرِ غمت دل سپر کنیم — در عشق نامِ خویش بگیتی سمر کنیم
از بیمِ ناوکِ مژہ و تیرِ غمزہ ہات — گاہے کماں ز پشت، گہ از دل سپر کنیم
سوگندہا خوریم کہ بودیم در بہشت — چوں در میانِ کوئے تو جاناں گزر کنیم

گفتی بہ طنز دوش کہ "رو۔ یارِ نو گزیں" — آں روز خود مبا د کہ یارِ دگر کنیم
تا تاجِ روزگار شویم اے پسر ز فخر — خاکِ درت چو دیدہ ہمی تاجِ سر کنیم

ایک اور غزل میں کہتا ہے ؎

اے کہ از حسنِ تو خوبی را جمالے دیگر است — اے کہ از لطفِ تو گیتی را کمالے دیگر است
بر بساطِ حسن، در قصرِ شرف، بر تختِ لطف — شاہ رویت را بہر لحظہ جمالے دیگر است
سوسنِ لطفت ترا در بوستانِ دلبری — از جمال و حسن صد گونہ نہالے دیگر است

سلطان محمد غوری کی تعریف میں اس نے جو قصیدہ لکھا۔ اس کی تشبیب یہ ہے ؎

نا عروسِ حسنِ تو از لطف زیور می کشد — شاہِ دل را عشقِ تو بر تختِ جم بر می کشد
آبِ رویت را چمن از تحفہ بر رخ می زند — خاکِ پایت را فلک از دیدہ بر سر می کشد
گوہرِ نوشینِ تو در لعل لو لو می نہد — سوسنِ سیمینِ تو از لالہ عنبر می کشد
نوبتِ لطف و کمالت بر زمیں گل می زند — رایتِ حسن و جمالت بر فلک خور می کشد
مشکِ عنبر بیزِ تو بر ماہ چوگاں می کند — لعلِ گوہر ریزِ تو از پستہ شکر می کشد
وصل ہر ساعت تنم را خوار تر در می نہد — ہجر ہر لحظہ دلم را تنگ در بر می کشد

غرض کہ اس زمانے میں لاہور میں بے شمار شاعر تھے۔ جن کی قادر الکلامی اور شیریں مقالی پر ان کا کلام گواہ ہے۔ ناممکن نہیں کہ ان میں سے کسی کا مجموعہ کلام اب بھی (ایران کے کسی کتب خانہ سے) مل جائے۔ اور دنیائے ادب میں ایک دوسرے ابوالفرج رونی اور مطہر کا اضافہ ہو جائے۔ لیکن اگر یوں نہ بھی ہو۔ تب بھی پاکستان کی ادبی تاریخ میں وہ عہدِ زریں کیسے فراموش ہو سکتا ہے۔ جب لاہور "غزنین خورد" ہی نہیں بلکہ "غزنین کلاں" ہو گیا تھا اور دنیا بھر میں فارسی ادب کا سب سے بڑا گہوارہ تھا؟

حکومتِ دہلی

(مغلوں سے پہلے)

ناصرالدین قباچہ کا دربار
(۱۲۱۰ تا ۱۲۲۷ء)

اسلامی ہندوپاکستان میں فارسی شاعری غزنویوں کے دم قدم سے آئی اور یہ انہیں کی مثال کا اثر تھا کہ تمام اسلامی دور میں یہاں کی درباری زبان فارسی رہی۔ عہدِ غزنویہ میں لاہور اسلامی حکومت اور فارسی شعروسخن کا مرکز تھا لیکن شمالی ہندوستان کی فتح کے بعد جب دہلی دارالسلطنت ہوئی تو اسلامی تہذیب و تمدن اور فارسی شاعری کا مرکز بھی وہیں منتقل ہوگیا۔ بلکہ منگولوں کے حملوں سے (جو سلطان شمس الدین التمش کے زمانے ہی سے شروع ہوگئے تھے) لاہور اس طرح تباہ ہوا کہ اس کی صوبائی حیثیت بھی باقی نہ رہی اور علم و ادب کے شیدائی ملتان۔ تلبنہ۔ اُچہ۔ دیپالپور۔ اجودھن۔ ہانسی۔ کہرام۔ سنام۔ سیالکوٹ میں منتشر ہوگئے اور عہدِ اکبری تک لاہور کو اپنی کھوئی ہوئی

عظمت نہ ملی۔

شمالی ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک لاہور میں محو استراحت ہے۔ اس کے جانشینوں نے دہلی کو مستقل دار الحکومت قرار دیا لیکن ایبک کے نائب ناصرالدین قباچہ کی بدولت ایک طویل وقفہ ایسا بھی تھا۔ جب اُچہ کی علمی اور ادبی محفلوں کو لاہور اور دہلی پر چشمک زنی کا حق حاصل تھا۔ قباچہ نے اُچہ میں (جو موجودہ ریاست بھاولپور میں ایک قدیمی شہر ہے) بڑے پیمانے پر ایک درسگاہ قائم کی۔ عوفی جیسے تذکرہ نگار اور منہاج سراج جیسے مورخین اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس کے علاوہ جیسا عوفی نے لباب الالباب میں بیان کیا ہے۔ اس کے دربار میں اسلامی ممالک سے کئی قادرالکلام شاعر جمع ہو گئے تھے۔

قباچہ کا وزیر عین الملک بھی شعروسخن کا مربی تھا۔ عوفی نے لباب الالباب میں دربار ناصری کے شعرا کا تذکرہ لکھا ہے اور طویل اقتباسات دئے ہیں لیکن افسوس اس کے اقتباسات قصائد تک محدود رہے ہیں۔ اور بعض شعرا کے نام کرم خوردہ مسودوں میں پڑھے نہیں جاتے۔ مثلاً ذیل کا قصیدہ عین الملک اشعری وزیر قباچہ کی مدح میں ہے۔ لیکن شاعر کا نام کیڑوں کی نذر ہو گیا ہے

گفتم مداں نگار کہ خورشید انوری ۔۔۔ گفتا زوے نکوترم از نیک بنگری
گفتم کہ دلربائیِ جاناں زعاشقاں ۔۔۔ گفتا بہ زلفِ عنبری و چشمِ عبہری
گفتم مہِ چہاردہٗ بر سپہرِ حُسن ۔۔۔ گفتا مہِ مراست ہزار از تو مشتری
گفتم بہ بندگیِ تو اقرار می کنم ۔۔۔ گفتا چو تو بسے ست کنونم بہ چاکری
گفتم کہ جاں بہ نزدِ تو آرم بخدمتے ۔۔۔ گفتا کہ تحفہ ایست نہ بے سیمی و زری

ایک اور شاعر کا نام کرم خوردہ مسودوں میں نہیں پڑھا جاتا۔ لیکن چونکہ اس کے بعض اشعار لچھمی نراین نے اپنے تذکرہ گل رعنا میں فضلی ملتانی کے نام سے دئے ہیں۔ شاعر کی ذات متعین ہو سکتی ہے۔ فضلی ایک زبردست عالم اور تاج الفضلا کے لقب سے مشہور تھا۔ عوفی نے اس کا ایک قصیدہ اور چند رباعیات نقل کی ہیں۔ قصیدہ ناصر الدین قباچہ کی تعریف میں ہے ؎

اے ظفر ہمدم ترا از بختِ برنا آمدہ   نامۂ تائیدِ تو اِنّا فتحنا آمدہ
ناصرِ دیں خسروِ دنیا، قباچہ شاہِ شرق   اے مہ چترِ تو بر گردونِ مینا آمدہ
از پئے اعلائے دیں نصر من اللہ در ازل   بر سرِ منشورِ شاہیِ تو طغرا آمدہ
سنّتِ فراتِ جان بختِ تو ملّت پروری   رائے تو در ملک داری پیرِ دانا آمدہ

رباعی

آغاز نہاد فتنہ بازش، چہ کنم   چوں داشتہ ام محرم رازش چہ کنم
بسیار ز خشم دست بر دست زدم   کوتاہ نہ شد دستِ درازش چہ کنم

رباعی

کردی سیہم زاں شبِ گیسو کہ تراست   نیکوست رخت ولیک بدخو کہ تراست
در پہلوئے تیرِ مژۂ مردم کش   احسنت زہے کمانِ ابرو کہ تراست

رباعی

ہر لالہ کہ چشمِ کوہسارے بود است   صد قطرہ ز خونِ تاجدارے بود است
مسپر بہ قدم سبزۂ بستاں گستاخ   کاں وسمۂ ابروئے نگارے بود است

دو اور قابلِ ذکر شعرا جن کے اشعار عوفی نے نقل کئے ہیں فخر الشعرا

ضیاالدین سنجری اور شمس الدین محمد بلخی تھے۔ ضیاالدین سنجری ایک قصیدہ کے دوران میں کہتا ہے ؎

صاحبا در بندگیت ایام برنائی تمام | صرف کردم چاکر تو بر صدق این دعوی گواست
ملجا رخود جز جناب جاہ تو نشناختم | از جوانی تا گہ پیری کہ ایام عناست
عہد برنائی گزشت اکنون و مویم شد سپید | وز زمانہ تا امید بہائے دیگر در قفاست
در جوانی چوں عزیزم داشتی از راہ لطف | حق پیری را کنوں گر شاکرم داری رواست

بلخی کے قصیدہ کے چند اشعار ہیں ؎

اے لب لعلت مزاج آب حیواں یافتہ | بر جہان دلبری حسن تو فرماں یافتہ
شہسوار حسن در میدان خوبی مرترا | بر کمیت دلربائی تیز جولاں یافتہ
روز عید از گرد بکرانت مشام عاشقاں | نکہت مشک تتار از خاک میداں یافتہ
خال زنگی چہرہ را بر لعل جاں بخشت خود | نقطۂ از کفر بر رخسار ایماں یافتہ
دل بسے سودائے الفت در سر آوردہ و لیک | ہمچو حال خویش زلفت را پریشاں یافتہ

قباچہ کے دربار کا سب سے درخشاں موتی سدید الدین محمد عوفی تھا۔ اس نے فارسی شعرا کا سب سے پہلا تذکرہ لباب الالباب لکھا۔ (جس سے اور خوبیوں کے علاوہ لاہور اور اوچہ کی ادبی محفلوں پر روشنی پڑتی ہے)۔ جوامع الحکایات ترتیب دی جس میں اس زمانے کے ملوک، وزرا، علما، صلحا کی حکایات درج ہیں۔ الفرج بعد الشدۃ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ واعظ اور خطیب بھی تھا۔ چنانچہ اس کا ایک عربی خطبہ لباب میں درج ہے۔ قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ اس نے کئی قصائد قباچہ اور اس کے وزیر عین الملک اشعری کی تعریف میں لکھے۔ قباچہ کی تباہی کے بعد

۶-۶۲۵ہجری میں وہ دہلی چلا گیا۔ یہاں التتمش کے وزیر نظام الملک جنیدی نے اس کی سرپرستی کی اور اسے نا تمام تصانیف کی تکمیل پر آمادہ کیا۔ عوفی نے کئی قصائد اس کی تعریف میں لکھے۔ عوفی کے کئی قصائد لباب میں درج ہوئے ہیں لیکن ان میں اس کی علمیت شعریت پر غالب نظر آتی ہے۔

عمید سنامی
(۱۲۰۴ء تا ۱۲۸۴ء (؟))

بھارت کا سب سے پہلا فارسی شاعر غالباً تاج الدین ریزہ تھا۔ وہ اپنے کمالِ شعر اور جائے پیدائش کے متعلق لکھتا ہے ؎

مولد و منشا ہیں درخاکِ ہندوستاں مرا
نظم و نثرم ہیں کہ با آبِ خراساں آمدہ

ایک اور مشہور ابتدائی شاعر، بدایوں کا استاد الشعرا شہاب الدین مہرہ تھا جس کا امیر خسرو اپنے اشعار میں اس طرح ذکر کرتے ہیں۔ جس طرح غالب اپنے بعض اشعار میں میر کا ؎

در بدائوں مہرہ سرمست بر خیزد ز خواب
گر بر آید غلغلِ مرغانِ دہلی زیں نوا

افسوس کہ مہرہ کا کلام دستِ بُردِ زمانہ سے تلف ہو گیا۔ لیکن اس کے شاگرد عمید کے کئی قصائد بدایونی کی منتخب التواریخ میں محفوظ ہیں۔ عمید کا پورا نام خواجہ عمید الدین اور خطاب فخر الملک تھا۔ وہ سنام[1] میں پیدا ہوا۔ اور یہیں تعلیم حاصل کی اس کی ادبی اور علمی صلاحیتیں اسے دربار شاہی میں لے گئیں۔ بلبن کا بیٹا خان شہید

---

[1] سنام ریاست پٹیالہ (پنجاب) میں ایک قدیمی قصبہ ہے۔

اس کا بڑا مداح تھا۔ ایک زمانے میں وہ ہندوستان کا دیوانِ کُل ہو گیا تھا لیکن حساب کتاب کی بعض غلطیوں کی وجہ سے برخاست ہوا۔ بلکہ جیل میں ڈالا گیا۔ اور اس دوران میں اس نے اپنے پُر اثر حبسیہ قصائد لکھے۔ بالآخر اس کی تنخواہ معاف ہوئی اور وہ خان شہید کی سرکار سے متعلق ہو گیا۔ جہاں اس نے خسرو اور حسن کی سرپرستی کی۔ اس کے کلام میں گرمی، زور اور صفائی ہے۔

عمید کے متعلق بدایونی کے علاوہ سب سے زیادہ تفاصیل ڈاکٹر اقبال حسین نے جمع کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ سنہ ۶۰۱ھ میں پیدا ہوا۔ اور سنہ ۶۵۳ھ سے پہلے وفات پا گیا لیکن اوحدی نے عمید کی تاریخ پیدائش سنہ ۶۵۵ھ دی ہے۔

شیخ جمال الدین ہانسویؒ (۱۱۸۴ء — ۱۲۶۰ء)

مذکورہ بالا شعرا تو ایسے تھے جو دربار شاہی سے وابستہ یا کاروبارِ سلطنت سے تعلق رکھتے تھے لیکن شروع ہی سے آزاد منش، درویش جمع بزرگوں نے جو دنیا کی کشش سے آزاد تھے شعر و شاعری کی سرپرستی شروع کی۔ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جو دو دیوان بازار میں بکتے ہیں۔ ان کا انتساب مشتبہ ہے۔ لیکن اور کئی صوفیائے کرام کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ مثلاً سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کے پیر بھائی اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے خلیفۂ اعظم قطب جمال الدین احمد ہانسوی کا ضخیم دیوان چھپ چکا ہے اور علامہ شیرانی مرحوم نے اُسے اصلی اور مستند تسلیم کیا ہے۔

شیخ جمال الدین اس زمانے کے مشہور صوفی اور بابا فریدؒ کے معتمد مُرید تھے۔ مرشد کو آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ کوئی خلافت نامہ ان کی تصدیق کے بغیر مکمل نہ ہوتا تھا۔

چنانچہ مشہور ہے کہ فریدؒ نے مخدوم علاء الدین صابرؒ کو پہلے دہلی میں اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ لیکن شیخ جمال الدینؒ نے اس کی تصدیق نہ کی۔ بلکہ مخدوم صاحب کی سندِ خلافت چاک کر دی۔ اُنھوں نے بابا صاحب سے شکایت کی تو مرشد نے فرمایا "پارہ کردہ جمال را فرید نتواں دوخت" اور مخدوم صاحب کو دہلی کی جگہ کلیر کی خلافت عطا ہوئی۔

شیخ جمال الدین کا کلام اس زمانے کی یادگار ہے جب صوفیہ کے ہاں عرفان و تصوف ہی نہیں، بلکہ علم و شریعت اور شعر و ادب کی شمعیں روشن تھیں۔ دیوانِ قطب جمال الدین میں کئی نظمیں امام ابو حنیفہؒ کی تعریف میں ہیں۔ چند ایک میں ٹھیٹھ خطیبانہ مسائل کا بیان ہے۔ ان اشعار کی ادبی قدر و قیمت زیادہ نہیں۔ لیکن متعدد غزلیں عشقِ الٰہی اور وارداتِ قلبی کا مرقع ہیں۔ اور انھیں ان کی قدامت اور شاعر کی روحانی عظمت کے پیشِ نظر دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

بوعلی قلندر پانی پتی
(وفات ۱۳۲۳ء)

صوفیہ حضرات میں بالعموم دو طبقے گنے جاتے ہیں۔ ایک جو شرع اور عقلِ انسانی کی پابندیوں کا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور دوسرے جن پر انجذاب کی حالت غالب ہوتی ہے۔ داتا گنج بخش لاہوریؒ اور قطب جمال الدین ہانسویؒ پہلے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ابتدائی دور کے سب سے مشہور صوفی شاعر بوعلی قلندر دوسرے طبقے سے متعلق تھے۔ اُن کی مثنوی بہت مشہور ہے اور جیسا کہ منتخب غزلوں سے اندازہ ہوگا غزلیں بھی والہانہ اور زوردار ہیں۔

امیر خسرو دہلویؒ
(۱۲۵۳ء-۱۳۲۴ء)

سلطان محمد غوری نے ۱۱۹۲ء میں دہلی کو فتح کیا اور جلد ہی مسلمان تمام شمالی ہندوستان پر چھا گئے۔ ٹھیک اسی زمانے

میں وسط اور مغربی ایشیا کے اسلامی ممالک میں "فتنۂ مغول" کی آندھی چلی جس سے بچنے کے لئے مسلمان صوفی۔ عالم۔ شاعر اور ادیب جوق در جوق ہندوستان میں آکر پناہ گزیں ہوئے۔ اور دہلی۔ بدایوں۔ ملتان۔ اُچہ کو رشکِ غزنی و بخارا بنا دیا۔

ہندوستان میں اب شعر و سخن کی زمین تیار تھی۔ فقط کسی صاحبِ کمال کا انتظار ہو رہا تھا جو اس زمین کا رتبہ آسمان تک پہونچا دے۔ وہ کمی امیر خسروؒ نے پوری کر دی جو اقبال سے پہلے پاکستان و ہند کے سب سے برگزیدہ شاعر تھے اور جن کا سکہ ماننے والوں میں سعدی اور جامی جیسی مشہور ہستیاں تھیں۔

امیر خسروؒ فارسی شاعری کے اُس دور میں پیدا ہوئے جب فغانی کی بدولت خیالات میں پیچ ڈال کر بیان کرنے کا رواج ابھی عام نہیں ہوا تھا۔ اور خسروؒ کی اپنی طبیعت کا انداز بھی کچھ اس طرح کا تھا کہ انہیں پیچدار بلکہ عمیق خیالات بھی مرغوبِ خاطر نہ تھے۔ وہ سیدھے سادے عام خیالات کو اشعار میں ادا کرتے ہیں۔ اور چونکہ خدا نے دلِ گداختہ عطا کیا تھا اور موسیقی پر کامل دسترس تھی۔ اس لئے اندازِ بیان بڑا دلآویز اور موثّر ہے۔

امیر خسروؒ کی ایک اور خصوصیت ان کے کلام کا مقامی رنگ ہے۔ ان کے والد ملک ترکستان سے آئے تھے لیکن والدہ ہندوستانی تھیں۔ اور نانا ایک وضعدار ہندی النسل امیر۔ اس لئے یہاں کے اوضاع و اطوار سے خوب واقف تھے۔ اُنہوں نے متعدد ایسی مثنویاں لکھیں جن کا موضوع برِّصغیر پاکستان و ہند کا کوئی معاصرانہ واقعہ تھا۔ مثلاً تغلق نامہ میں غیاث الدین تغلق حاکم دیپالپور اور خسرو خاں کی لڑائیاں، مثنوی عشقیہ یا دیول دیوی میں خضر خاں ابنِ سلطان علاء الدین خلجی اور دیول دیوی

کی محبت اور عبرت ناک انجام۔ اور قران السعدین میں سلطان کیقباد اور اس کے والد بغراخاں حاکمِ بنگالہ کی کشمکش، ملاقات اور صلح کا بیان ہے۔ ان کی غزلوں اور قصیدوں میں بھی مقامی اسماء و خیالات بکثرت آتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے ان کے اشعار میں ایک مقامی رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ امیر خسرو کی ایک دلچسپ تصنیف نہ سپہر ہے جس میں ایک مستقل باب ہند اور اہلِ ہند کے فضائل میں ہے۔

امیر خسرو پٹیالی (ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ) میں پیدا ہوئے اور دہلی میں دفن ہیں۔ لیکن انہوں نے ایک زمانہ ملتان میں خانِ شہید کی ملازمت میں گزارا اور بنگالہ میں بھی دو مرتبہ کافی عرصہ تک قیام کیا۔

امیر خسروؒ اس عہد کے مشہور صوفی بزرگ سلطان نظام الدین اولیاؒ کے چہیتے مرید تھے۔ ہر کتاب میں ان کی تعریف میں کچھ نہ کچھ کہتے ہیں۔ کلام میں عام فارسی شعرا کی طرح کبھی کبھی کوئی صوفیانہ خیال بھی ٹپک پڑتا ہے۔ طبیعت بھی ان کی صلح کل، نیکوکار اور بے آزار تھی۔ لیکن ان کی شاعری کا عام رنگ سنائیؔ اور عطارؔ کی طرح صوفیانہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تصوّف سے انہوں نے محبتِ شیخ۔ ریاضت و عبادت اور صوفیانہ وسعتِ قلبی اور بے تعصبی کو لیا۔ لیکن شاعری کو اہلِ فن کی طرح عام شاعرانہ مضامین کے لئے وقف رکھا۔ اور اپنے کمالِ طبعی سے اسے آسمان پر پہونچا دیا ہے

خسروِ سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیرا ز بود

لیکن امیر خسروؒ کے ہاں فقط بادۂ شیراز ہی نہیں آبِ حیات کے گھونٹ بھی ہیں۔ ان کے کلام کی اہمیت فقط شاعرانہ نہیں، تاریخی بھی ہے۔ انہوں نے جو زمانہ دیکھا

تھا۔ وہ عہد مغلیہ سے پہلے اسلامیانِ ہند کے سیاسی عروج و ترقی کا سب سے بڑا دُور تھا لیکن نہ تو اس عہد کی نشانیاں سنگِ مرمر اور سنگِ سُرخ کی عمارتوں میں محفوظ ہیں اور نہ کسی موقلم مصوّر نے اس زمانے کی قابلِ یاد ہستیوں کی تصویریں کھینچی ہیں۔ اس کی داستان اور مشاہیر زمانہ کی تصویریں یا تو ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں ملیں گی یا خسروؒ کی تاریخی مثنویوں میں۔ اور اگر قوم کو اپنے عنفوانِ شباب کا وہ بھولا بسرا زمانہ یاد آ گیا۔ جب بیس برس میں اسلامی حکومت کا رقبہ قریبًا دگنا ہو گیا تھا۔ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ۔ بلبن۔ علاء الدین خلجی۔ غیاث الدین تغلق (اور ہاں امیر خسروؒ) جیسی باعظمت ہستیاں زیب روزگار تھیں۔ تو خسرو کی تصانیف کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ جائے گی۔

صوفی تذکرہ نگار خسروؒ کی عبادت اور پرہیزگاری کی بڑی تعریف کرتے ہیں، معاصرانہ تالیف سیرالاولیا کے اندراجات پڑھیں تو خسرو کو ایک عام دنیا دار سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن وہ تمام عمر دربارِ شاہی سے وابستہ رہے اور اس زمانے کے دو تین بادشاہ بڑے آزاد منش بلکہ رنگیلی طبیعت کے تھے۔ خسرو جو شاعر بھی تھے اور موسیقی کے ماہر بھی، ان رنگیلی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے خیال ہوتا ہے کہ دل پر چوٹ کھائے ہوئے تھے۔ اگر عام رسمی شاعرانہ خیالات کو نظر انداز کر دیں تو ان کی غزلوں میں دو طرح کے مضامین زیادہ نظر آتے ہیں۔ ایک تو عشق و محبت کے ولولوں اور اس کی گوناگوں کیفیتوں کا بیان۔ دوسرے گزری ہوئی رنگین صحبتوں کی یاد۔ ہم نے "یادِ ایام" کے عنوان سے بعض ان اشعار کو یکجا کیا ہے جن میں موخرالذکر خیالات کثرت سے ادا ہوتے ہیں۔

حسن دہلوی
(۱۲۵۷ء تا ۱۳۳۶ء)

اس عہد کے ایک اور شاعر امیر خسرو کے دوست اور پیر بھائی حسن دہلوی تھے۔ جامی نے انہیں "طوطیِ ہندوستان" کہا ہے اور شبلی لکھتے ہیں کہ "جو سوز و گداز اور جذبہ و اثر ان کے کلام میں موجود ہے۔ ان کے کشتۂ محبت (امیر خسرو) میں بھی نہیں"۔ حسن کا ضخیم کلیات چھپ چکا ہے۔ بالکل چھوٹی چھوٹی غزلیں تھوڑی ہیں۔ لیکن کلام میں بڑی صفائی اور روانی ہے۔ اور اس عہد کے شعرا میں یقیناً ان کا مرتبہ بلند ہے۔

خسرو اور حسن نے سات آٹھ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ جاہ و اقبال اسکندرِ ثانی سلطان علاء الدین خلجی کو حاصل تھا۔ جس کی جرأت اور ہمت نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لئے دکن کے دروازے کھولے۔ خسرو اور حسن دونوں نے اس کی تعریف کی ہے۔ جس کثرت سے حسن نے اس کی تعریف میں غزلیں اور قصیدے لکھے ہیں خسرو نے نہیں لکھے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ اس کے دربار سے جو تعلق حسن کو تھا خسرو کو نہ تھا۔ حسن نے خسرو کے ساتھ قریباً پانچ سال ملتان میں خانِ شہید کی ملازمت میں گزارے اور پھر دہلی چلے گئے۔

حسن سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے۔ مرشد کے ارشادات و ملفوظات کو فوائد الفواد میں اس سلیقے اور حسنِ بیان سے مرتب کیا ہے کہ یہ کتاب اب فقط حضراتِ صوفیہ کے لئے ارشاد و ہدایت کا مخزن ہی نہیں بلکہ تاریخ و ادب کا سدا بہار باغ بھی ہے۔

جب محمد تغلق نے دہلی کو چھوڑ کر دولت آباد کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ تو حسن کو بھی دکن جانا پڑا۔ اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

ضیا نخشبی بدایونی
وفات سنہ ۱۳۵۰ع

اس عہد کے ایک اور قابلِ ذکر شاعر اور ادیب ضیا نخشبی تھے۔ جنھوں نے بدایوں میں خاموش زندگی بسر کی لیکن ان کی تصانیف کا شہرہ دور دور پہونچا۔ ان میں سب سے مشہور طوطی نامہ ہے جس میں ایک طوطے کی زبانی باون کہانیاں سنسکرت سے فارسی میں منتقل کی ہیں۔ ضیا کے طوطی نامہ کا ترجمہ ترکی۔ جرمن اور انگریزی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اُردو میں اس کا ترجمہ طوطا کہانی کے نام سے مشہور اور متداول ہے۔ اصل فارسی کتاب ایک مدت تک نصاب میں داخل رہی۔ ضیا کی دوسری مشہور تصنیف سلک السلوک تصوف میں ہے۔ اصل کتاب اور اس کا فارسی ترجمہ دونوں چھپ چکے ہیں۔ تیسری کتاب گل ریز ایک کہانی ہے جسے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کیا۔ اس کا ایک حصہ نظم میں ہے جس سے ہم نے آیندہ صفحات میں اشعار منتخب کئے ہیں۔ ان کے علاوہ ضیا نے چہل ناموس۔ عشر مبشرہ۔ کلیات و جزئیات تصنیف کیں۔ پہلی کتاب اخلاق و تصوف اور تیسری فنِ طب سے متعلق ہے۔ ضیا نخشبی استاد الشعرا شہاب الدین مہمرہ کے شاگرد تھے۔

مطہر
سنہ ۱۳۱۶ع تا سنہ ۱۳۸۰ع

امیر خسرو خاندانِ غلاماں کے عہدِ حکومت میں پیدا ہوئے اور خلجیوں کا زمانہ دیکھ کر خاندانِ تغلق کے دوسرے بادشاہ محمد تغلق کے پہلے سال حکومت میں وفات پا گئے۔

حسن اور ضیا اس کے کئی سال بعد تک زندہ رہے۔ اس زمانے میں ان کے علاوہ اور بھی کئی شاعر تھے لیکن اگر ان میں سے امیر خسرو اور حسن کے ساتھ جگہ پانے کا کوئی مستحق تھا تو اس کا کلام محفوظ نہیں رہا۔

محمد تغلق کے زمانے میں بدر چاچ نے عروج پایا جس طرح کا عجوبہ روزگار بادشاہ تھا۔ اسی طرح کا دل و دماغ خدا نے درباری شاعر کو دیا تھا۔ بدر چاچ کے قصائد طرزِ تحریر کی غرابت۔ دقّتِ زبان اور دور از کار تشبیہوں کی کثرت سے ایک چیستاں کا مجموعہ ہیں!

محمد تغلق کا جانشین فیروز تغلق ہوا۔ اس کا زمانہ امن و امان اور رفاہِ عامہ کے کاموں کے لئے ممتاز ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ دولت کی توجہ شاعری کی سرپرستی پر نہ تھی۔ ایک ہمعصر شاعر کہتا ہے سہ

دوستاں گویند عاید باچنیں طبعِ لطیف	چیست کاشعار و غزل از تو فراواں برنخاست
ماکراشعر و غزل گوئیم چوں در عہدِ ما	شاہدِ موزوں و مدحِ زر افشاں برنخاست

لیکن اس زمانے میں (موجودہ الہ آباد کے قریب) بلادِ شرقی کے صدر مقام کڑہ میں ایک ایسا شاعر پیدا ہوا جو ہندوستانی شعرا کی دوسری صف میں ایک امتیازی جگہ کا مستحق ہے۔ مطہر کی تاریخِ پیدائش، سالِ وفات اور دوسرے حالاتِ زندگی کے متعلق تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے بعض اشعار کی بنا پر قیاس کیا ہے[1] کہ اس کی تاریخِ پیدائش ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) اور تاریخِ وفات ۷۹۱ھ (۱۳۸۸ء) ہے۔ مطہر حضرت سلطان المشائخؒ کے جانشین حضرت چراغؒ دہلی کا مرید تھا اور اس نے کئی قصیدے فیروز تغلق اور اس کے امرا کی تعریف میں لکھے۔ شاعر کا خاص مربّی بلادِ شرقی کا حاکم اور انشائے ماہرہ کا مکتوب نگار عین الملک تھا۔

بدایونی نے مطہر کی ملائیت کی شکایت کی ہے اور بلاشبہ اس کے بعض قصائد سے "دودِ روغنِ چراغداں" کی بو آتی ہے۔ لیکن صاف اور موثر اشعار کثرت سے ہیں۔ اور

---

[1] مقالاتِ شروانی صفحہ ۲۷۱۔

چھوٹی بحروں کی بعض غزلیں تو تیر و نشتر کا اثر رکھتی ہیں۔

مسعود بک
وفات سنہ ۱۳۹۷ء

تصوف کو شعر و سخن سے خاص مناسبت ہے اور ہم بعض صوفی شعرا کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس زمانے کے ایک مشہور صوفی شاعر اور متعدد کتابوں کے مصنف مسعود بک تھے۔ شیر خاں اصلی نام تھا۔ سلطان فیروز تغلق کے اقربا میں سے تھے۔ امرائے سلطنت میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن زمانے کے حالات سے کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ سب کچھ ترک کر کے درویشی اختیار کی۔ ان کا کلام انہی درویشانہ خیالات کا آئینہ ہے۔ شیخ عبدالحق محدثؒ اُن کی نسبت لکھتے ہیں "سخن مستانہ می گوید۔ در سلسلۂ چشتیہ ہیچ کس این چنیں اسرارِ حقیقت فاش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کردہ۔" دیوان چھپ چکا ہے۔

سید محمد گیسو درازؒ
(وفات سنہ ۱۴۲۲ء)

اس زمانے کے ایک اور برگزیدہ صوفی حضرت سید گیسو دراز تھے جن کا مزار (گلبرگہ میں) دکن کی سب سے مشہور زیارت گاہ ہے۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف اور بڑے پایہ کے عالم تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ چنانچہ ان کے مطبوعہ دیوان سے بعض غزلیں، جو اُن کے صوفیانہ رنگِ طبیعت کو نمایاں کرتی ہیں، پیش ہیں۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ حضراتِ صوفیہ بالعموم دو طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک وہ جن پر انجذاب غالب ہوتا ہے اور دوسرے جو شریعت، عقلِ انسانی اور سوسائٹی کی پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ حضرت سید گیسو دراز دوسرے طبقے کے چشم و چراغ تھے۔ لیکن ان کی بعض غزلیں (اور اسمار الاسرار کے بعض اندراجات) دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ خاندانِ تغلق کے زوال سے سوسائٹی میں جس شکست و ریخت کا آغاز ہوا اس نے

انہیں تھوڑا بہت متاثر کیا۔ ان کی بعض غزلوں سے ایک بے پناہ والہانہ شیفتگی ٹپکتی ہے۔ اور جس آزادی اور بے باکی سے عشقِ مجازی کے ولولے اور آرزوئیں ان میں بیان ہوئی ہیں۔ اس کا سراغ بھی داتا گنج بخش علی ہجویریؒ اور قطب جمال الدین احمد ہانسویؒ کی غزلیات میں نہیں ملتا۔

حضرت سید گیسو دراز حملۂ تیموری کے وقت زندہ تھے۔ جب حکومتِ دہلی کا تنزل انتہا کو پہنچ گیا تھا اور مسعود بک بھی ان کے ہمعصر تھے۔

جمالی
وفات ۱۵۳۵ء

فیروز تغلق کی وفات ۱۳۸۸ء میں ہوئی۔ اس کے بعد خاندانِ تغلق اور حکومتِ دہلی کو تیزی سے زوال ہوا۔ بلکہ ایک زمانے میں بادشاہِ دہلی کی سلطنت سمٹ کر چند میلوں تک رہ گئی۔ اور ملک کے دوسرے علاقے مثلاً بنگال۔ دکن۔ گجرات۔ پنجاب۔ مالوہ۔ خود مختار ہو گئے تغلقوں کے بعد خاندانِ سادات نے دہلی کی گدّی سنبھالی لیکن ان کے زمانے میں بھی یہی حالت رہی ۱۴۵۱ء میں جب خاندانِ لودھی برسرِ اقتدار آیا تو دہلی کے تاج و تخت کی آب و تاب میں پھر اضافہ شروع ہوا۔

خاندانِ لودھی کا سب سے مستعد اور بیدار مغز بادشاہ سکندر لودھی تھا۔ جو خود شاعر تھا۔ اور جمالی کا مربی اور شاگرد۔ جمالی کا نام جلال الدین تھا۔ اپنی درویش منشی کی بدولت درویش کے عرف سے مشہور تھے۔ بزرگانِ ہند کا ایک تذکرہ سیر العارفین کے نام سے مرتب کیا۔ قدیم صوفیہ کی طرح ایک زمانہ بلادِ اسلامیہ کی سیر و سیاحت میں گزارا۔ اور اثنائے سفر میں مولانا جامی۔ مُلّا حسین واعظ کاشفی اور مولانا جلال الدین محمد دوانی سے ملاقات کی۔ مثنوی مہر و ماہ اسی دوران میں نظم ہوئی۔ لودھیوں کا زمانہ دیکھ کر عہدِ مغلیہ میں وفات پائی۔ ان کا بیٹا شیخ گدائی اکبر کا پہلا شیخ الاسلام تھا۔

دَورِ مغلیہ

بابر نے ۱۵۲۶ء میں سکندر لودھی کے جانشین ابراہیم خاں لودھی کو شکست دے کر سلطنتِ مغلیہ کی بنا ڈالی۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں ایک درخشاں باب کا آغاز ہوا۔ بابر ایک دیدہ ور حکمراں اور شعر و شعرا کا قدرداں تھا۔ اس نے فارسی زبان میں شعر کہے۔ اور ترکی میں ایک پورا دیوان ترتیب دیا۔ اس کے بیٹے ہمایوں کا ایک فارسی دیوان محفوظ ہے۔ بادشاہوں کی قدردانی اور ملک کے امن و امان سے عہدِ مغلیہ میں شعر و ادب کو بڑا فروغ ہوا۔

خان خاناں بیرم خاں (وفات ۱۵۵۹ء)

مغلیہ دَور کی ایک قابلِ ذکر ادبی خصوصیت ایران اور ہندوستان کے درمیان قریبی علمی اور ادبی روابط کا آغاز ہے۔ ہمایوں کو دوسری مرتبہ تخت و تاج شاہِ ایران کی بدولت ملا تھا۔ اور جب وہ ایران سے واپس آیا تو اس کے ہم رکاب

کئی ایرانی علما، فضلا اور شعرا تھے۔ اور اس کے بعد بھی کثرت سے اہلِ سخن ایران سے ہندوستان آتے رہے۔ اس ربط و ضبط کا اس برِ صغیر کی ادبی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ ایک تو فارسی شاعری کو نئی زندگی ملی۔ اور اس زبان میں کئی شعرا نے طبع آزمائی کی۔ دوسرے زبان کی صحت اور طرزِ بیان کی نفاست پر زیادہ توجہ ہونے لگی۔ اب تک اس برِ صغیر میں فارسی افغانستان اور ترکستان کے رستے سے آئی تھی۔ اب براہِ راست اہلِ زبان سے سابقہ پڑا۔ اس لئے زبان میں شائستگی زیادہ آگئی۔ اس کے علاوہ قابل اور ذہین ایرانیوں کی آمد سے ادبی اور فنی معیار بلند ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ اس وقت ایران میں بھی شاعری زوال پر تھی۔ اور فغانی کے وقت سے ایک مصنوعی اور غیر شاعرانہ طرزِ سخن رائج تھا۔ جسے ہندوستان میں بڑی تقویت ملی۔ اور شاعری جذبات کا اظہار ہونے کے بجائے لسانی اور عقلی قابلیت جتانے کا وسیلہ بن گئی۔ ہندوستان اور ایران کے بیشتر شاعر اس ادبی سراب میں سرگرداں رہے لیکن پھر بھی کئی اہلِ سخن ایسے تھے جن کی خوشگوار شخصیت اور روحی کیفیتیں ان کے اشعار میں جھلکتی ہیں۔ ان میں سے پہلا قابلِ ذکر شاعر بیرم خاں بیرمؔ ہے۔ جو سفرِ ایران کی منزلوں میں ہمایوں کا خضرِ راہ تھا اور اس کی وفات پر اس کے خورد سال بیٹے اکبر کا اتالیق ہوا۔

بیرم خاں نے دو قلیل الحجم فارسی اور ترکی دیوان یادگار چھوڑے ہیں لیکن ان میں مؤثر اور دلگداز اشعار کثرت سے ہیں۔ اواخرِ عمر میں بیرم خاں اور اکبر کے درمیان ناچاقی ہو گئی تھی۔ بعض اشعار میں شاید اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور عشق و محبت کی زبان میں سیاسی اختلافات و مصائب کو بیان کیا ہے۔

عُرفی
(۱۵۵۶-۱۵۹۱ء)

ان مشہور و معروف شعرا میں سے، جو ایران سے ہمایوں کی واپسی کے بعد ہندوستان آئے اور یہیں سپردِ خاک ہوئے۔ شاید سب سے پہلا عرفی تھا۔ وہ عہدِ اکبری میں ہندوستان پہنچا اور ۳۶ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔

عرفی کو عمر نے مہلت نہ دی کہ اپنی شاعری کو پایۂ کمال کی انتہائی بلندی تک پہنچاتا۔ لیکن اس کی طبیعت میں بلا کی جدّت، اولوالعزمی اور خودداری، خیالات میں بلندی اور طرزِ بیان میں بڑا زور تھا۔ اس کے زورِ طبیعت کا اصل میدان قصیدہ ہے۔ لیکن غزلیں بھی پُرشکوہ لکھتا تھا۔

پہلا دیوان جس میں چھ ہزار شعر تھے۔ ضائع ہو گیا۔ اس کے ماتم میں ایک غزل لکھی ہے ؎

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام — عمر در باختہ را بارِ دگر باختہ ام
ساقیِ مصطبۂ نظمم و مے ریختہ ام — طائرِ باغچۂ قدسم و پر باختہ ام
العطش می زند از تشنہ لبی ہر مویم — کہ قدح ہائے پُر از خونِ جگر باختہ ام
زِ صدیقِ شرعِ ہنر چوں نہ شود محو کہ من — شش ہزار آیت احکامِ ہنر باختہ ام

تمام غزل اشعارِ گم شدہ کا ایک دلگداز مرثیہ ہے۔ لیکن اس عالم میں اس کی بلند ہمتی اسے آواز دیتی ہے ؎

گفتہ گر شد ز کفم، شکر کہ ناگفتہ بجاست
از دو صد گنج یکے مشتِ گہر باختہ ام

عرفی لاہور میں دفن ہوا۔ لیکن مشہور ہے کہ ایک فقیر اس کی قبر کو اپنے بھائی

کی قبر سمجھ کر اس کی ہڈیاں نجف لے گیا۔ اُس کا اپنا شعر تھا ؎

بکاوشِ مژہ از گورتا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی وگر بہ تتار

حکیم فیضی فیاضی (۱۵۴۷ء-۱۵۹۵ء)

مغلیہ دَور میں جتنے شاعر تھے شاید ہی آسمان پر اتنے ستارے ہونگے۔ لیکن ان میں ایک بھی حافظ یا اقبال کا ہم مرتبہ نہیں بلکہ کچھ اس طرح کا مصنوعی اور باتکلّف طرزِ شاعری رائج تھا کہ مختلف شعرا کے جداگانہ خط و خال بھی ان کی شاعری میں نظر نہیں آتے۔ اور بالعموم ادب پر ایک مایوس کن یکسانیت چھائی ہوئی ہے لیکن خوش قسمتی سے اس کلّیے کی بعض مستثنیات بھی تھیں۔ اور ان میں سب سے پہلا، دربارِ اکبری کا ملک الشعرا فیضی تھا۔ اس کے مذاقِ ادب نے جس فضا میں پرورش پائی۔ وہاں ابھی نیا رنگ پوری طرح چھایا نہ تھا فیضی شراب خانہ ساز پیش کرتا ہے۔ اس کے ادبی راہنما فغانی اور غزالی مشہدی نہ تھے۔ امیر خسرو اور حسن تھے۔ خود کہتا ہے ؎

دگر از علمِ من سخن طلبی | برزبانم جہاں جہاں سخن است
دگر از سینہ من نظر جوئی | روحِ فیاضِ خسرو و حسن است

فیضی ایک عالم تھا۔ اس لئے اس کے اشعار میں فلسفے کے دقیق مسائل آجاتے ہیں اور زبان بھی ضرورت سے زیادہ عالمانہ اور بھاری بھرکم الفاظ سے پُر ہے۔ لیکن اس کے کلام کا طرّۂ امتیاز جوش و ولولہ ہے۔ جو شاعر کی خوش اعتمادی اور نشۂ کامرانی کا اظہار ہونے کے علاوہ عہدِ اکبری کی بھی صحیح ترجمانی کرتا ہے ؎

امشب کہ سپہر بے ملال است | در طبعِ زمانہ اعتدال است

برجیسِ امید در نشاط است — بہرامِ ہراس در وبال است
ہم گردنِ وصل سربلند است — ہم فرقِ فراق پائمال است
طاؤسِ جمال خوش خرام است — عنقائے ہوس کشادہ بال است
فیضی نبود خروشِ ما را
پیغامِ دل از زبانِ حال است

ایک اور غزل ہے ؎

دہر را مژدہ کہ روزِ دگرے پیدا شد — کہ ز خورشیدِ سحر خیز ترے پیدا شد
خفتہ بختانِ شبِ تفرقہ بیدار شدند — کہ در آفاق مبارک سحرے پیدا شد
آسماں دید شب و روز جہاں گردیِ او — گفت خورشید مرا ہمسفرے پیدا شد
اے کہ از نیّرِ اقبال نظر می خواہی — چشم بکشائے کہ صاحب نظرے پیدا شد
چند تاریک نشینی شبِ ہجراں فیضی
خیز کز صبحِ سعادت اثرے پیدا شد

عجب بات یہ ہے کہ جس طرح فیضی بیرونی فضا کے نشے سے سرشار ہو کر جوش و ولولے کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات اپنی ذہنی کشمکش اور باطنی بے چینی سے تڑپ اٹھتا ہے۔ مثنوی نل دمن اور رباعیوں میں اس کیفیت کا اظہار کثرت سے ہے لیکن غزلوں میں بھی یہ دردِ دروں ٹپک پڑا ہے ؎

منم و کشمکشِ طبع و دلِ عربدہ ناک — گہ گریبانِ فلک در کف و گہ دامنِ خاک
بر رخِ سامعہ ام داغِ ملامت زیور — بر لبِ ذائقہ ام زہرِ ہلاہل تریاک
نہ دریں جلوہ گہم رخشِ امل در جولاں — نہ دریں صید گہم صیدِ طرب در فتراک

من چنیں کاسۂ خاشاک صفت از غمِ دل　　　درد لم شکوہ جوالبش کہ فتد در خاشاک

فیضی از پیرِ مغاں فیض طلب، اگر قدحے

گردِ اندوہِ ابد پاک بردازادراک

فیضی اور ابوالفضل ان آزاد خیال مسلمانوں میں سے تھے۔ جن کا ذہنی تشکک اور خُذ ما صفا کا اصول اکبر کی سیاسی پالیسی کا عکس تھا۔ اور یہ رنگ بھی فیضی کے اشعار میں کثرت سے جھلکتا ہے۔ اکبر کی تعریف کے پہلے قصیدے میں کہتا ہے ؎

ازاں زماں چہ نویسم کہ بود بے آرام　　　سفینۂ دلم از موج خیزِ طوفانی

گہے چو وہم سراسیمہ، کز کدام دلیل　　　برم ظنون دشکوک از علومِ ایقانی

چرا بود مخالف رسومِ اسلامی؟

چرا بود متشابہ حروفِ فرقانی؟

ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

کعبہ رَو تعلیم آدابم مکن!　　　گرم رَو را فرصتِ احرام نیست

کاروانِ کعبہ شد منزل نشیں　　　رہروانِ عشق را آرام نیست

شروع شروع میں تو یہ رنگ بہت گہرا تھا۔ لیکن جیسا کہ اس کی آخری مثنوی نل و دمن کے حمد و نعت کے اشعار سے (جنھیں ہم نے ارمغانِ پاک میں منتخب کیا ہے) ظاہر ہے رفتہ رفتہ اس میں توازن و اعتدال آگیا۔ فیضی کے دیوان میں دو قسم کے مضامین کی بہتات ہے۔ ایک "حکیمانہ" جن میں اس نے اپنے اندازِ خیال اور نقطۂ نظر کا طریقے طریقے سے اظہار کیا ہے۔ دوسرے "عشقیہ" ہم نے نفسِ مضمون کے لحاظ سے فیضی کی غزلیات وغیرہ کو دو علیحدہ حصّوں میں ترتیب دیا ہے تاکہ اس کی شاعری

کے دونوں پہلو نمایاں طور پر نظر کے سامنے آجائیں۔

نظیری نیشاپوری (وفات ۱۶۱۳ء)

اس عہد کا ایک اور قابلِ ذکر شاعر نظیری تھا۔ جو دربارِ اکبری کے مشہور رکن عبدالرحیم خانِ خاناں کی سرکار سے وابستہ رہا۔ اور احمدآباد میں وفات پاگیا۔

نظیری نے خان خاناں۔ اکبر۔ جہانگیر اور مراد وغیرہ کی تعریف میں قصیدے لکھے۔ مآثرِ رحیمی میں نظیری کے فقط وہ مدحیہ قصائد۔ ترکیب بند وغیرہ جو خان خاناں کی تعریف میں لکھے گئے۔ ڈیڑھ سو سے زیادہ صفحوں پر درج ہیں۔ لیکن نظیری کا اصل رنگِ طبیعت غزل میں چمکتا ہے۔ اس کے کلام میں حافظ یا خسرو کا سوز و گداز اور جذبات کی فراوانی نہیں۔ مرورِ زمانہ سے اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس وقت شعروادب پر بھی شائستگی اور تکلفات غالب آرہے تھے۔ اب جذبات کا اظہار بھی ہوتا تو ایک ادا اور ضبط کے ساتھ۔ اور لفظوں کے انتخاب اور ترکیبوں کی تراش خراش پر بڑی توجہ رہتی۔ نظیری اس طرزِ تغزل کا امام ہے۔

نظیری کی سلجھی ہوئی اور وضعدار طبیعت کا تقاضا تھا کہ وہ خیالات کے میدان میں اس بے باکی سے قدم نہ مارتا جو فیضی اور اس دَور کے بعض دوسرے شعرا نے اختیار کر رکھی تھی۔ اکبر کے دربار میں جب آزاد خیالی کے چرچے تھے۔ نظیری ان سے سخت متنفر تھا۔ شاہزادہ مُراد کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں اس کا خاص طور پر ذکر ہے ؎

طبیعتِ ہمہ ابنائے دہر ملحد شد　　　ولے ز فطنتِ تو بر طرف فتاد الحاد
اگرچہ فضلۂ از فاضلانِ حاملِ دہر　　　بہ طمع جاہ و غنا کرد مذہبے ایجاد

پس از حصولِ مراداتِ حالِ آں فاسد   مثل چو باغِ ارم گشت وحسرتِ شداد

سنہ ۹۹۳ھ میں زیارتِ حرمین کا شوق غالب ہوا۔ خان خاناں کی خدمت میں قصیدہ لکھ کر زادِراہ طلب کی ؎

ہمہ عیشِ ایں جہانے بہ عنایتِ تو دیدم
چہ عجب اگر بیابم زتو زادِ آں جہانے

خان خاناں نے تمام سامانِ سفر مہیا کر دیا۔ اور شاعر فریضۂ حج سے سبکدوش ہوا۔ سنہ ۱۶۱۳ء میں وفات پائی۔

نورالدین ظہوری (وفات سنہ ۱۶۱۵ء)

اس دور کے بیشتر شعرا مغلیہ دربار اور مغل امرا کی سرکاروں سے وابستہ تھے۔ لیکن قلمرو مغلیہ سے باہر اس وقت دکن میں آزاد و خود مختار حکومتیں تھیں۔ اور وہاں بھی شعر و سخن کے چراغ روشن تھے۔ ان میں سب سے روشن چراغ نورالدین ظہوری کا تھا۔ جو بیجاپور کے حاکم ابراہیم عادل شاہ کا درباری شاعر تھا۔ ظہوری ملک ایران سے دکن میں آیا۔ اور وہیں رہا۔ اس کا ضخیم دیوان شائع ہو چکا ہے۔ عام مضامینِ شاعرانہ کو صفائی اور فصاحت سے نظم کیا ہے۔ شاید ظہوری کی شہرت دیوان سے زیادہ سہ نثرِ ظہوری اور ساقی نامہ پر مبنی ہے۔ سہ نثر میں مقفیٰ اور مسجع نثر ہے "چھوٹے چھوٹے فقرے مقفیٰ لکھتا ہے۔ لیکن جس فقرے کو جس سے پیوند دیدیا ہے وہ ایسا ہے کہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔" ساقی نامہ احمد نگر کے حاکم نظام الملک کے نام پر لکھا گیا۔ اور دکن کی آزاد، غیر زاہدانہ (Bohemian) زندگی کا ایک دلچسپ مرقع ہے۔

طالبِ آملی
(وفات ۱۶۲۶ء)

دربارِ جہانگیری کا ملک الشعرا تھا۔ تزک میں اس کی نسبت جہانگیر لکھتا ہے:۔ دریں تاریخ طالبِ آملی بخطاب ملک الشعرائے خلعتِ امتیاز پوشیدہ۔ اصل او از آمل است۔ یک چند نزد اعتماد الدولہ مے بود۔ چوں رتبۂ سخنش از ہمگناں در گزشت در سلکِ شعرائے پایۂ تخت منظم گشت۔ این چند بیت از وست ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی — دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد

عشق در اوّل و آخر ہمہ وجد است و سماع — ایں شرابے ست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

دو لب خواہم یکے در مے پرستی — یکے در عذر خواہی ہائے مستی

زغارتِ چمنت بر بہار منّت ہا ست — کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

دربارِ جہانگیری میں پہنچنے سے پہلے اس نے شمالی ہندوستان کے شہروں میں کافی وقت گزارا۔ اور وہاں رندانہ وضع سے رہا۔ چنانچہ جب لاہور چھوڑ کر قندھار جانے لگا تو حسینانِ لاہور و ملتان وغیرہ کو یاد کر کے کہتا ہے ؎

نگارانِ لاہور و خوبانِ دہلی — بہ دل کردہ بودند پیوند جانم

گرہ بستہ بودند ہر یک بہ نوعے — سرِ رشتۂ جاں بموئے میانم

یکے چہرہ سودے بچشمِ بکابم — یکے بوسہ دادے بزلفِ عنانم

نشاندے یکے در بغل یاسمینم — نہادے یکے در دہاں برگِ پانم

غزالانِ ملتاں بہ نیرنگ سازی — کہ بندند از غمزہ دست و دہانم

نگارانِ سرہند در نقش بندی — کہ سازند دل غرقِ خونِ نافہ سانم

من از جملہ چوں نکہتِ گل گریزاں — کہ خود را بہ بزمِ ہمایوں رسانم

ابوالبرکات منیر لاہوری
(۱۶۰۹ء - ۱۶۴۵ء)

دَورِ مغلیہ میں اس کثرت سے برگزیدہ شاعر ایران سے اس برصغیر میں آرہے تھے کہ ان کے سامنے کسی مقامی شاعر کا چراغ نہ جلتا تھا۔

لیکن عہدِ اکبری میں صدیوں کے بعد پنجاب کو ایک نیا امن و امان نصیب ہوا۔ اور لاہور کے چمنِ علم و ادب میں پھر بہار آئی۔ اس فصلِ بہار کا گلِ سر سبد منیر لاہوری تھا۔ وہ ایک پُرگو شاعر اور مشاق اہلِ قلم تھا۔ اس کے رقعات مشہور ہیں۔ قصائد عرفی کی اس نے شرح لکھی۔ شعرائے ہند کا ایک تذکرہ لکھا لیکن اس کی اصل شہرت شاعری کی بنا پر ہے۔ اس نے قریباً ایک لاکھ شعر کہے۔ جن میں غزلیں بھی ہیں۔ اور مثنویاں اور قصائد بھی۔ منیر نے (اپنے بھائی ابوالفتح ضمیر کے ساتھ) کچھ عرصہ بنگالہ میں سیف خاں صوبہ دار کے دربار میں گزارا۔ اور اس دوران میں ایک مثنوی بنگالہ کی تعریف میں اور ایک نثر کی تصنیف کارستان لکھی۔ ہماری رسائی اس کے دیوان کے ایک ناقص اور نا تمام نسخے تک ہوئی (جس میں ردیف دال تک کے اشعار ہیں) لیکن اس میں سے جو زوردار اور پُراثر غزلیں ہاتھ آئی ہیں اُن سے خیال ہو سکتا ہے کہ وہ کس پایہ کا شاعر تھا۔ منیر کی شاعری اس دَور کی یادگار ہے جب "تمثیلیہ" اور "خیال بندی" ابھی شعرا کے دل و دماغ پر پوری طرح نہیں چھائی تھی۔ چنانچہ منیر کے کلام میں خوشگوار صفائی، خلوص اور اثر ہے۔ افسوس کہ منیر کے نہالِ سخن کو زیادہ پھولنے پھیلنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ ابھی چھتیس ۳۶ برس کا تھا کہ ۱۰۵۴ھ ہجری میں وفات پا گیا (سروِ آزاد وغیرہ)

قدسی مشہدی
(وفات ۱۶۴۶ء)

غالبِ آملی کی وفات کے بعد جس شاعر نے دربارِ مغلیہ میں فروغ پایا۔ قدسی تھا۔ غزل، مثنوی اور قصیدہ تینوں میں طبع آزمائی

کی - اور سب میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی۔ لیکن اس کے کلام میں فیضی یا غالب کی اُپج اور انفرادیت نہیں۔ ایک تو ویسے بھی جو مذاقِ شاعری اس وقت عام تھا اس میں لطافتوں اور نزاکتوں پر سارا زورِ دماغ صرف ہوتا۔ دلی جذبات جو روحِ شاعری ہیں اُن پر نظر ہی نہ جاتی۔ اس کے علاوہ قدسی شاعرِ دربار تھا۔ اس کے وقت کا بہت سا حصہ قصیدوں، تاریخوں اور شاہی فتوحات کے نظم کرنے میں صرف ہوا۔ شاہ جہاں نے اس کی بڑی قدر کی۔ ایک قصیدہ پر خوش ہو کر حکم دیا کہ اس کا منہ جواہرات سے بھرا جائے۔ ۱۰۴۵ھ میں حکم ہوا کہ سونے میں تولا جائے۔ چنانچہ ایک من ۱۰ سیر وزن ہوا۔ شاعر کو اسی قدر سونا عطا ہوا۔ خزانۂ عامرہ میں لکھا ہے کہ قدسی نے ۱۰۵۶ھ میں بمقام لاہور وفات پائی۔

ابوطالب کلیم
(وفات ۱۶۵۱ء)

قدسی کے بعد دربارِ شاہجہانی میں کلیم ملک الشعرا ہوا۔ بادشاہ کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے۔ تختِ طاؤس کی تکمیل پر قصیدہ لکھا تو بادشاہ نے روپوں کے برابر تلوایا۔ اور ساری رقم اسے عطا کی۔ ایک دفعہ بادشاہ مست ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ شاہزادہ عالمگیر جو اس وقت بارہ برس کا تھا۔ پاس گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ قضارا ایک ہاتھی عالمگیر پر حملہ آور ہوا۔ لیکن وہ شجاعت کا پُتلا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ہاتھی کے کان پر نیزہ مارا اور پھر تلوار سے بھی خوب دادِ مردانگی دی۔ کلیم نے اس معرکہ کا جنگ نامہ بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جا بجا شاہی لشکر کے ساتھ گیا۔ اور اکبر آباد، قحط سالی دکن، صعوبتِ راہِ کشمیر اور تعریفِ بہارِ کشمیر کی مثنویاں سفر کی سوغات لایا۔ جب آخری مرتبہ کشمیر گیا۔ تو یہاں کے مناظر اتنے پسند

آئے کہ بادشاہ سے اجازت لے کر یہیں مقیم ہوگیا۔ اور کشمیر ہی میں سپردِ خاک ہوا۔ یہاں اس زمانے میں غنیؔ۔ سلیمؔ اور دوسرے کئی شعرا فن کے فریفتہ تھے۔ ان کی صحبت میں وقت اچھی طرح گزرتا۔ اور ایک دوسرے کے جواب میں غزلیں لکھی جاتیں۔

کلیمؔ نے اس دَور کے دوسرے شعرا کی طرح مضمون آفرینی اور خیال بندی پر بڑا زورِ دماغ صرف کیا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے اشعار میں ایک خاص شخصی رنگ جھلکتا ہے۔ مایوسی۔ غم۔ شکایتِ ابنائے روزگار کے مضامین کثرت سے باندھتا ہے اور یہی اس کا رنگِ طبیعت معلوم ہوتا ہے۔

سری نگر میں ایک قبرستان مزارالشعرا کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں قدسیؔ اور محسن فانی کے ساتھ کلیمؔ بھی محوِ خواب ہے۔

داراشکوہ قادری
(وفات ۱۶۵۹ء)

شہنشاہ شاہجہاں کا بڑا بیٹا تھا۔ ۱۶۱۵ء میں پیدا ہوا اور تختِ شاہی کے لئے ناکام کوشش کے بعد چوالیس سال کی عمر میں مارا گیا۔ داراشکوہ کی سیاسی زندگی ناکام رہی لیکن قوم کی روحانی۔ فکری۔ ادبی تاریخ میں بھی اس کا نام آتا ہے۔ وہ مشہور صوفی زیارت گاہ اجمیر میں پیدا ہوا اور تصوف سے اسے شروع سے دلچسپی رہی۔ جب ۱۶۳۴ء میں اسے حضرت میاں میر لاہوریؒ کی دعا کے بعد ایک طویل علالت سے نجات ملی۔ تو یہ دلچسپی اور گہری ہوگئی۔ وہ حضرت میاں میر کے خلیفہ مُلا شاہ بدخشی کا قادریہ سلسلہ میں مرید ہوا۔ ایک تذکرہ اولیائے کرام اور دوسرا اپنے مرشد کے حالات میں لکھا اور بعض دوسرے مختصر رسائل کے علاوہ مجمع البحرین کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا جس میں اسلامی تصوف اور ہندو ویدانت کی ہم آہنگی ثابت کی۔

داراشکوہ کا ایک مختصر قلمی دیوان محفوظ ہے۔ ہم نے اس میں سے ایک رباعی اور چند غزلیں ایسی انتخاب کی ہیں جو اس کے رنگِ طبیعت کی ترجمان ہیں۔ محفلِ شعرا میں داراشکوہ کا مقام بہت بلند نہیں۔ لیکن جو ننھے اور ملول پھول اس کے دامن میں ہیں۔ شاید وہ اُن کاغذی پھولوں سے زیادہ شگفتہ اور پُرکیف ہیں جن کا انبار غنیؔ۔ ناصر علی اور اس عہد کے دوسرے مشہور شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک پوری ادبی۔ روحانی۔ فکری تحریک کا مرکز تھا۔ اس تحریک کا ابھی تفصیلی مطالعہ نہیں ہوا۔ لیکن اس میں سرمدؔ۔ چندربھان برہمنؔ۔ محسنؔ فانی کشمیری۔ ماہر اکبرآبادی دبستانِ مذاہب کے مصنف۔ تاج محل آگرہ اور لال قلعہ دہلی کے معمارِ اعلیٰ (استاد عیسیٰ) کے شاعر جانشین مہندس جیسی ہستیاں شامل تھیں اور قوم کی ادبی اور ذہنی تاریخ میں اس تحریک کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

داراشکوہ کے مختصر فارسی دیوان کی اہمیت اِس لئے بھی ہے کہ اس نے فارسی شاعری کی ایک اہم صنف (صوفیانہ شاعری) کو دوبارہ زندہ کرنا چاہا۔ اسلامی حکومت کے ابتدائی دَور میں صوفیانہ شاعری کو جو اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کا اندازہ ارمغانِ پاک کے دوسرے حصے سے ہو سکتا ہے۔ یہ زمانہ صوفیہ کا عہدِ زریں تھا۔ اور معاصرانہ فارسی ادب اس صورتِ حالات کا آئینہ ہے۔ لیکن مغلیہ دَور میں صوفیانہ شاعری بالکل پسِ پشت ہو گئی۔ شیعہ حضرات بالعموم تصوّف کے دلدادہ نہیں۔ چنانچہ ایران میں صفوی خاندان کے عروج اور شیعیت کی ترویج کے بعد یہ ہوا کہ اس ملک میں جہاں تصوّف کا ایک زمانے میں ڈنکا بجتا رہا۔ شعرا اپنے کلام کی نسبت کہنے لگے ہے

ایں کلامِ صوفیانِ شوم نیست مثنویِ مولویِ رومِ نیست

برصغیر پاکستان و ہند میں بھی کثرت سے ایرانی شعرا اور ایرانی اہل فکر کے آنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ صوفیانہ شاعری کا چراغ ماند پڑ گیا۔ لیکن داراشکوہ اور اس کے ہندو اور مسلمان ساتھیوں نے پھر سے اس کی ترویج کی کوشش کی۔ اور داراشکوہ کے علاوہ سرمد۔ برہمن۔ بیجم بیراگی کا کلام صوفیانہ خیالات کا مخزن ہے۔

سرمد
(وفات ۱۶۶۱ء)

اس عہد کی ایک اور دلچسپ شخصیت سرمد ہے۔ وہ یہودی الاصل تھا۔ ایران کے مشہور فضلا سے حکمت و فلسفہ کی تکمیل کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں میں ایک زمانہ گزارنے کے بعد دہلی آیا۔ اور آزاد خیال صوفیوں کے اس حلقے میں شامل ہو گیا جو داراشکوہ کے گرد جمع تھے۔

عہدِ عالمگیری کی ابتدا میں اسے سزائے موت دی گئی۔ اس کا سبب اس کی برہنگی اور خلافِ شرع کلمات بتائے جاتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اصل وجہ سیاسی تھی۔ اس عہد کا ایک تذکرہ نگار لکھتا ہے کہ سرمد داراشکوہ کا بڑا مدّاح تھا۔ اور اس کی وفات کے بعد اکثر مجذوبانہ انداز میں اورنگ زیب کا ماتم کیا کرتا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی اس مسئلے پر لکھتے ہیں :۔

"ایشیا میں ہمیشہ سے پالیٹکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے اور ہزاروں خونریزیاں جو پولیٹکل اسباب سے ہوئیں، انہیں مذہب ہی کی چادر اڑھا کر چھپایا گیا ہے"۔

سرمد کی شاعری رباعی تک محدود ہے لیکن اس میدان میں وہ سب سے آگے ہے۔ جس فصاحت سے اس نے حکیمانہ خیالات۔ حقائق و معارف۔ صلحِ کل اور

آزادمنشی کے مضامین اپنی رباعیات میں نظم کئے ہیں۔ ہندوستان کے کسی اور فارسی شاعر نے شاید ہی کئے ہوں۔

غنیؔ کاشمیری
(وفات سنہ ۱۶۶۱ء)

شاہجہاں کی تخت نشینی کے تیسرے سال پیدا ہوا اور اُنتالیس[۲۹] سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

غنیؔ ہندوستان کی فارسی شاعری کی تاریخ میں ایک خاص طرز کا ترجمان ہے۔ شعر پر تکلف اور تصنع کا جو رنگ عہدِ مغلیہ میں برابر چڑھتا آتا تھا۔ وہ اس کی شاعری میں اور گہرا ہو گیا۔ اس کے اکثر اشعار سمجھنے کے لئے دماغ پر بڑا زور دینا پڑتا ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت "مثالیہ نگاری" یعنی ایسے اشعار کی تحریر ہے جن میں دوسرا مصرع تمثیلی ہوتا تھا۔ مولانا شبلیؔ لکھتے ہیں: "مثالیہ مضمون پہلے بھی خال خال پائے جاتے تھے۔ لیکن کلیم۔ مرزا صائبؔ اور غنیؔ نے گویا اس کو ایک خاص فن بنا دیا۔ چونکہ یہ تینوں شاعر کشمیر میں ایک مدت تک ساتھ ہمقدم و ہمعلم رہے تھے۔ اور باہم مشاعرے رہتے تھے۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جولاں گاہ بنا دیا۔ علی قلی سلیم بھی مثالیہ میں کمال رکھتا ہے اور اس کی وجہ بھی شاید یہی ہو کہ سلیم بھی یہیں مدفون ہے" غنیؔ نے مثالیہ میں سب سے زیادہ غلو کیا ہے۔ اس کا شاید ہی کوئی شعر ایسا ہوگا، جو مثالیہ نہ ہو۔ اور مشکل پسندی کا یہ عالم ہے کہ اس کا دیوان مرتب کرتے وقت محمد علی ماہرؔ نے اکثر اشعار قلم زد کر دئے۔ اور عام فہم اور اچھے اچھے اشعار چھانٹ کر دیوان ترتیب دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دیوانِ غنیؔ میں پوری غزلیں بہت کم ہیں۔

برہمن لاہوری
(وفات ۱۶۶۲ء)

چندر بھان نام - برہمن تخلص - وطن لاہور - ابتدائی تعلیم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے حاصل کی - پہلے پہل میر عمارت لاہور کی ملازمت میں داخل ہوا - رفتہ رفتہ شاہجہاں کے دفترِ انشا میں اس خدمت پر مامور ہوا کہ وزرا اور دیگر افسران اعلیٰ کی تحریری معاونت کرے - داراشکوہ کو اس کا طرزِ تحریر بہت پسند تھا - چنانچہ اس کی وفات تک برہمن اس کا منشیِ خاص رہا - اورنگ زیب نے بھی اس پر نظرِ عنایت مبذول رکھی - اس کے والد کی وفات پر دربار میں تسلّی آمیز فقرے کہے اور سرفراز کیا - لیکن تھوڑے ہی عرصے میں برہمن نے عزلت گزینی اختیار کی - اور ۱۶۶۲ء میں بمقام بنارس انتقال کیا -

برہمن کا سادہ اور موثر طرزِ کلام اس زمانے کی عام روش سے اس قدر دُور تھا کہ معاصرانہ تذکرہ نگاروں نے اس کی بقدرِ استحقاق قدر نہیں کی - لیکن آج اگر برہمن کے دیوان کو غنیؔ - سلیمؔ اور اس زمانے کے دوسرے مشہور شعرا کے کلام سے بالمقابل رکھیں تو احساسات و جذبات کی ترجمانی میں برہمن کا پلّہ ان سے ہلکا نظر نہیں آتا - برہمن کی اکثر غزلیں مختصر ہیں - لیکن بقولِ حسرت موہانی ان میں بھرتی کے اشعار بہت کم ہیں - اور ہندو ویدانت کے وہ خیالات، جو عام تصوف سے بھی بعید نہیں - بڑی خوبی سے نظم کرتا ہے -

غنیمت کنجاہی
(وفات ۱۶۹۵ء)

اسلامی ہند کی تاریخ میں عہدِ عالمگیری شرع کے عروج اور شعروسخن کے زوال کا زمانہ گنا جاتا ہے اور اس میں کلام نہیں کہ اس پچاس سال میں ایک شاعر بھی مسعود سعد سلمان - خسرو - فیضی - غالب اور اقبال کا ہم پایہ نظر نہیں آتا - لیکن اس میں بادشاہ کی طبیعت سے زیادہ

ادبی روایات کے اختلاط کو دخل تھا۔ اورنگ زیب نے ملک الشعرا کا عہدہ ضرور موقوف کر دیا۔ لیکن اس سے شعر گوئی ختم کرنا مقصود نہ تھا۔ اور شعرا کی سرپرستی اب بھی ہوتی رہی۔ بادشاہ کا اپنا داروغۂ مطبخ، نعمت خانِ عالی ایک مشہور شاعر تھا۔ ناصر علی سرہندی کا سرپرست اورنگ زیب کا سپہ سالار ذوالفقار خاں تھا۔ اور اسی طرح دوسرے کئی شعرا شاہزادوں اور امرائے کبار کی سرکاروں سے وابستہ تھے۔

عہدِ عالمگیری میں شعرا کی بھی کمی نہ تھی لیکن غزل گو شعرا اب جس زمینِ شور میں تخم ریزی کر رہے تھے۔ اس میں نہالِ سخن کا بارور ہونا محال تھا۔ چنانچہ ایک بھی شاعر ایسا نہ اٹھا جو شعر و ادب کی صفِ اوّل میں جگہ پانے کا مستحق ہو۔ اور یہ امر بھی چنداں قابلِ حیرت نہیں کہ اس عہد کے جس مجموعۂ شعر کو سب سے زیادہ قبولِ عام نصیب ہوا۔ وہ غزلوں کا دیوان نہیں، ایک مثنوی ہے!

مثنویِ نیرنگِ عشق کا مصنف ملا محمد اکرم غنیمت کنجاہی دارالخلافے کی ادبی محفلوں سے کوسوں دُور رہا۔ اس نے جس رنگ کی مثنوی لکھی وہ متشرع اورنگ زیب کے خیالات کی عین ضد تھی۔ اور عشقیہ مثنویوں میں بھی ایک موضوعِ غریب رکھتی ہے۔ لیکن جس باریک نگاہی اور مضمون آفرینی کے غزل کے جُداگانہ اشعار متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ وہ مثنوی کی وسعت و آزادی میں بخوبی کھپ گئی ہے۔ اور نیرنگِ عشق میں معنی آفرینی اور "خیال بندی" کا نکھرا ہوا رنگ بُرا نہیں معلوم ہوتا۔

غنیمت کی مثنوی طویل نہیں۔ لیکن اس میں ایک عجیب کیف و مستی ہے۔ اور تمام کی تمام تشبیہوں اور استعاروں سے مرصع ہے۔ عہدِ عالمگیری سے اس مثنوی کی نسبت بظاہر عجیب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مصلحانہ اور محتسبانہ کوششوں کے

بالمقابل ایک فراری (Escapist) رنگ بھی موجود تھا۔ جو متدین بادشاہ کی وفات کے فقط چار سال بعد جہاندار شاہ اور لال کنور کی رنگ رلیوں میں اور اس سے بھی زیادہ تندی کے ساتھ اس کے سات سال بعد محمد شاہی دور میں برسرِ کار آنے والا تھا۔ یہ مثنوی قومی زندگی کے اس پہلو کی ترجمان ہے۔

ناصر علی سرہندی (وفات ۱۶۹۷ء)

اورنگ زیب کا ہم عصر تھا۔ اور شیخ محمد معصومؒ خلفِ حضرت مجدد الفِ ثانی کا عقیدت مند مرید۔ ایک تو ویسے ہی اس زمانے میں وضعداریوں اور تکلفات کا دور دورہ تھا۔ شاعری عام بشری جذبات کا اظہار ہونے کے بجائے خیالی بلند پروازیوں کے لئے وقف تھی۔ پھر علی ایک پابندِ شرع روحانی طریقے سے منسلک تھا۔ وہ عشق و محبت کے خیالات سے اپنا دامن کیوں رنگین ہونے دیتا۔ نتیجہ یہ کہ معاصرانہ شاعری کا سپاٹ رنگ اس کے کلام میں اور بھی پھیکا پڑ گیا ہے۔ اور شعر و جذبات نگاری میں بُعد بہت بڑھ گیا ہے شمس العلما آزاد اس کی نسبت لکھتے ہیں "نازک خیالی اور معنی یابی میں بے عدیل تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ خیال کرتے کرتے ایسا خیال میں غرق ہوا ہے کہ بعض جگہ بالکل شیخ خیالی ہو گیا ہے۔ اور اکثر معنی کی تلاش میں ایسا ڈوبا ہے کہ بے معنی ہو گیا ہے ..... بزرگوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ شیخ علی حزیں اس کے کلام کو سن کر کہا کرتے تھے کہ "از نظمِ ناصر علی و نثر بیدل ہیچ بفہم نے آید" اگر با یران مے رفتم برائے ریشخندِ یاراں رہ آورد سے ازیں خوبتر نبود"۔ لیکن وقت وقت کا مذاق ہے۔ اپنے زمانے میں علی کی بڑی قدر تھی۔ سرخوش لکھتا ہے ؎

در ملکِ سخن بود جہانگیر علی — در مشربِ دل ولی علی میر علی
با شعرِ علی کے رسد شعرِ کسے — زانساں کہ خطِ کس بخطِ میر علی

نعمت خان عالی
(وفات ۱۷۰۹ء)

عہدِ عالمگیری میں شعرا اور اہلِ قلم کو جو آزادی حاصل تھی اور شعر و ادب کا جو رنگ تھا۔ اس کا نمونہ نعمت خانِ عالی کی نثر اور نظم میں ملتا ہے۔ وہ دربارِ عالمگیری سے وابستہ تھا۔ ایک زمانے میں داروغۂ مطبخ تھا۔ پھر حاکمِ خزانہ ہوا۔ مقرب خاں کا خطاب پایا۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کی فتح کے وقت موجود تھا۔ ان فتوحات کی تاریخیں لکھیں۔ لیکن اورنگ زیب، اُس کی فوج، اور اس کی فتوحات کے متعلق اس کا عام رنگ مضحکانہ تھا۔ وہ شیعہ تھا۔ شاید اسے اورنگ زیب کا تسنن کھٹکتا ہو یا اس کی شاعرانہ طبیعت کو دربار کا خشک فقیہانہ رنگ ناپسند ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی نگہ ژرف بیں پر مغلیہ فوج اور مغل نظام کی وہ خامیاں بھی عیاں ہوں۔ جن پر عالمگیر کی عالی ہمتی اور عظیم شخصیت نے پردہ ڈال رکھا تھا اور جو اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی آشکارا ہونے والی تھیں۔ سبب خواہ کچھ ہو لیکن وقائع نعمت خاں اور مضحکات میں جو اشعار جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ انھیں دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ بعض جگہ تو شاعر نے صنائع بدائع کے پردے میں ہجو ملیح کی ہے۔ اور بعض جگہ معاملہ بالکل صاف ہے۔ ؎

الٰہ است اللہ در رحمان خدا ۔۔۔ مگر او کند رحم بر فوجِ شاہ

رحیم است و غفار آمرزگار ۔۔۔ ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ!

ایک غزل میں عہدِ عالمگیری کی سرگرمیوں کی نسبت کہتا ہے ؎

خود پرستی است کہ ایں قوم بآں مشغول اند ۔۔۔ کس ندانست کہ اسلام چہ معنی دارد

نعمت خان عالی کا طنزیہ اور تنقیدی رنگ خاص غور و فکر کا مستحق ہے۔ لیکن جیسا کہ اُن انتخابات سے جو ہم نے درج کیے ہیں ظاہر ہوگا وہ غزلیں بھی بلند پایہ لکھتا تھا۔ اور

معاصرانہ رنگِ تغزل کے نقائص سے بہت حد تک آزاد تھا۔

مرزا عبدالقادر بیدل
وفات ۱۷۲۱ء

عہدِ عالمگیری میں پیدا ہوا اور اورنگ زیب کی وفات کے چودہ سال بعد محمد شاہ کے عہدِ حکومت میں وفات پا گیا۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑا شاعر گنا جاتا تھا۔ باوجودیکہ اس نے ایک مصرع کسی کی تعریف میں نہیں لکھا اور بڑی آزادانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ امرائے سلطنت (مثلاً نظام الملک آصف جاہ بانیِ ریاست حیدرآباد اور نواب میر شکر اللہ خاں) سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اور سب اسے احترام کی نظروں سے دیکھتے۔

متاخرین مغلیہ شعرا میں تصنع اور غرابت نگاری کا جو رواج شروع ہوا تھا۔ بیدل اسے ایک قدم اور آگے لے گیا۔ اس کے ضخیم کلیات پر غنی اور ناصر علی سرہندی کے دواوین کی طرح نگہِ انتخاب نہیں ڈالی گئی۔ اور چونکہ وہ علمیت اور فلسفہ میں اُن سے بہت آگے تھا۔ اس لئے بادی النظر میں اس کے کلام میں اشکال و غرابت غنی اور ناصر علی سے بھی زیادہ نظر آتی ہے۔ اور بیشتر اشعار بالکل چیستاں ہو گئے ہیں۔ لیکن بیدل کو ان شعرا پر بدرجہا فوقیت حاصل ہے۔ ایک تو اس کے دیوان میں جو صاف اشعار ہیں اُن کا مرتبہ جہانِ معنی میں بہت بلند ہے۔ دوسرے (اور ہندوستانی شاعری پر اس کا بڑا احسان یہ ہے کہ) اُس نے قلوب کو حقائق و معارف کی طرف متوجہ کیا۔ غنی کا طرۂ امتیاز مثالیہ تھا اور ناصر علی کا مضمون آفرینی۔ بیدل کے طرزِ سخن میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں لیکن اس کی خاص وجہ امتیاز یہ ہے۔ (اور اسی وجہ سے "اہلِ ترکستان و افغانستان مثل مولوی روم کے اس کی بھی تعظیم کرتے ہیں") کہ اس نے

شعر کو مجاز اور ظاہری اور عارضی باتوں سے ہٹا کر زندگی کی عمیق حقیقتوں کی طرف پھیرنا چاہا۔ اور اپنے اشعار کو حقائق و معارف کا آئینہ بنایا۔

بیدلؔ میں انتہا کی جدت پسندی تھی۔ نئی نئی بحروں میں غزلیں لکھتا اور زندگی کے حقائق کو الٹ پلٹ کر ہر طرف سے دیکھنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح بعض بڑے دلچسپ اور نئے نکتے پیدا کئے ہیں۔

بیدلؔ شاعری کو متاخرین مغلیہ شعرا کے انداز بیان سے نجات نہیں دلا سکا۔ (یہ سعادت غالبؔ کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی) لیکن مضمونِ شعر میں اس نے ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور شاعری خیالی بوالعجبیوں کا اظہار ہونے کے بجائے حکیمانہ فکر اور عمیق خیالات کا بیان ہو گئی۔ اس کے علاوہ لفظی دشواریوں اور پیچیدہ استعاروں کے باوجود اس کا فنی مطمح نظر بہت بلند ہے۔ اور مغلیہ دَور کے نصف آخر میں اس کا ایک امتیازی درجہ اور بڑا بلند مقام ہے۔

نورالعین واقفؔ (وفات ۱۷۷۰ء)

جن شعرا نے دارالخلافے سے دور شوق شعر و سخن جاری رکھا اُن میں واقفؔ کی شخصیت کافی دلچسپ ہے۔ بٹالہ میں پیدا ہوا شعر و سخن کا ملکہ وہبی تھا۔ سراج الدین علی خاں آرزوؔ کا شاگرد ہوا۔ ڈاک کے ذریعہ اپنی غزلیں دہلی اور اکبر آباد بھجوا کر اصلاح لیتا۔ واقفؔ نے اہلِ ادب سے ملنے کے لئے سیاحت بھی دور تک کی۔ چنانچہ بنارس میں حزیںؔ اور اورنگ آباد دکن میں آزادؔ بلگرامی سے اس کی ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ کلام کا شہرہ سن کر احمد شاہ ابدالی نے اسے کابل بلا بھیجا۔ پھر وہ بہاولپور گیا۔ اور نواب کے دربار میں ملازم ہوا۔ اُس زمانے میں ہندوستان میں مرہٹوں نے اور مشرقی

پنجاب میں سکھوں نے تباہی مچا رکھی تھی۔ واقف نے بہادل پور کو گوشۂ عافیت سمجھ کر یہیں اقامت اختیار کی اور بہادل پور ہی میں ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

حزیں (وفات سنہ ۱۷۹۴ء)

جن شعرا نے ایران چھوڑ کر ہندوستان کو اپنا وطن بنایا۔ ان میں سب سے آخر شیخ محمد علی حزیں آئے۔ وہ اصفہان میں سنہ ۱۱۰۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کی۔ سیر و سیاحت اور کثرتِ مطالعہ سے علم و فضل میں اضافہ کیا۔ لیکن اس وقت ایران میں افغانی حملوں کی وجہ سے بدانتظامی تھی۔ ان کی جاگیر جاتی رہی اور کتب خانہ بھی لٹ گیا۔ انہوں نے دل برداشتہ ہو کر ہندوستان کا سفر کیا۔ یہاں شاہانِ مغلیہ کے زوال کا بلکہ عین نادر شاہی حملے کا زمانہ تھا۔ جو خامیاں ہندوستانیوں کے اوضاع و اطوار میں تھیں۔ سیاسی ضعف اور ملکی بے انتظامی نے انہیں دس گنا کر دیا تھا۔ شیخ نے بڑی تکلیف اٹھائی اور اپنی خود نوشت سوانح عمری میں دل کھول کر اہلِ ہند کی مذمت کی۔ لیکن قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ اس عہدِ پرآشوب میں ٹھکانا انہیں بھی یہیں ملا اور انہیں کہنا پڑا ؎

از بنارس نہ روم معبدِ عام است ایں جا　　ہر برہمن بچہ، لچھمن و رام است ایں جا

بنارس میں سنہ ۱۱۸۰ ہجری میں وفات پائی۔ لوحِ مزار پر ان کے دو شعر درج ہیں ؎

زباں داں محبت بودہ ام دیگر نمی دانم　　ہمی دانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید ایں جا

حزیں از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم　　سرِ شوریدہ بر بالینِ آسائش رسید ایں جا

میر قمر الدین منت (وفات سنہ ۱۷۹۴ء)

وطن ان کا دہلی تھا۔ لیکن ایک زمانہ لکھنؤ میں گزارا اور کلکتہ میں وفات پائی۔ گورنر جنرل نے انہیں ملک الشعرا کا خطاب

دے رکھا تھا۔ ان کا کلام اواخر عہدِ مغلیہ کی دشوار پسندی سے آزاد ہے۔ اور اشعار میں ایک خاص طرح کی شستگی اور دلآویزی ہے۔

اٹھارویں صدی کا لسانی انقلاب

اٹھارویں صدی ہندوستان میں بڑے تغیر و تبدّل کا زمانہ تھا۔ آخری جلیل القدر مغل بادشاہ اورنگ زیب ۱۷۰۷ء میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد مغلیہ خاندان کو زوال ہوا۔ پہلے ملک کے اندرونی عناصر مثلاً مرہٹوں، سکھوں، روہیلوں اور خود مختار صوبیداروں نے مرکزی حکومت کو کمزور کیا۔ پھر بلادِ مغرب کی ایک قوم نے اس برِ صغیر میں قدم جمانا شروع کیا۔ اور آہستہ آہستہ تمام ملک پر قابض ہو گئی۔ انقلاب کا یہ عمل اٹھارویں صدی میں تکمیل پذیر ہوا۔

اس صدی میں جو انقلاب ملکی سیاسیات میں آیا اسی طرح کا تغیر و تبدّل زبان و ادب میں بھی ظہور پذیر ہوا۔ اس صدی کے آغاز میں ہر طرف فارسی کا بول بالا تھا۔ دربار میں اس زبان کا سکّہ چلتا تھا۔ اور شعرا و ادبا کی محفلوں میں بھی اس کے چرچے تھے۔ لیکن اب آہستہ آہستہ ایک نئی زبان نے اس کی جگہ لینی شروع کی، اور اگرچہ سرکاری دفاتر میں فارسی ۱۸۳۷ء تک رائج رہی لیکن شعر و شاعری کی دنیا میں اس سے پہلے ہی اُردو فارسی پر غالب آ گئی تھی۔ اٹھارویں صدی کے اکثر فارسی شعرا و اساتذہ نے اس لسانی و ادبی انقلاب میں مدد دی۔ اورنگ زیب کے آخری ایام میں شاہ گلشن زندہ تھے جو ولی دکنی کے مرشد تھے۔ انہوں نے ولی کو مشورہ دیا کہ وہ اُردو زبان میں فارسی شعرا کی طرز پر غزلیں لکھے ("ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند در ریختہ بکار ببر۔ از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت") ولی نے اس پر

عمل کیا۔ اور اس کی کامیاب فن کاری نے دوسروں کے لئے اس میں کشش پیدا کر دی۔ شاہ گلشن کے ایک اور مرید عندلیب تھے جن کے صاحبزادے میر درد نے اردو اور فارسی میں مستقل دیوان چھوڑے ہیں۔

فارسی کے ایک اور مشہور شاعر اور استاد سراج الدین علی خاں آرزو (۱۶۸۹-۱۷۵۵ء) تھے۔ وہ بیدل کے شاگرد تھے۔ انہوں نے قواعد، شعر و ادب کے متعلق بیسیوں رسائل لکھے۔ لیکن ادبی تاریخ میں ان کا درجہ اس لئے بلند ہے کہ بقول شمس العلما آزاد "خان آرزو وہی شخص ہیں۔ جن کے دامن تربیت سے ایسے شائستہ فرزند پرورش پاکر اٹھے جو زبان اردو کے اصلاح دینے والے کہلائے اور جس شاعری کی بنیاد جگت اور ذومعنی لفظوں پر تھی اسے کھینچ کر فارسی کی طرز اور ادائے مطالب پر لے آئے۔ یعنی مرزا جانجاناں مظہر۔ مرزا رفیع سودا۔ میر تقی میر۔ خواجہ میر درد وغیرہ"۔ میر تقی میر، خان آرزو کے سوتیلے بھانجے اور شاگرد تھے اور سودا کو خان آرزو نے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ فارسی چھوڑ کر اردو میں شعر گوئی شروع کریں۔ میر اور سودا دونوں نے فارسی اشعار کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے لیکن وہ اصل میں اردو کے شاعر تھے۔ اور ان کی کامیاب اردو شاعری نے وہ عمل پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جو ولی نے شروع کیا تھا۔

اس عہد کے ایک اور با اثر شاعر مظہر جانجاناں تھے۔ ان کا منتخب فارسی دیوان چھپ چکا ہے لیکن وہ اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ اور انہوں نے بعض اردو شعرا۔ مثلاً تاباں۔ انعام اللہ خاں یقین کی رہنمائی کی۔

جو لسانی انقلاب دارالخلافے میں ہو رہا تھا اس نے لکھنؤ کو بھی متاثر کیا۔

جہاں خانِ آرزو۔ سودا۔ میر ترک وطن کر کے چلے گئے لیکن ملک کے دُور دراز حصّوں (مثلاً پنجاب) میں فارسی کی شمع زیادہ دیر ٹمٹماتی رہی (بلکہ پنجاب میں تو اُردو کا چراغ غدر کے بعد آزاد اور حالی کے ہاتھوں روشن ہوا) واقف بٹالوی اور دلشاد پسروری کی شاعری اسی زمانے کی یادگار ہے۔

اسداللہ خاں غالب دہلوی
(۱۷۹۷-۱۸۶۹ء)

مرزا غالب نہ صرف عہدِ مغلیہ کے سب سے بڑے شاعر تھے بلکہ وہ اس دَور کی خاص شاعرانہ روایات کے بہترین ترجمان بھی ہیں۔

انہوں نے آغاز بیدل کی تقلید میں کیا ؎

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا　　　اسداللہ خاں قیامت ہے

لیکن ان کی سلیم الطبعی اور فنّی صحیح الخیالی نے انہیں عجیب و غریب تشبیہوں، تراکیب اور پیچیدہ استعاروں کی اس بھول بھلیاں سے نکال لیا جس میں بیدل اور متاخرین مغلیہ شعرا کی شعریت گم ہو گئی تھی۔ اب انہوں نے عرفی، نظیری اور فیضی کا زیادہ مطالعہ کیا۔ "اور شیخ محمد علی حزیں نے مسکرا کر ان کی بے راہ روی انہیں جتائی۔ اور طالب آملی نے اور عرفی شیرازی کی غضب آلود نگاہ نے آوارہ اور مطلق العنان پھرنے کا جو مادہ تھا۔ فنا کر دیا۔ اور نظیری نے اپنی خاص روش پر چلنا سکھایا۔" بالآخر انہوں نے جو رنگ اختیار کیا وہ شاعر کی اپنی شخصیت کا پرتو ہے لیکن اس میں بیدل کا تعمق و فلسفہ، عرفی کی آزاد خیالی اور اُپج، فیضی کا زورِ بیان اور ذہنی تشکک اور نظیری کا تغزل سب کچھ موجود ہے۔

فنّی ارتقا کی طول طویل منزلوں اور متعدد مدارج طے کرنے کے بعد غالب

اس قابل ہو گئے کہ ان خیالات کو جو بیدل سے بڑھ کر عمیق اور حکیمانہ تھے ۔ ظہوری اور نظیری کی فصاحت اور شستگیِ بیان کے ساتھ ادا کر دیں۔ بیدل نے مضمونِ شعر میں رفعت اور سربلندی پیدا کی تھی۔ غالب نے اس میں اندازِ بیان کی دلآویزی کی آمیزش کر دی ۔ اور اس سرزمین کی فارسی شاعری میں جلال اور جمال، فکر اور حسنِ بیان کی وہ ہم آہنگی پیدا کر دی جو اقبال کے ہاں معراجِ کمال پر پہنچنے والی تھی ۔

مغلیہ دَور کے شعرا کی ایک بڑی خصوصیت "معاملہ بندی" تھی۔ مرزا غالب نے اسے وسعت اور بلندی دے کر انسانی فطرت کی عمیق گہرائیوں کا مطالعہ بنا دیا اور انسانی زندگی اور حسن و عشق کی نسبت وہ نئے نئے نکتے اور دلآویز باتیں بیان کیں کہ ان کا کلام شعر و ادب کا سدا بہار باغ بھی ہے اور ضیافتِ غور و فکر بھی!

مرزا غالب کے کلام میں مغلیہ شاعری کے تمام رنگ ہی نہیں جھلکتے ۔ ان کی شاعری تیموری حکومت کے زوال کا مرثیہ بھی ہے ۔ وہ اُس زمانے میں پیدا ہوئے جب مغلیہ جاہ و جلال دم توڑ رہا تھا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے آخری مغل بادشاہ جلاوطن ہوا۔ اور اُن کے اشعار میں اس دردناک صورتِ حالات کی ایک حزین و جمیل تصویر ہے ۔

مرزا غالب کے اشعار میں غم کا عنصر ایک خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ لیکن ان کا کلام ایک صحتمند، سلیم الطبع اور متوازن شخصیت کا اظہار ہے ۔ ان کے غم میں بے بسی اور مریضانہ خود سپردگی نہیں ۔ غالب کا غم میر تقی میر کا غم نہیں ۔ جو اگر مستقل طور پر رہے ۔ تو ایک طرح کی دماغی بیماری ہے ۔ غالب نے غم کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے ۔ ان کے کلام میں حزن و ملال کا اظہار بھی ہے اور سکون و قرار کا پیغام بھی! در

اگر ان کی شاعری ایک دَور کا مرثیہ ہے تو ایک نئے دَور کی نوید بھی ہے ؎

گہر از رایتِ شاہانِ عجم برچیدند   بہ عوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند
افسر از تارکِ ترکانِ پشنگی بردند   بہ سخن ناصیۂ فرِ کیانم دادند
گوہر از تاج گسستند و بہ دانش بستند   ہر چہ بردند بہ پیدا بہ نہانم دادند

دَورِ حاضر

پہلے پچاس سال
(۱۸۵۷ء-۱۹۰۷ء)

۱۸۵۷ء کا غدر جس کے بعد آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ دہلی سے جلاوطن ہوا اور ملکہ وکٹوریہ نے ہندوستان کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایک حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ادبی دَور سیاسی انقلاب سے ہُوبہو مطابقت نہیں کرتے۔ غدر کے کئی سال بعد تک ہندوستان میں اس سے پہلے کی ادبی روایات برقرار رہیں۔ صہبائی ہنگامۂ غدر میں شہید ہوئے۔ لیکن مرزا غالب غدر کے کئی سال بعد تک زندہ رہے اور اب بھی ان کی شاعری کا رنگ قریب قریب وہی تھا۔ جو اس سے پہلے تھا۔ اس زمانے میں اور کئی شعرا تھے جن کا فارسی کلام چھپ چکا ہے۔ مثلاً نواب ضیاالدین نیّر و رخشاں۔ مولوی غلام امام شہید۔ حبیب اللہ ذکا حیدرآبادی۔ خواجہ عزیزالدین عزیز لکھنوی۔ انہوں نے قدیم دَور میں تربیت پائی۔ اور اپنے رنگِ طبیعت کے مطابق قدیم روایات کو نباہتے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی امتیازی مرتبہ حاصل نہیں کرسکا۔

اس دور میں اُردو نثر و نظم نے بڑا عروج حاصل کیا۔ لیکن قومی خیالات پر اُن لوگوں کا سکہ چلتا تھا۔ جنہوں نے پرانے مکاتیب میں تعلیم پائی تھی۔ اور فارسی زبان میں دسترسِ تامہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض ایسے بزرگوں نے بھی فارسی شعر کہے۔ جو بالعموم اس زبان کے شاعر نہیں گنے جاتے۔ حالی کی فارسی غزلیات اور سرسید احمد خاں کے فارسی اشعار اسی قبیل سے ہیں۔

بظاہر تو اس نسل کے ساتھ فارسی شاعری کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن سرکاری دفاتر سے نکل آنے سے طبقۂ خواص میں فارسی کی اہمیت نظر انداز نہیں ہوئی۔ اس زبان کے شیدائی پھر بھی باقی رہے (اور اب بھی ہیں)، بلکہ چونکہ اب ملک ان ادبی روایات سے آزاد تھا۔ جنہوں نے عہدِ مغلیہ کے شعرا کو جکڑ رکھا تھا اس لیئے عہدِ حاضر کی شاعری میں زیادہ صفائی اور تازگی ہے۔ بلکہ جب ایک تندہ قوم نے ان مشکلات پر قابو پانا شروع کیا۔ جو اسلامی حکومت کے زوال سے پیدا ہوئی تھیں۔ اور زمانے کے تھپیڑے کھا کھا کے اور ان کا کامیاب مقابلہ کر کے اپنے اندر ایک تازہ دم خم پیدا کیا۔ تو اس کے ادب میں بھی ایک نئی جان، واقعیت اور توانائی پیدا ہو گئی۔ اس نئی صورتِ حالات کا اصل مرقع حالی اور اقبال کی اُردو شاعری ہے۔ لیکن اقبال کی فارسی شاعری میں بھی اس کا پورا پورا عکس موجود ہے۔

عُبیدی سہروردی
(وفات ۱۸۸۴ء)

اُنیسویں صدی کی ایک نمایاں خصوصیت بنگالہ میں فارسی شعر و ادب کا احیا ہے۔ غدر کے بعد اس سرزمین نے کم از کم دو ایسے شعرا پیدا کیئے جو اساتذہ کی

صف تک جا پہونچتے ہیں - ان میں سے ایک سہروردی خاندان کے رُکن اعلیٰ مولانا عبید اللہ عبیدی سہروردی تھے - وہ اگست ۱۸۳۴ء میں ضلع مدنا پور (بنگال) کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے - مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تعلیم پائی - اور اپنی تمام عمر اشاعتِ علم و تصنیف و تالیف میں گزار دی - ایک زمانے تک ڈھاکہ میں صدر مدرس رہے - اور ۱۸۸۵ء میں وفات کے بعد یہیں دفن ہوئے - عبیدی نے ایک مختصر عمر میں کوئی باون کتابیں تصنیف کیں - ان کے اشعار ایک اہلِ علم کا نتیجۂ فکر ہیں، اور طرزِ بیان میں پاکیزگی اور متانت ہے -

آزاد جہانگیر نگری (وفات ۱۹۰۷ء)

بنگالہ کے دوسرے قابلِ ذکر شاعر نواب سید محمد آزاد ہیں - وہ آغا احمد علی احمد جہانگیر نگری کے (جن کے متعلق غالب نے برہانِ قاطع کی بحث کے دوران میں ایک مخالفانہ قطعہ لکھا تھا) شاگرد تھے - آزاد کا اُردو اور فارسی کا مشترکہ دیوان شائع ہو چکا ہے - ایک قلیل الحجم رسالہ ہے - لیکن اس میں جو زوردار قصائد اور بلند پایہ غزلیں درج ہیں - وہ آزاد کو شعرائے پاکستان میں ایک امتیازی حیثیت دے دیتی ہیں -

شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء)

اُردو نثر کے عناصر خمسہ میں سے تھے - فارسی شاعری کی تاریخ پانچ جلدوں میں لکھی - ندوۃ العلما کے تحت علما کو جمع کرنے کی کوشش کی اور ایک نیم مذہبی، نیم سیاسی تحریک کی رہنمائی کی لیکن طبیعت حُسن پرست اور مزاج شاعرانہ تھا - پچاس برس کی عمر میں بمبئی کے پُر فضا مناظر اور ایک ''ماہِ تمام'' کی ضیا باریوں نے اُن کے دل و دماغ میں ایک ہلچل پیدا کر دی - اور دستۂ گل اور بوئے گل کی غزلیں لکھی گئیں - بظاہر تو یہ بیس بیس

بیس تیس صفحوں کے دو قلیل الحجم مجموعے ہیں لیکن چونکہ دلی جذبات کا اظہار ہے اور ایک خوش مذاق، خوش نگار واقفِ فن کا نتیجۂ فکر، اس لئے ان مختصر مجموعوں میں وہ دلآویزی اور تاثیر ہے، جس سے متلبہ شعرا کے ضخیم دواوین محروم ہیں۔

گرامی جالندھری
(وفات ۱۹۲۷ء)

جالندھر میں پیدا ہوئے۔ پھر نظامِ دکن کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ ان کے کلام میں نظیری کا رنگ جھلکتا ہے۔ زبان میں پختگی اور شائستگی ہے اور کئی جگہ نہایت نفیس خیالات بڑے دلآویز طریقے سے نظم کئے ہیں۔

اقبال
(۱۸۷۳-۱۹۳۸ء)

شبلی اور گرامی دونوں قدیم مدرسوں کے فیض یافتہ تھے۔ لیکن خدا کی دین ہے کہ اسی زمانہ میں مغربی اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پاکر ایک نوجوان ایسا اٹھا جو فارسی شعر گوئی میں نہ صرف اپنے معاصرین سے بازی لے گیا بلکہ اسلامی حکومت کے فارسی شعرا کی قطاریں پھاند کر عین اس صفِ اول تک جا پہنچا۔ جہاں خسرو۔ فیضی اور غالب کے علاوہ اور کسی کی رسائی نہ تھی۔

اقبال نے نہ صرف فارسی کو اس برِصغیر میں نئی زندگی عطا کی بلکہ اپنے نغمہ ہائے جانفزا کی مدد سے قوم میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اور پاکستان کا تخیل قوم کے سامنے رکھ کر اس سرزمین کا نقشہ ہی بدل دیا۔

اقبال نے ہمارے ادب پر جو احساناتِ عظیم کئے۔ ان میں سب سے بڑا یہ ہے کہ اس نے ہماری شاعری کو مبتذل اور مکروہ عناصر سے پاک کیا۔ ہماری شاعری کی نشو و نما کچھ اس قسم کے معاشرتی ماحول میں ہوئی۔ اور اہلِ سخن اس عقیدتمندی سے بڑا اسنے

مضامین اور استعاروں کو نباہتے ، بلکہ ان میں اضافہ کرتے رہے کہ ہمارے بہترین شعرا کے کلام میں خط و سبزہ - دربان و رقیب - کوئے یار اور مقتل کے ایسے مضامین آجاتے ہیں کہ خواہ ان کے معائب عقیدت مندوں کو نظر نہ آئیں ۔ لیکن اگر ان کا موازنہ ان لطیف خیالات و جذبات سے کیا جائے - جو بہترین مشرقی اور مغربی شاعری کا زیور ہیں - تو ہمیں اپنی شاعری کے ایک بڑے حصّے کا سوقیانہ پن صاف نظر آتا ہے ۔ اقبال نے اپنی شاعری کو اس عنصر سے یکسر پاک رکھا اور محبت کی ایک اعلیٰ وارفع تصویر پیش کی ؎

به کوئے دلبراں کارے ندارم ۔۔۔ دلِ زارے ، غمِ یارے ندارم
نہ خاکِ من غبارِ رہ گزارے ۔۔۔ نہ در خاکم دلِ بے اختیارے
بہ جبریلِ امیں ہم داستانم ۔۔۔ رقیب و قاصد و درباں ندانم

اقبال کے کلام کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ حیات کش عناصر سے یکسر پاک ، بلکہ زندگی اور خودی کی نشو و نما کا ایک دل نشیں پیغام ہے ۔ ہماری فارسی شاعری میں بالعموم ایک طرح کا رکھ رکھاؤ رہا ہے ۔ اور چونکہ ہمارے بہترین فارسی شعرا مثلاً مسعود سعد سلمان ۔ خسرو ۔ فیضی ۔ بیدل ۔ غالب ۔ (اور ہاں اقبال !) عظیم اور توانا شخصیتوں کے مالک تھے ۔ اس لئے ان کی شاعری میں بھی ایک صحت مند توانائی ہے ۔ لیکن شمالی ہندوستان میں اردو شاعری کا پودا اس وقت پروان چڑھا ۔ جب باغ میں خزاں کے جھونکے چل رہے تھے ۔ (بلکہ فارسی کے بجائے اردو کا استعمال ہی اکثر وضعداروں کے نزدیک سیاسی مجبوریوں کا ثمرہ اور ایک تہذیبی شکست کا اعتراف تھا) اس

غم آفریں دور میں غم والم کے مضامین نے قبولِ عام حاصل کیا۔ اور اب وہ ہماری ادبی روایات کا اس طرح جزو ہو گئے ہیں کہ میر تقی میر اور فانی بدایونی کی یاس آفرینی اور بے پناہ خود سپردگی نگاہوں میں نہیں کھٹکتی۔ لیکن قومی خیالات پر اس کا جو اثر ہوتا ہوگا۔ وہ ظاہر ہے۔ اقبال نے ان روایات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس کے ادبی نقطۂ نظر کا تفصیلی اظہار تو فارسی مثنوی اسرارِ خودی میں ہے لیکن بعض اردو اشعار میں بھی اسے دلنشیں طریقے سے بیان کیا گیا ہے ؎

شاعر کی نوا ہو کہ مغنّی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا!

بلکہ اقبال تو یہاں تک کہتا ہے ؎

افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز!

اقبال غالب کا مداح تھا۔ اور بیدل کا عقیدت مند۔ وہ ہماری فارسی ادبی روایات سے پوری طرح بہرہ ور تھا۔ لیکن اس کا نقطۂ نظر وسیع اور نگاہ بلند تھی۔ اس نے مقامی روایات پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ باہر کے بہترین فارسی شعرا سے استفادہ کیا۔ اس کے ہاں حافظ کا تغزّل اور رومی کی گہرائی ہے۔ اور بعض نظمیں قاآنی کی یاد دلاتی ہیں۔ لیکن اقبال کا مطالعہ مشرقی شعرا تک محدود نہ تھا۔ اس کے سامنے مغرب کے بہترین شعرا کا بھی کلام تھا۔ اور طبیعت میں دع ماکدر خذ ما صفا کی صلاحیتیں بدرجۂ اتم تھیں۔ اقبال نے ہر طرف سے

کسبِ فیض کیا۔ اور ہماری شاعری کو ایک تنگ و محدود دائرے سے نکال کر ایک بلند بین الاقوامی سطح پر لا کھڑا کیا۔ اور اسے اس قابل بنا دیا کہ اس سے تمام دنیا کے اہلِ نظر محظوظ و مستفید ہوں۔

اب تک اس سرزمین کے فنونِ لطیفہ کی یہ کیفیت رہی ہے۔ کہ تاج محل۔ شالا مار باغ۔ لال قلعہ۔ جامع مسجد کے حسنِ پُرشکوہ کے سامنے ہر ملک و قوم کے اہلِ ذوق سرِ عقیدت جُھکاتے۔ مغلیہ مصوری کے قدردان بھی ساری دنیا میں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے شعر و نغمہ کی آواز ایک ایسی تنگ وادی میں محصور ہو کر رہ گئی۔ کہ اس سے بہرہ یاب ہونا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھا۔ اور ہمارے ادبی شاہکاروں سے بیرونی دنیا ناآشنا ہے۔ اقبال نے اس "طلسمِ بیخبری" کا خاتمہ کیا ہے۔ اس کی شاعری مقامی یا وقتی رجحانات کا آئینہ نہیں۔ اس کا موضوعِ سخن وہ چیزیں ہیں۔ جو دلدادگانِ سخن کو ہر جگہ عزیز ہیں۔ اس کا طرزِ سخن بھی (کلامِ حافظ کی طرح) عین نفسِ شاعری کی زبان ہے۔ شعر و سخن کا معیار بھی اس نے اتنا بلند رکھا ہے۔ کہ ساری دنیا کے اہلِ نظر آنکھیں بچھاتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تصانیف کے انگریزی۔ عربی۔ اطالوی۔ فرانسیسی زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔ اور اب اُس کی بدولت ہمارے دوسرے ادبی کارناموں کی طرف بھی قدر اور شوق کی نظریں اٹھ رہی ہیں۔ ملک الشعرا بہار، جن سے بڑا شاعر ایران نے دورِ حاضر میں پیدا نہیں کیا۔ فرماتے ہیں ؎

قرنِ حاضر خاصۂ اقبال گشت
واحدے کز صد ہزاراں برگذشت!

اکرام

انتخاب

از

اشعارِ شعرائے لاہور

۴۱۸ھ —— ۵۸۸ھ

۱۰۲۷م —— ۱۱۹۲م

ابوالفرج رونی

(وفات ۴۸۴ھ)

رباعی

تا یک نفس از حیات باقی است مرا
در سر ہوسِ شراب و ساقی است مرا
کارے کہ من اختیار کردم ایں بود
باقی ہمہ کار اتفاقی است مرا

در مدحِ ابوالنجم زریر شیبانی[۱]

اے شیر دل اے زریر شیبانی
اے قوتِ بازوے مسلمانی

---

[۱] در عہد سلطان ابراہیم غزنوی ۴۵۱ھ تا ۴۹۲ھ سالارِ عساکرِ لاہور بود۔ فتوحاتش یادِ کارنامہ ہائے سلطان محمود غزنوی تازہ کرد۔

اے رائے تو چشمِ عقلِ بیداراں — اے خشمِ تو تیغِ تیزِ سلطانی
با عدلِ تو ظلم، عدلِ نوشرواں — با علمِ تو جہل، علمِ یونانی
پیمانِ تو گاہِ صلح، فاروقی — دستانِ تو روزِ جنگ، دستانی
از گنجِ تو اُمتے در آسائش — از رنجِ تو عالمے در آسانی

در جوابِ نظمِ نجمِ دیں نامی گفتہ

گُلے سوئے خُلدِ بریں می فرستم — شبہ پیشِ دُرِ ثمیں می فرستم
یکے نقشِ کج از پئے زیب و زینت — بہ تحفہ برِ حورِ عیں می فرستم
کلامِ رکیک از پئے استفادت — بہ ہدیہ بہ روح الامیں می فرستم
ہمانا کم است ایں بہ صدرہ ز ذرّہ — کہ زی آفتابِ مبیں می فرستم
یکے شعلہ کاں ہیچ پرتو ندارد — برِ حضرتِ نجمِ دیں می فرستم

آرزو

چو سر رشتۂ خویش گم کردہ ام — بہ عالم یکے رہبرم آرزوست
مرا خورد یکبارگی غم، دریغ! — بگیتی یکے غمخورم آرزوست
بسا داوریہا کہ دارم ولیک — یکے دادگر داورم آرزوست
زر و زیورِ من قناعت بس است — نگویم زر و زیورم آرزوست

برائے عروسانِ بکرِ سخن — یکے تازہ رُو شوہرم آرزوست
دریں عہدِ ناخوش کہ قحطِ سخاست — نگویم کہ سیم و زرم آرزوست
نہ در خاطرِ دل بگردد مرا — کہ ایں اسپ و آں استرم آرزوست
بدیں بے بضاعتی چنیں زندگی — ز اسلام دورم، گرم آرزوست

شکایتِ دوراں

گردوں ز برائے ہر خردمند — صد شربتِ جانگزا در آمیخت
گیتی ز برائے ہر جواں مرد — ہر زہر کہ داشت در قدح ریخت
از بہرِ ہنر دریں زمانہ — ہر فتنہ کہ صعب تر برانگیخت
جز آبِ دو دیدہ می نشوید — خاکے کہ زمانہ بر سرِ خم ریخت
بر اہلِ ہنر جفا کند چرخ — نتواں ز جفائے چرخ بگریخت
چوں است زمانہ سفلہ پرور — کے دستِ زمانہ بر تواں بیخت

غزلیات

روئے چوں حاصلِ نکوکاراں — زلف چوں نامۂ گنہگاراں
غمزہ مانندِ آرزوئے مضر — در کمیں گاہِ طبعِ بیماراں
خیرہ اندر کرشمۂ چشمش — ذوقِ مستان و ہوشِ ہشیاراں

اندر آمد به مجلس و بنشست — چادرش بستند از دیاران
زیر و بم را به غمزه گویا کرد — تا بگفتند رازِ می خوران

بیامدی صنما بردهٔ پایٔ نشستی — دلم ز دست برون کردی و بدر جستی
نه مست بودی و پنداشتم که چون مستان — همیں به حیله شناسی بلندی از پستی
سه روز شد پس ازاں تا ز دردِ فرقتِ تو — نه هوشیاری دانم که چیست نه مستی
درست گشت که جانِ منی بدیں معنی — که تا ز من بگسستی به من نه پیوستی
به جانِ جاناں! اگر تو بدستِ خویش دلم — چناں که بُردهٔ امروز باز نفرستی

چه دلبری چه عیاری چه صورتی چه نگاری — نه گاهِ خلوت جفتی نه وقتِ عشرت یاری
به غمزه عقل گدازی به جنگ چنگ نوازی — به وعده تُد به بازی به حیله شیر شکاری
چو بوسٔ خواهم زنگی چو صلح جویم جنگی — چو راست رانم لنگی چه خوست ایں که تو داری
نه سوزی و نه بسازی نه کاهی و نه فزائی — نه بندی و نه کشائی چه دیو دست سواری
شگفت یوسف روئی چرا نه یوسف خوئی — بسے قرینہ روئی ولیک گرگ تباری

مسعود سعد سلمان

(۴۳۸ھ ——— ۵۱۵ھ)

نگارِ لاہور

رسید عید و من از روئے حورِ دلبر دور چگونہ باشم بے روئے آں بہشتی حور
مرا کہ گوید کاے دوست عید فرخ باد نگارِ من بہ لہاور و من بہ نیشاپور
رہِ دراز و غریبی و فرقتِ جاناں اگر بنالم دارید مر مرا معذور
زیار یاد ہمی آیدم کہ ہر عیدے درآمدے ز درِ من بسانِ حورِ قصور
ہزار شاخ ز سنبل نہادہ بر لالہ ہزار حلقہ ز عنبر فگندہ بر کافور
تنے چو سیم برآراستہ بہ جامۂ عید نہادہ بر دو کفِ خویشتن گلاب و بخور
بُردے از دلِ من تابِ آں دو زلف بہ تاب خمارِ عشق فزودے بہ چشمکِ مخمور
کسے کہ دور بُوَد از چنیں شگرف نگار چگونہ باشد بر ہجرِ تو اے نگار صبور!

چرا نہ باشم با عزم و حزم مردانہ
چرا ندارم ہر رنج بہ دل بود مستور

چو یادِ شہرِ لہاور دیارِ خویش کنم
نبود کس کہ شد از شہر و یارِ خویش نفور

برشگالِ لاہور

برشگال اے بہارِ ہندستاں
اے نجات از بلائے تابستاں

دادی از تیر مہ بشارتہا
باز رستیم از اں حرارتہا

ہر سوا از ابر لشکرے داری
در امارت مگر سرے داری

بادہائے تو میغہا دارند
میغہائے تو تیغہا دارند

رعدہائے تو کوس ہا کوبند
چرخ گوید ہمی کہ بکشو بند

طبع و حالِ ہوا دگر کردی
دشتہا را ہمہ شمر کردی

سبزہ ہا را طراوتے دادی
غمرہا را حلاوتے دادی

راغ را گل زمردیں کردی
باغ را شاخ بُستدیں کردی

اے شگفتی نکو نگار گری
رنگِ طبعی نکو بکار بری

تو بدیں حملہ کہ افگندی
بیخ خشکی ز خاک برکندی

تیر بگزشت ناگہاں برما
منہزم گشت لشکرِ گرما

تنِ ما زیرِ جامہ ہائے تنک
گشتہ تازہ ز بادہائے خنک

اینک راحت کہ رنج گرما نیست — پس ازیں جز امیدِ سرما نیست
حبّذا ابرہائے پُر نمِ تو! — خرّما سبزہ ہائے خُرّمِ تو!

بسکہ خرّم شدہ است لوہا دور
باشد آں کس کہ مے خورد، معذور!

یادِ لاہور

اے لاہور دیحک بے من چگونۂ — بے آفتابِ تاباں روشن چگونۂ؟
اے آنکہ باغِ طبعِ من آراستہ ترا — بے لالہ و بنفشہ و سوسن چگونۂ؟
تو مرغزار بودی و من شیرِ مرغزار — با من چگونہ بودی و بے من چگونۂ؟
ناگہ عزیز فرزند از تو جدا شدہ است — با دردِ اُو بہ نوحہ و شیون چگونۂ؟
نفرستی ام پیام و نگوئی بہ حسنِ عہد — کاندر حصار بستہ چو بیژن چگونۂ؟
گر در حضیض برکشدت واژگونہ بخت — از اوج برفراختہ گردن چگونۂ؟
در ہیچ حملہ ہرگز نفگندہ سپر — با حملۂ زمانۂ توسن چگونۂ؟
باشد ترا ز دوست یکا یک تہی کنار — با دشمنِ نہفتہ بہ دامن چگونۂ؟
از دوستانِ ناصحِ مشفق جدا شدی — با دشمنانِ ناکسِ ریمن چگونۂ؟
آباد جائے نعمت نامد ترا بہ چشم — محنت زدہ بہ ویراں معدن چگونۂ؟

اے جرہ بازِ دست گزارِ شکارِ دوست　　بستہ میانِ تنگ نشیمن چگونہ؟
برنا زِ دوست ہرگز طاقت نداشتی　　امروز با شماتتِ دشمن چگونہ؟
اے دم گرفتہ زنداں گشتہ مقامِ تو　　بے درکشادہ طارم و گشلن چگونہ؟

یادِ یار

نگارِ من توئی و یارِ غمگسار توئی　　وگر بہار نباشد مرا بہار توئی
جدا شدی ز کنارِ من و چناں دانم　　کہ شب گرفتہ مرا تنگ در کنار توئی
مبادعمرِ من و روزگارِ من بے تو　　کہ شادی و طرب و عمر و روزگار توئی
مرا نہ جاں ہست امروز و نہ جہاں بے تو　　از انکہ جان و جہانِ من اے نگار توئی

زجان و دیدہ کنم مدحِ تو کہ مدح مرا
بہ جان و دیدہ خریدار و خواستار توئی

در مدحِ خواجہ ابو نصر

خواجہ بو نصر پارسی کہ جہاں　　ہیچ ہمتا ندارد ش زمیاں
آں دبیرے کہ تا قلم برداشت　　ہمہ بر صفحہ درج سحر نگاشت
واں سوارے کہ تا سوار شدست　　ز و دلِ کفر بے قرار شدست

شاه را بوده نائبِ کارے | کرده شغلِ سپاه سالارے
سرکشاں را نموده در پیکار | که چگونه کنند مرداں کار
هر سخنگو بگوید از هر در | چوں گهر بایدش نشاند به زر
مجلسِ شاه را چناں باشد | که بدن را لطیف جاں باشد
چوں زمے دلش مست و خرّم شد | جد و هزلش تمام درهم شد
طیبتے طرفه درمیاں افگند | ثلث شهنامه در زباں افگند
ساتگینے گرفت وپس برخاست | دولتِ شه زپاک یزداں خواست
مرکزِ حشمت و سیادت باد | دولتش هر زماں زیادت باد
سرِ همّت بلند باد بدو | شادماں شاه شیر زاد بدو

ابیات

تبارک الله ایں بخت و زندگانی بیں | که تا بمیرم، زنداں بُوَد مرا خانه
چو شانه شد جگرم شاخ شاخ از اندهِ آں | که موئے دیدم، شاخِ سپید در شانه
من از که دارم امروز امیدِ مهر و وفا؟ | که دوست دشمن گشته است و خویش بیگانه
اگر شنیدمے از دیگراں حکایتِ خویش | همه دروغ نمودے مرا چو افسانه!

رباعی

از بخششِ دستِ من زسیم و زر پُرس | وز خوئے خوشم زمشک واز عنبر پُرس

از قوتِ بازوئے من از خنجر پُرس
در ہیبتِ من زراہِ جالندھر پُرس

رباعی

کوہے کہ برد بلا بسبا رندمنم
تیغے کہ بدستِ غم سپارندمنم
شیرے کہ بروں نمی گزارندمنم
خوارے کہ نکو نگاہ دارندمنم

رباعی

درآرزوئے بوئے گلِ نو روزم
در حسرتِ آں نگارِ عالم سوزم
از شمع سہ گونہ کار می آموزم
می گریم و می گدازم و می سوزم

رباعی

در ماہ چہ روشنی کہ در روئے تو نیست
در خلد چہ خرّمی کہ در کوئے تو نیست
مشکِ ختنی چو زلفِ خوشبوئے تو نیست
یکسر ہنری، عیبِ تو جز خوئے تو نیست

ابیات

محمدت خر کہ روزِ اقبال است
مکرمت کن کہ روزِ امکان است

نہ ہمہ سال کار ہموار است | نہ بہر وقت حال یکسان است
بر جہاں چند نوع نیرنگ است | بر فلک چند گونہ احزان است
پُر جفا چرخ پُر ز پیکار است | بے وفا دہرِ سست پیمان است

غزلیات

اے سلسلۂ مشک فگندہ بقمر بر! | خندیدہ لبِ پُر شکرِ تو بشکر بر
چوں قامتِ تو نیست ہمی سرو خراماں | چوں چہرۂ تو نیست گلِ لعل ببر بر
تا در سرِ من گشت کہ در بر کشمت تنگ | گہ دست بسر بر زنم وگاہ ببر بر
چنداں غم و اندوہ فراز آمدہ در دل | تا تودہ شدست اندہ و غم یک بہ دگر بر
دل شد سپرِ جاں ز نہیبِ مژۂ تو | تا چوں مژہ زخمے زند آید بسپر بر
تا ہجر نشستہ است بہ نزدیکِ تو ساکن | آں وصل سراسیمہ بماندہ است بدر بر
بر تو گزرم روئے بتابی ہمہ از من | گوئی کہ ندیدی تو مرا جز بگذر بر
من بر تو ہمی ہر چہ کنم دست نیابم | اے رشکِ قمر! دست کہ یابد بقمر بر؟

آمد آہستہ با کرشمہ و ناز | دوش نزدِ من آں نگارِ طراز
زلفِ پُر پیچ بر شکستہ بہ گل | چشمِ پُر خواب سُرمہ کردہ بناز

برنهاده برابروان چوگان   تیرِ غمزه به چشم تیرانداز

گفتمش چوں روی، بنومیدی   جنگ مانندِ مار کرد آغاز

بے نیازی، مرا نیاز به تست   ورچه دارد بمن زمانه نیاز

من چو پرداختم بمهرِ تو دل

تو زمانے بوصلِ من پرداز

اے مئے لعل راحتِ جاں باش   طبعِ آزاده را بفرماں باش

روزگارم بخست، مرہم شو   دردمندم زچرخ، درماں باش

بے تو بے جاں تنے است جامِ بلور   تنِ پاکیزه جام را جاں باش

دلم از قحطِ مهر خشک شدست   بردلم سودمند باراں باش

گر تو زنداں کشیدهٔ چوں من   مر مرا یارِ بند و زنداں باش

نامهٔ می نویسم از شادی   برسرِ آں نبشته عنواں باش

بچهٔ آفتابِ تابانی   نایبِ آفتابِ تاباں باش

شمع گر نیست تو چوں روشن شمع

پیشِ مسعودِ سعدِ سلماں باش

چو مه روئے نیکو برآراستی   سیه زلفِ مشکیں به پیراستی

خراماں چو کبکِ دری از وثاق   بروں آمدی بر زده آستی

چو آراسته روئے نیکوئے خوش   ہمہ مجلسِ شہر بیاراستی
رسیدی بکامِ دلِ خویشتن   کہ چوں سرو از جائے برخاستی
بیاراستی چوں چمن بزم را   اگر خدمتِ شاہ را خواستی

جہاں دار مسعود کز رائے او
پدیدار شد ملک را راستی

عرفانیات

چوں بدیدم بہ دیدۂ تحقیق   کہ جہاں منزلِ فناست کنوں
داد مردانِ نیک محضر را   روئے در برقعِ حیاست کنوں
آسماں چوں حریفِ نامنصف   بر سرِ عشوہ و دغاست کنوں
دل فگار است ہمچو دانہ از آنک   زیرِ ایں سبز آسیاست کنوں
طبعِ بیمارِ من ز بسترِ آز   شکرِ یزداں! درست خاست کنوں
در عطا تیر خانۂ تو بہ   ق   نو شد ار روئے صدق خواست کنوں
آں زبانے کہ مدحِ شاہاں گفت   مادحِ حضرتِ خداست کنوں
لہجۂ پُر نوائے خوش نغمت   بلبلِ باغِ مصطفاست کنوں

مدتے مدحتِ شہاں کردم　　　نوبتِ خدمتِ خداست کنوں

خاتمہ

فہرستِ حالِ من ہمہ تاریخ و بند بود　　　ازبس ماند عبرت و از پند بند ماند

لیکن بشکر گویم کز طبعِ پاکِ من　　　چندیں ہزار بیتِ بدیع و بلند ماند

انتخاب

از

اشعارِ شعرائے مملکتِ دہلی

قبل از دورِ مغول

۵۸۸ھ / ۱۱۹۳ء تا ۹۳۳ھ / ۱۵۲۶ء

ملک الکلام

امیر فخرالدین عمید سنّامی

[۶۰۱ھ تا ۶۸۳ھ (؟)]

حمد

برخیز عمیدا، نہ فسرد است دلِ تو — بگزر زغزل، حمدِ خداوندِ جہاں گو
مداحیِ درگاہِ خدا کن کہ برافراشت — بے زحمتِ آلات بسے گنبدِ مینو
دو شاہ رواں کرد بریں طارمِ ازرق — پس دادہ زسیارہ شاں خیل زہر سو
صد شاہدِ اختر بگہِ شام نمودہ — مشاطۂ صنعش زپسِ پردۂ نہ تو

قصیدۂ حبسیہ

منکہ چوں سیمرغ دریک گوشہ مسکن کردہ ام — ماورائے مرکزِ خاکی نشیمن کردہ ام
ننگِ ہر مرغے دریں بوم از چہ معنی می کشم — رفتہ ام عنقا صفت در کوہ مسکن کردہ ام

مرغِ همت تا نه گردد حسنهٔ من سفلی گرای — خرمنِ چرخش ز انجم پُر ز ارزن کرده ام

مه چه خرمن می زند چون دانه ننماید به کس — من به جو سنگِ مروت چند خرمن کرده ام

در بسی فن اهلِ حکمت را گران رغبت نبود — من ز آن صد گونه ره چون ز یک فن کرده ام

گنجِ حکمت را ضمیرِ من چراغ افروز شد — در فتیلش تا ز نورِ عقل روغن کرده ام

گوهرِ اسرارِ معنی شد چنان حاصل که من — خاطر از گنجینهٔ اسرار مخزن کرده ام

روزی از راهِ رعونت در گلستانِ هوا — جلوهٔ حکمت چو طاؤسِ ملوّن کرده ام

شاهبازِ غیرتِ حق از کمین زد پنجهٔ — زان کبوتروار در یک گوشه مسکن کرده ام

مسندِ خورشیدِ زرّین تخت می زیبد مرا — حال ما من تکیه بر کرسیِ آهن کرده ام

همدمانم هر یکی در شغل و من در بندِ حبس — حاش لله زین سخن تنها گنه من کرده ام

حبس بر من شیون آورد است و از لطفِ سخن — سوز دیدستی که من در عینِ شیون کرده ام

یارب از نخلِ کرم برگ و نوائی من بده — مرغِ جان را چون به توحیدت نوا زن کرده ام

خلعتِ امنم کرامت کن که ما را در گهت — مامنِ اصلیست اینک قصدِ مامن کرده ام

دور دار از ظلمتِ شرک و نفاق و حقد و کین — باطنی کز نورِ اخلاص مزیّن کرده ام

آفتابِ معرفت در سینه ام تابنده دار — چون گهرهای یقین را سینه معدن کرده ام

قصیدہ

دارم جفائے نو بنو زیں چرخِ ناخوش منظرے
کورے، کبودے، کجروے، قاتل کُشے، دُوں پرورے

در موجِ دریائے محن، ہستم اسیر و ممتحن
ایں کشتیِ مقصودِ من، یارب نہ دارد لنگرے

کرد ایں سپہرِ دُوں لقب، بر من ہمہ روزم چو شب
ہرگز نہ بُردم نزدِ لب، جز خونِ دل یک ساغرے

رختِ امیدم بُردہ شد، جانم ز رنج آزردہ شد
شاخِ طرب پژمردہ شد، بے آب چوں نیلوفرے

بُرد از منِ خستہ جگر، گردوں بہ غارت سیم و زر
من ماندم و نقدِ ہنر، بے اسپ و بے اسپہ خرے

دستم ز جورِ دہرِ دُوں، زیرِ زنخ گشتہ ستوں
دل در برم ز اندیشہ خوں، نے غمگسارے یاورے

برخیز بر عزمِ سفر، زیں جائے ناخوش درگزر!
کاندر تنورِ شیشہ گر، قیمت ندارد جوہرے

مثلِ عمیدِ تر سخن، نادرِ دوراں در زمن
نے در صفاہان و یمن، نے در سمرقند و ہرے

ابیات از قصیدہ

زہے ز نرگسِ مستِ تو پُر خُمار آہو
ز بندِ نافۂ مشکِ تو شرمسار آہو

بہ حیرت است در آں چشم دیدۂ نرگس
بہ غیرت است در آں زلفِ مشکبار آہو

بہ گردِ بوستاں صد رہ چو دائرہ برگشت
ندید چوں خطِ تو یک بنفشہ زار آہو

چہ صنعت است در آں نرگسش کہ آں غمزہ
درونش صید دلست و بروں شکار آہو

حدیثِ عنبرِ زلفِ تو تا رسیدہ بدو
فگند قصۂ نافہ در اختصارِ آہو

غزل

گر نہی عقل را بر لبِ در، یار ربار | بر دلم از غم منہ خیرہ بیکبار ربار
تا گلِ رویت شگفت ہر نفس از رنگِ تو | در جگر و دل شگفت لعبتِ فرخار خار
در حشمِ ہر تارِ مو زلفِ تو دارد شبے | روزِ دلم کردہ چوں شب ازاں تار تار
دوش بہ بازارِ عشق شد دل و در رہ ہر قدم | کشتۂ چشمِ تو دید بر سرِ بازار زار
حورِ من از خانگی حور و عیارِ تو ست | ہیچ کسے را مباد ہمچو تو عیار یار

داری شفائے دلت چوں کرمِ خسروی
یک نفس ایں خستہ را محرمِ ایں راز دار

غزل

روئے تو پیرایۂ صحنِ چمن | موئے تو سرمایۂ مشکِ ختن
بستۂ گیسوئے تو صد دین و دل | خستۂ بادامِ تو صد جان و تن
طرۂ طرارِ تو عاشق فریب | غمزۂ خونخوارِ تو لشکر شکن
فتنۂ رفتارِ تو کبکِ دری | والۂ رخسارِ تو ہر مرد و زن

در گہِ خندہ ، لبِ لعلت شکست — رونقِ بیجادہ و دُرِّ عدن
زلفِ تو بر رشتۂ تو گرہے کہ ہست — سنبلِ پُر خم زدہ بر نسترن
نرگسِ جادوے تو ہنگامِ ناز — آفتِ جان و دلِ مجروحِ من

بندۂ خاکِ درِ تو شد **عمید**
آتشِ غم در دل و جانش مزن

مناظرۂ تیغ و کلک

آہن و نے چوں پدید آمد ز صنعِ کردگار — در میانِ تیغ و کلک اُفتاد جنگ و کارزار
تیغ گفتا فخرِ من آنست کاندر شانِ من — گاہِ وحی آمد اَنزَلنا الحدید از کردگار
کلک گفتا آمد اندر شانِ من "نٓ و القلم" — ہم بدیں معنی مرا فخر ست تا روزِ شمار
تیغ گفتا نونِ من نونِ سپہر آمد درست — ہست ازیں معنی مرا بر گردنِ مرداں مدار
کلک گفتا شکلِ من شکلِ شہاب آمد درست — مردمِ شیطاں بدست از من نیابد زینہار
تیغ گفتا ہستم آں پیکار کز پیکرِ من ست — کارِ گیتی مستقیم و بندِ شاہاں استوار
کلک گفتا ہستم آں نقاش کز نقشِ منست — خوب و زشت و نیک و بد در دین و دنیا آشکار
تیغ گفتا من درختے ام کہ بارِ آں منست — دارم از بیجادہ برگ و دارم از یاقوت بار
کلک گفتا من سحابے ام کہ بارانِ منست — عنبر و مشک و منم عنبر فشان و مشکبار
تیغ گفتا من یکے شیرم کہ دارم روزِ رزم — مغزِ بدخواہانِ سلطانِ معظم مرغزار

کلک گفتا من یکے مرغم کہ بر سیمِ سپید ‌‌ ‌ دانہ ہا پیدا کنم چوں بارم از منقار بار

تیغ گفتا بادشاہاں را بمن فخرست ازآنک ‌‌ ‌ چندگہ من بودم اندر دستِ حیدر ذوالفقار

کلک گفتا در جہاں از قوتِ فضلِ منست ‌‌ ‌ قصۂ شاہان و اخبارِ بزرگاں یادگار

ہر دو زیں معنی بسے گفتند و آخر یافتند ‌‌ ‌ قیمت و مقدارِ خویش اند دستِ شاہِ ذرگار

مناظرہ

دی در میانِ بادۂ صافی مزاج و بنگ ‌‌ ‌ در مصدرِ دماغِ من افتاد شور و جنگ

بگشادمے زباں کہ منم دخترِ عنب ‌‌ ‌ صافی تن و نشاط فزائے عقیق رنگ

تا من سر از دریچۂ خُم برمی کشم ‌‌ ‌ نا یست خوں گرفتہ و خوں خشک رودِ چنگ

گر در دہانِ زنگ زمن قطرۂ چکد ‌‌ ‌ بر روئے شیر رنگ تفاوت کند ز رنگ

در موشکے ضعیف زمن جرعۂ چشد ‌‌ ‌ نشگفت اگر ز پنجہ خراشد رخِ پلنگ

مسک زمن بہ رائحۂ گر نفس زند ‌‌ ‌ بخشد گہر بہ دامن و لولو بہ سنگ و منگ

خاصیتِ من این و تو اے بنگِ خشک مغز ‌‌ ‌ ذکرِ خواصِ خویش بمن گوئی بے درنگ

بنگِ سُبک سر از سرِ حدت زباں کشاد ‌‌ ‌ کاے نزدِ غفلتِ تو یکے شکر و شرنگ

من صوفیم ز خانقہِ کیمیائے عقل ‌‌ ‌ بر دامنم زنند حکیماں بہ طبع چنگ

وز قوتِ تخیلِ من ہر زماں کنند ‌‌ ‌ سحرِ حلال در صفتِ نوخطانِ شنگ

از تو یکے پیالہ و صد محنتِ خمار ‌‌ ‌ از من طلب علاجِ دلِ ناتوان و تنگ

لاتقربوا الصّلوٰة براوراق نقش ہست — اُم الخبائث است ہر آئینہ از تو رنگ
مے گفت منکرے کہ بہ منصوص نیستی — نامِ تو بر صحیفہ نیاید و زیر سنگ
من در دہانِ شیر درآیم صبا صفت — تو بر کَنی زدٗ و ہکِ سُست پائے لنگ
دانگہ بہ بحرِ خُرّمیم غوطہ خورد — اندوہِ عمر را بہ اندر دمِ نہنگ
من لعلِ با طراوت و تو سیرِ بے نمک — نامم شرابِ صافی و نامِ تو خشک بنگ

قطب جمال الدین احمد ہانسوی

(وفات ۶۵۹ھ)

قصیدہ

موسمِ فصلِ نو بہار خوش است — واندر ایں وقت روزگار خوش است
گر ببینی چہار گوشۂ باغ — از گل و سبزہ ہر چہار خوش است
بُلبُلاں را چو عاشقاں امروز — در چمن نالہ ہائے زار خوش است
رستہ از خاک سبزہ ہا خوب است — آبِ جاری بہ جویبار خوش است
در سحر ہمچو مومناں بہ دعا — دست برداشتہ چنار خوش است
سبزۂ تازہ و گلِ رنگیں — نزدِ سکّانِ ایں دیار خوش است

گر کسے پرسدم کہ خوش چہ بُوَد — گویمش طلعتِ نگار خوش است
باغ و بستان و آب ہائے رواں — جملگی با جمالِ یار خوش است

نزدِ احمد چو یار روے نمود
ہر چہ باشد بہ تو بہار خوش است

مرثیۂ سلطان شمس الدین التتمش

(۶۳۳ھ)

دلا منازچو قاروں بہ مال و نعمت و جاہ — مباش ایمن ازاں دم کہ جاہ گردد چاہ
جہاں نہ دارِ بقایست بل سرائے فناست — دریں سرائے فنا عمرِ جاوداں مخواہ
بریں بقائے دو روزہ بہ جہل تکیہ مکن — کہ مرگ در عقبت ہم کنوں رسد ناگاہ
اجل چو تیغِ قضا برکشد ندارد باک — ز پادشاہ و امیر و وزیر و خیل و سپاہ
شہِ ستارہ حشم چرخ قدر شمس الدین — سرِ ملوکِ جہاں، طیب اللہ ثراہ
چو پائے بر سرِ بختش نہاد پیکِ اجل — ز ملک و ملکِ جہاں گشت دستِ او کوتاہ
بہ تختہ رفت ز بالائے تخت خسروِ دہر — بہ چار چوبِ فنا پا نہاد از سرِ گاہ
ہمیشہ اطلس و دیباہ بود کسوتِ شاہ — بدل نمود بہ کرباسِ اطلس و دیباہ
سریرِ ملک ز سلطانِ دہر خالی ماند — ز فوتِ شاہِ جہاں کارِ ملک گشت تباہ

غزلیات

جانِ عاشق فدائے جانان است
عشقِ معشوق در تنش جان است

روشنائی ز روئے او دارد
زیں سبب جرمِ ماہ رخشان است

سینہ ہا بہرِ یار غمگین است
دیدہ ہا بہرِ یار گریان است

خانہ ہا از پئیش خراب شدہ
جمعہا از غمش پریشان است

ہر کرا پیر رہبر است، او را
یافتن وصلِ دوست آسان است

ہست پیرم فریدِ ملت و دیں
گوگلِ گلبنِ سلیمان است

گوید از راستی جمال گدا
شیخِ من بادشاہ و سلطان است

تشنگاں جوئے آب می جویند
آب اندر سراب می جویند

زارعاں بر امیدِ قطرِ مطر
رعد و برق و سحاب می جویند

بہرِ گرما گروہِ قصاراں
دائما آفتاب می جویند

از پئے دفعِ قاطعانِ طریق
شب رواں ماہتاب می جویند

منتہی گشتہ زمرۂ پیراں
باتاسف شباب می جویند

عالماں در تعلّم و تعلیم
درسِ علم و کتاب می جویند

عابداں در تعبد و طاعت
آبِ پاک و تراب می جویند

عقبلاں رُخ بہ حق ہمی جویند   وز ہوا اجتناب می جویند
طالباں می کُشند نفس بہ قہر   زانکہ ایشاں صواب می جویند
عشقِ دلبر عذابِ سخت تراست   عاشقانش عذاب می جویند
جملۂ والہان و مہجوراں   روز و شب اقتراب می جویند
عارفاں از شراب خانۂ دوست   در سحرگہ شراب می جویند

ہر یکے در جہاں بسانِ جمال
حاجتِ خود شتاب می جویند

ایں قوم کہ سالکانِ راہند   جویندۂ قربتِ الٰہند
در ہژدہ ہزار عالم ایشاں   جز حضرتِ حق دگر نہ خواہند
خواری کش و کم زبان و گمنام   نے طالبِ فخر و عزّ و جاہند
مردِ حبش و بلالِ زنگی   در صورت نزدِ تو سیاہند
لیکن چو نگہ کنی بہ معنی   روشن تر از آفتاب و ماہند
ویں طائفۂ گلیم پوشاں   بے زحمتِ تاج و تختِ شاہند
گرچہ حشم و خدم ندارند   با جامۂ ژندہ بادشاہند
چوں امرایاں سپاہِ روز زند   جمعِ فقرا بہ شب سپاہند
از رفعتِ مرتبت مشائخ   مر اہلِ زمانہ را پناہند
آنانکہ شناختند حق را   ہموارہ ز شوق می بکاہند

وز باز بماندگاں چو احمد
در گریہ و در فغان و آہند

حضرت شاہ شرف بو علی قلندر

(وفات - ۷۲۴ھ)

ابیات از مثنوی قلندر

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن — از گلِ رعنا بگو با ما سخن

مرحبا اے قاصدِ طیارِ ما — میدہی ہر دم خبر از یارِ ما

مرحبا اے ہدہدِ فرخندہ فال — مرحبا اے طوطیِ شکر مقال

در زماں ہفت آسماں راطے کنی — مرکبِ حرص و ہوا را پے کنی

دمبدم روشن کُنی در دل چراغ — ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ

از تو روشن گشت فانوسِ تنم — از تو حاصل شد مرا وصلِ صنم

مرحبا اے رہنمائے راہِ دیں — از تو روشن شد مرا چشمِ یقیں

غزلیات

ہست در سینۂ ما جلوۂ جانانۂ ما — بت پرستیم و دلِ ماست صنم خانۂ ما

اے خضر چشمۂ حیواں کہ بداں می نازی — بو دیک قطرہ ز دُردِ تہِ پیمانۂ ما

جنت دنا رسِ ماست بصد مرحلہ دور / می شتابد بہ کجا ہمتِ مردانۂ ما
جنید از جا و فتد بر سرِ افلاکِ برین / بشنود عرش اگر نعرۂ مستانۂ ما
ہمچو پروانہ بسوزیم و بسازیم بہ عشق / اگر آں شمع کند جلوہ بہ کاشانۂ ما
ما بنازیم بہ تو، خانہ ترا بسپاریم / گر بیائی بہ شبِ وصل تو در خانۂ ما

گفت او خندہ زناں گریہ چو کردم بہ درش
بوعلی ہست مگر عاشقِ دیوانۂ ما

اگر بینم شبے ناگہ من آں سلطانِ خوباں را / سر اندر پائے وے آرم فدا سازم دل و جاں را
فروزم آتشے در دل بسوزم قبلۂ عالم / پس آں گہ قبلہ سازم من آں ابروئے جاناں را
بیا ساقی کہ روئے تو مرا شمعِ حرم باشد / بگردم گردِ میخانہ ببوسم پائے مستاں را
دل و جاں کردہ ام نذرِ بتاں اکنوں ہمی خواہم / کہ گر یابم خریدارے فروشم دین و ایماں را
نترسم از آتشِ دوزخ نہ پروائے جناں دارم / منم شوریدۂ جاناں نخواہم حور و غلماں را
چہ گفتی ایں سخن کفر است گر گوئی شوی کافر / برو اے واعظِ ناداں چہ دانی سرِّ مستاں را

شرف بربند لب از گفتنِ اشعارِ رندانہ
شکایتہاست زاشعارِ تو ہر گبر و مسلماں را

ماییم و چشم وقفِ رہِ انتظارِ دوست / بنشستہ ایم ما بہ سرِ رہگذارِ دوست
گر دوست جلوہ گر شود امشب بخانہ ام / ہوش و حواس و صبر کنم من نثارِ دوست
اے خضر! دستگیرِ منِ بیقرار شو / آوارہ می روم کہ ندانم دیارِ دوست

هر جا که می برد منِ بیچاره می روم — باشد عنانِ من به کفِ اختیارِ دوست
مائیم و رنجِ هجر که شام و سحر کشیم — خوش طالعِ کسے که شود همکنارِ دوست
مرغِ دلم به دانهٔ دنیا نمی پرد — زیرا که گشت طائرِ روحم شکارِ دوست
این دفتر ار به باد دهی پُر مناسب است — کاین علم و عقل و دینِ تو ناید به کارِ دوست
تا دوست در کنارِ من آید، بدین امید — دل از کنارِ من رود اندر کنارِ دوست

گر چشمِ دل کشاده شود اے شرف ترا
هر ذرهٔ جهاں شود آئینه دارِ دوست

گر عشقِ حقیقی است و گر عشقِ مجاز است — مقصود ازیں هر دو مرا سوز و گداز است
عشق است و صد آفات و محن لازم و ملزوم — این منزلِ دشوار و رهِ سخت دراز است

خواهی که روی بر درِ آں دوست قلندر
آں هدیه که مقبول شود عجز و نیاز است

منزلِ عشق بس خطرناک است — عقل اینجا نه چست و چالاک است
عشق چوں شعلهٔ بلند کند — هستیِ ما برنگِ خاشاک است
تا جمالِ تو پرتوے افگند — روح رقصاں به قالبِ خاک است
چوں ستاره به فیضِ مقدمِ تو — ذرهٔ ما به اوجِ افلاک است
زاهدا چوں شوی تو محرمِ ما — سینهٔ تو ز کینه ناپاک است
پنجهٔ دیوانگی چو کرد دراز — در گریبانِ ما دو صد چاک است

خواہد از جاں بلند پروازے

بوعلی از دو کون غمناک است

ساقی گرفت جامِ مئے لالہ گوں بہ کف — مطرب ترانہ کرد برآہنگِ چنگ و دف

گر نشنویم نغمہ و ساغر نہ برکشیم — ما می کنیم عمرِ گرانمایہ را تلف

دوش از شکستِ توبہ پشیماں ہمی شدم — آمد ندائے ہاتفِ غیبی کہ لاتخف

رازِ نہاں ز پیرِ مغاں است در دلم — چوں گوہرے کہ سر نہ بروں آرد از صدف

جان و دل از برائے ہدف پیشت آوردم — تیرے اگر بہ غمزہ نشانی تو بر ہدف

باید ترا کہ تیغ بروں آر از نیام — ما عاشقاں ستادہ چو باشیم صف بہ صف

ایں لعبتانِ شوخ کہ باشند سنگ دل

رحمے نمی کنند بہ جان و دلِ شرف

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے — چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنودے

گر عشق نبودے بہ خدا کس نہ رسیدے — حسنِ ازلی پردہ ز رخ بر نہ کشودے

گر ساقیِ وحدت درِ مے خانہ کشادے — در دہر یکے عاقل و ہشیار نبودے

من مستِ خرابات نمازے کہ گزارم — در وے نہ قیامے نہ رکوعے نہ سجودے

اے بوعلی ایں ہر دو جہاں پاک بسوزی

آندم کہ برآری ز دلِ سوختہ دودے

امیر خسرو دہلوی

(۶۵۱ھ ـــــ ۷۲۵ھ)

"امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ در شعر مستثنیٰ است۔ قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ و ہمہ بہ کمال رسانیدہ تتبعِ خاقانی می کند۔ ہر چند در قصیدہ بہ وے نرسید، اما غزل را از وے گزرانیدہ۔ غزلہائے او بواسطۂ معنیٰ آشنائی کہ اربابِ عشق و محبت بحسبِ ذوق و وجدانِ خود آں را در می یابند مقبولِ ہمہ کس افتادہ است۔ خمسۂ نظامی را بہ از وے کسے در جواب نگفتہ۔ وورائے آں مثنویہا دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع"۔

(بہارستان جامیؒ)

دولتِ اسلامیۂ پاکستان و ہند

خوشا ہندوستان و رونقِ دیں! شریعت را کمالِ عزّ و تمکیں!

ز علم با عمل دہلی بخارا ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا

ز غزنیں تالبِ دریا دریں باب ہمہ اسلام بینی بر یکے آب

نزاں زہ دیدہ زاغانِ گرہ گیر — ہمہ در کیشِ احمد راست چوں تیر
نہ ترسائے کہ از ناترس کاری — نہد بر بندہ داغِ کردگاری
نہ از جنس جہود آں جنگ و جوریت — کہ از قرآں کند دعوے بہ توریت
نہ مغ کز طاعتِ آتش شود شاد — دزو با صد زباں آتش بہ فریاد
مسلمانانِ نعمانی روش خاص — زدل ہر چار آئیں را بہ اخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید — جماعت را و سنّت را بہ جاں صید

زہے خاکِ مسلماں خیزِ دیں جوئے
کہ ماہی نیز سنّی خیزد از جوئے

خطاب بہ سلطان علاء الدین خلجی

شہا، حکمت شناسا، کاردانا — ز داد و دانش اسکندر نشانا
نصیحت اینت اے شاہِ جہانگیر — کہ چوں گشتی بہ شاہی در جہاں میر
گرفتن سہل باشد ایں جہاں را — کلیدِ آں جہاں باید شہاں را
بہ ہمت آسماں را قلعہ کن باز — بہ ملکِ خشکی و تری مکن ناز
بکُن کارے ہمیں جا تا توانی — کہ آنجا ہم چو اینجا ملک رانی
مُسلّم بایدت گر پادشائی — ببایدکردن از دلہا گدائی

ہمیں راہے بہ ملکِ سرفرازی   رہِ جاں بخشی است و دل نوازی
مکن تیغِ سیاست را چناں تیز   کہ چوں آتش نداند کرد پرہیز
شہِ آں بہ کہ عمل چوں آب راند   کہ ہم جاں بخشد و ہم جاں ستاند
کسے کو ملکت را بد سگال است   بکُش کاں خونِ بیحرمت حلال است
بہ کارِ دیگراں بر شعلہ زن آب   خرد بیدار دار و تیغ در خواب
نہ برگِ گندنا شد آدمی زاد   کہ بُرّند و دگر خیزد ز بنیاد
چو نہ پسندی غبارے بر گُلِ خویش   خزاں در گلستانِ کس میندیش
چو پایت گیرد از برگِ گُل آزار   بہ رہ مپسند در پائے کساں خار
چو ہستندت ہمہ پائیں پرستاں   زبردستی مکن بر زیردستاں
رہت چوں رفت خلق از دیدہ در پیش   رہِ خود را تو روب از دیدۂ خویش
رعیت مایۂ بنیادِ مال است   زوالِ اسبابِ ملک آباد حال است
رعیت چوں خلل یابد ز بنیاد   کجا ماند بنائے دولت آباد؟
بہ دانش کارِ دیں کن تا توانی   چناں ناداں نہ کایں ہم ندانی
ازیں جا بر چراغے گر توانی   کہ تا آنجا بہ تاریکی نمانی
وگر شد رسمِ شاہاں جامِ گلگوں   بہ اندازہ، نہ از اندازہ بیروں
چو باشد خانہ را پاسباں مست   رساند دُزد خود را بادہ بر دست
چو تو شد پاسبانِ عالمے مے   خرابی چوں نگیرد عالم از وے؟

خرابی قصرِ سلطاں را ز آب است چه بد آبے کز و شیطاں خراب است

سرود و لهو هم باید به مقدار که چوں بسیار شد عکس آورد بار

نشاید تا بداں حد نغمه و نائے که پائے تخت هم برخیزد از جائے

نواهائے که در خوردِ سریر است صریرِ خامه و آوازِ تیر است

سماع از لحنِ داؤد یست بسیار بُوَد ملکِ سلیماں را زیاں کار

به دستِ شاه بِه شهبازِ دلکش که طفلاں را بُوَد با بُلبُلاں خوش

همه بازیست ایں در سرفرازی بُوَد سر بازی اندر ملک بازی

سرود ارچه غذائے جانِ پاک است چو جاں مستغرقِ آں شد هلاک است

شراب ارچه جسد را نوش دار وست نه آخر اصلِ سردرد و خمار اُوست؟

به صرفه هرچه برگیرند نغز است خورش بے صرفه جاں را پائے لغز است

به حکمت باده راحت بهر باشد به پرّی آبِ حیواں زهر باشد

بهر فن کت غُلو گشت است محکم عُلو یابی، کنی گر نقطه کم

شه آں را داں که گفت از جانِ آزاد به ترکِ بخل و خشم و لهو و بیداد

شهے کش چار ترکش در کُله نیست ببایدترکِ او گفتن که شه نیست

مشو مغرور از یں مشتِ خیالات که در پیشِ تو می آید به حالات

جهاں خوابیست پیشِ چشمِ بیدار به خوابے دل نه بندد مردِ هشیار

نمی گویم که ترکِ خسروی کن رهِ کم توشگاں را پیروی کن

توگے ایں پائے رہ پیمائے داری؟ — کہ زنجیرِ زر اندر پائے داری

ولیکن از تو درویشی ہمین است — کہ عزت داری آں را کاہلِ دین است

بہ دل اصحابِ دیں را آشنا باش — دروں درویش و بیروں پادشا باش

زپیرِ خود شنیدم قطبِ آفاق — کہ ثابت باد چوں دو قطبِ نہ طاق

کہ ہر کو والیِ ملکے شد از دور — ولی اللہ بُوَد گر خود کند جور

وگر عادل بُوَد از ظلم بے لوث — بُوَد قطبے بہ عہدِ خویش بل غوث

(منتخب از مثنوی دوَل رانی خضر خاں)

از ترکیب بند در مرثیہ خانِ شہید

مہر و مہ بر روئے آں فرخ لقا بگریستند — روز و شب بر سالِ آں اندک بقا بگریستند

ہمچو فرمانش بہ داں شد شرق تا غرب آبِ چشم — بندہ فرماناں کہ بے فرماں روا بگریستند

بسکہ اندر عہد او ماہی و مرغ آسودہ بود — ماہیاں در آب و مرغاں در ہوا بگریستند

آسمانہا با ہزاراں دیدہ بر اہلِ زمیں — ہمچو بارانِ بہاری بر گیا بگریستند

شبنمے کو آسماں ہر صبح میریزد بہ خاک — اشکِ انجم داں کہ از اوجِ سما بگریستند

خلقِ ملتاں مرد و زن مویہ کناں و موکناں — کو بہ کو و سو بہ سو و جا بہ جا بگریستند

از خروشِ گریہ و بانگِ دہل شب کس نخفت — بسکہ در ہر خانہ اہلِ عزا بگریستند

هم به آبِ چشمِ خود کردند ترتیبِ وضو
مغفرت جویاں که در وقتِ دعا بگریستند

دیده خوں افشاند بر گل چوں گلوئے کشتگاں
بسکه هر کس کشتگانِ خویش را بگریستند

شد زباں از ناله چوں پائے اسیراں آبله
بسکه از بهرِ اسیرانِ بلا بگریستند

ور ازاں بندِ بلا ناگه اسیرے باز گشت
روئے او دیدند هر کس بے بیا بگریستند

گریه چنداں شد که موجِ دیده از جیحوں گزشت
حالِ من ایں بود، حالِ دیگراں تا چوں گزشت

غزلیات

از دیوانِ اوّل (تحفة الصغر)

دلم در عاشقی آواره شد آواره تر بادا
تنم از بیدلی بیچاره شد بیچاره تر بادا

رُخت تازه است، بهرِ مُردنِ خود تازه تر خواهم
دلت خار است بهرِ کشتنِ من خاره تر بادا

گر اے زاهد دعائے خیر میگوئی مرا ایں گو
که آں آواره کوئے بتاں آواره تر بادا

دلِ من پاره گشت از غم نه زانگونه که به گردد
اگر جاناں بدیں شاد است یا رب پاره تر بادا

همه گویند کز خونخواریش خلقے به جاں آمد
من ایں گویم که بهرِ جانِ من خونخواره تر بادا

چو با تر دامنی خو کرد خسرو با دو چشمِ تر
به آبِ چشمِ مژگاں دامنش همواره تر بادا

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا | چون کنم دل به چنیں روز ز دلدار جدا
ابر باران و من و یار ستاده به وداع | من جدا گریه کناں، ابر جدا، یار جدا
سبزه نوخیز و هوا خرم و بستاں سرسبز | بلبلِ روئے سیه مانده ز گلزار جدا
نعمتِ دیده نخواهم که بماند پس ازیں | مانده چوں دیده ازاں نعمتِ دیدار جدا

حسنِ تو دیر نماند چو ز خسرو رفتی
گل بسے دیر نماند چو شد از خار جدا

بیار ساقی و جامِ شراب در گرداں | خراب کردهٔ خود را خراب تر گرداں
ز بهرِ دُرد کشاں آبگینه حاجت نیست | یکے سفالِ شکسته بیار و در گرداں
هنوز عقل ز تو دیر می‌دهد خبرم | لبالبم دو سه پیش آر و بے خبر گرداں
گراں حریفِ مرا بینی اے صبا جائے | خبر دهیش ازیں مستمندِ سرگرداں
به ترکِ صحبتِ دیرینه گفتنش هوس است | به فضلِ خویش خدایا دلش دگر گرداں

بماند خسرو و لب خشک ز آهِ گرم آخر
گہے بپرس به لطف و زبان تر گرداں

همی ریزی به بازی خونِ یاراں | چنیں باشد سزائے دوستداراں؟
منِ رسوا و هر سو خندهٔ خلق | چو مستے درمیانِ هوشیاراں
نگویم دردِ خود با کس که ایں راز | نگنجد در دلِ ناآستواراں
منم سر گشته زیرِ پائے خوباں | چو گوئے افتاده در پیشِ سواراں

چہ خوش می نالد اندر عشق خسرو
چو بلبل در قفس وقتِ بہاراں

از دیوانِ ثانی (وسط الحیوٰۃ)

سرے دارم کہ ساماں نیست او را — بہ دل دردے کہ درماں نیست او را
فرامش کرد عمرم روز را زانک — شبے دارم کہ پایاں نیست او را
مرا ملکے است اے سلطانِ خوباں — کہ جز دلہائے ویراں نیست او را
برائے انتظارم ہست چشمے — کہ خوابے ہم پریشاں نیست او را
گدایں مورِ خطِّ تست کز حسن — بہا ملکِ سلیماں نیست او را

ز خسرو گردِ ہیچ ار گشت ناچیز
خیالے ہست اگر جاں نیست او را

خبرم رسید امشب کہ نگار خواہی آمد — سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد
ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف — بہ امیدِ آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد
کششے کہ عشق دارد نگزاردت بدینساں — بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد
بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم — پس ازاں کہ من نمانم بہ چہ کار خواہی آمد

بہ یک آمدن ربودی دل و دین و جانِ خسرو
چہ شود اگر بدینساں دو سہ بار خواہی آمد

تن پیر گشت و آرزوے دل جواں ہنوز — دل خوں شد و حدیثِ بتاں بر زباں ہنوز

عمرم بہ آخر آمد و روزم بہ شب رسید — مستی و بت پرستیِ من ہمچناں ہنوز

عالم تمام پُر ز شہیدانِ فتنہ گشت — تُرکِ مرا خدنگِ بلا در کماں ہنوز

بیدار ماند شب ہمہ خلق از نفیرِ من — واں چشمِ نیم مست بخوابِ گراں ہنوز

ہردم کرشمہ ہائے وے افزوں و آنگہی
خسرو ز بندِ او بہ امیدِ اماں ہنوز

من ندیدم چوں تو ہرگز دلبرے — سرکشے، عاشق کشے، غارتگرے

از تو یک ناز و ز خوباں عالمے — از تو تیرے و ز دلہا لشکرے

در زمیں پنہاں نماند آفتاب — گر بر آئی بامداد از منظرے

من سرے دارم کہ در پایت کشم — گر تو در خوبی نداری ہمسرے

از کجا بر روزگارِ من فتاد — چوں تو سنگیں دِل بلائے کافرے

دست نہ بر سینہ ام تا بنگری — آتشے پوشیدہ در خاکسترے

ہر دو چشمم روز و شب در چار سو — تا مگر ناگہ در آئی از درے

من کہ از خود بر تو غیرت می برم — چوں توانم دیدنت با دیگرے

بسکہ گشت از چشمِ خسرو خوں رواں
گشتہ ہر مو بر تنِ من نشترے

ز من کہ عاشق و مستم صلاحِ کار مجوئے — خزانست در چمنِ عاشقاں، بہار مجوئے

دلم بہ صحبتِ مستان و شاہداں خو کرد — نشانِ تقویٰ ازیں رندِ بادہ خوار مجوے

چوں من ز خونِ دلِ سوختہ سیہ رویم — سیاہ رویٔ من زیں سیاہ کار مجوے

نہ روید از گلِ من جز گیاہِ بد نامی — گلِ سلامت ازیں خاکِ خاکسار مجوے

بجز فساد ز فاسق دگر عمل مطلب — بجز دعا ز مقامِ دگر شمار مجوے

دلا چو ہدیۂ جاں پیشکش نخواہی کرد — بہ آستانۂ سلطانِ عشق بار مجوے

چو خسرو از بتاں زینہار نتواں یافت
مجو رہائی ازاں بند و زینہار مجوے

از دیوانِ ثالث (غرۃ الکمال)

اے صبا باز بگوے کہ جاناں چون است — ایں گلِ تازہ و آں غنچۂ خنداں چون است

با کہ مے میخورد آں ظالم و در سرِ مے خوردن — آں رخِ پرخوے و آں زلفِ پریشاں چون است

روزہا شد کہ دلم رفت و در آں زلف بماند — یارب آں یوسفِ گم گشتہ بزنداں چون است

گلِ رعنائی و ناز است بہ مجلس بارے — حالِ آں بلبلِ بیچارہ بہ بستاں چون است

ہم بجانِ و سرِ جاناں کہ کم و بیش مگوے — گو ہمیں یک سخنِ راست کہ جاناں چون است

خشک سالی است دریں عہدِ وفا را اے اشک! — زاں حوالی کہ تو می آئی باراں چون است

پست شد خسروِ مسکیں بہ لگد کوبِ فراق
مور در خاک فرو رفت سلیماں چون است

خشمگیں یارِ مرا دل بہ رضا باز آمد ‏ ‏ ‏ گلِ بد عہد بہ بستانِ وفا باز آمد
آنکہ ہموارہ جفا بود و ستم عادتِ اُو ‏ ‏ ‏ کرد آہنگِ وفا و ز جفا باز آمد
بہ دعا پیشِ خود آوردمش اما عجب اینست ‏ ‏ ‏ در جہاں عمرِ کسے گے بہ دعا باز آمد
آں ہمہ مستی و شوخی و بلا انگیزی ‏ ‏ ‏ باز بر جانِ منِ سوختہ را باز آمد
چند گاہے دلم از فتنہ اماں یافتہ بود ‏ ‏ ‏ دَہ کہ ایں دردِ دلِ رفتہ کجا باز آمد

خسروا تن بہ قضا دِہ کہ ہوا ہائے کہن
تازہ شد از سر دا ایامِ بلا باز آمد

دو چشمت کہ تیرِ بلا می زند ‏ ‏ ‏ چنیں تیرِ بہرِ چرا می زند
کماں جانبِ دیگرے می کشد ‏ ‏ ‏ و لے تیر بر جانِ ما می زند
زہے غمزہ کز شوخی و چابکی ‏ ‏ ‏ کجا می نماید کجا می زند
دو زلفِ تو از پشتیِ روئے تو ‏ ‏ ‏ شبِ تیرہ را از قفا می زند
بہ ہنگامِ رفتارِ بالائے تو ‏ ‏ ‏ تگِ کبک را زاغ پا می زند
چو بوئے ترا در چمن می برد ‏ ‏ ‏ نسیمِ بہار از صبا می زند
نوا می زند بلبل از راہِ عشق ‏ ‏ ‏ و لے راہِ ایں بے نوا می زند

مریز آب خسرو ہمیں غم بس است
کہ آتش دریں مبتلا می زند

جاں ز تن بردی و در جانی ہنوز ‏ ‏ ‏ دردہا دادی و درمانی ہنوز

آشکارا سینه ام بشگافتی | همچناں در سینہ پنہانی ہنوز
ملکِ دل کردی خراب از تیغِ ناز | واندریں ویرانہ سلطانی ہنوز
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ | نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
خونِ کس یارب نگیرد دامنت | گرچہ در خوں ناپشیمانی ہنوز
من زگریہ چوں نمک بگداختم | تو زخندہ شکرستانی ہنوز
جان زبندِ کالبد آزاد گشت | دل بہ گیسوئے تو زندانی ہنوز

پیری و شاہد پرستی ناخوش است
خسروا تاکے پریشانی ہنوز

ردائے صبا و سلامم بہ دلنواز رساں | نیازِ بندہ بہ آں شوخِ عشوہ ساز رساں
بمردم ونکشادم غمش، چو جاں بدہم | ببر حکایت و بر محرمانِ راز رساں
بہ جانِ کاستہ افسانۂ فراق بگوئے | بہ شمعِ سوختہ پروانہ را گداز رساں
کجائی اے کہ دلت بر ہلاکِ ما خوش بود؟ | بیا و مژدہ بہ آں لعلِ دلنواز رساں
دلم ببردی و ترسم کہ وردِ آں رسدت | دلم بہ زلف نگہدار و درد باز رساں
حریف می طلبد نرگسِ مقامرِ تو | خبر بہ حلقۂ مردانِ پاکباز رساں

ہمہ بہ کمترے نتواں فروخت یر خسرو
شکستہ را قدرے مرہمِ نیاز رساں

از دیوان چہارم (بقیہ نقیہ)

مرا سر در ہوائے نازنینے است | کز و تاراج شد ہر جا کہ دینے است
نخواہد رفت مِہرش از دلِ من | اگر چہ با منش ہر لحظہ کینے است
پریشاں حالت است از یادِ زلفش | بہ گیتی ہر کجا خلوت نشینے است
تنِ من خاکِ رہ شد، رنجہ کن پائے | ترا ہم زیرِ پا آخر زمینے است

بہ کینم گو مکش خنجر کہ ہر دم
غمش را در دلِ خسرو کمینے است

عاشق شدم و محرمِ ایں کار ندارم | فریاد کہ غم دارم و غمخوار ندارم
آں عیش، کہ یاری دہدم صبر، ندیدم | واں بخت، کہ پرسش کندم یار ندارم
بسیار شدم عاشقِ دیوانہ ازیں پیش | آں صبر کہ ہر بار بُد ایں بار ندارم
دل پُر ز غم و غصۂ ہجر ست ولیکن | از تنگدلی طاقتِ گفتار ندارم
چوں راز بروں نفتدم از پردہ کہ ہر چند | گویند مرا گریہ نگہ دار، ندارم
از کورئِ چشمم غمِ نادیدنِ یار است | ورنہ غمِ ایں چشمِ گنہگار ندارم

خوں شد دلِ خسرو ز نگہداشتنِ راز
چوں ہیچ کسے محرمِ اسرار ندارم

اے میرِ ہمہ شکّر فروشاں | تو بہ شکنِ صلاح کوشاں
عشاق ز دستِ چوں تو ساقی | خونابہ بجائے بادہ نوشاں

در کاوشِ کُنہِ خوبیِ تو کُند است خیالِ تیز ہوشاں
یک خرقہ غمت درست نگذاشت در صومعۂ کبود پوشاں
از پردہ چو گُل دمے بروں آئے بادِ ہمہ نیکواں فروشاں
بیدار نگشت آں گلِ مست از نالۂ بُلبلِ خروشاں

از تو سخنے بہ ہر ولایت
خسرو بہ ولایتِ خموشاں

کج کلہا ستمگرا تنگ قبائے کیستی لا بہ گرا دلبرا عشوہ نمائے کیستی
زیرِ کلاہ جعدِ تر، تا کمرت کشیدہ سر بستہ بہ چابکی کمر چست قبائے کیستی
مرکبِ ناز کردہ زیں، دادہ بغمزہ تیغِ کیں ساختہ آمدہ چنیں تا ز برائے کیستی
سینۂ بندہ جائے تو، دیدہ بزیرِ پائے تو ما ہمہ در ہوائے تو، تو بہوائے کیستی
تا رخِ خود نمودۂ جاں ز تنم ربودۂ آتشِ من فزودۂ مہر فزائے کیستی

خسروِ خستہ را سخن بستہ شد از تو در دہن
طوطیِ شکّرینِ من نغمہ سرائے کیستی

سلام و خدمتِ ما اے صبا بہ یار بگوئے فغان و زاریِ بلبل بہ نوبہار بگوئے
برفت قوّتِ عقل و نماند طاقتِ صبر بگوئے حالِ من او را و زینہار بگوئے
زخونِ دیدہ ہمہ دستِ من نگار گرفت مگر کہ دست بگیرد مرا نگار بگوئے
ہزار جور کشیدم ز غم کہ نتواں گفت یکے اگر بتوانی از آں ہزار بگوئے

اگر ز بندہ فراموش کرد، یادش دِہ   وزیں دو سہ سخن از وجہ یادگار بگوئے

حدیثِ چشم ز دریا مگوئے وزیں بگزر

چوزیں گزشت حدیثِ لب وکنار بگوئے

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری

ہر چند وصفت می کنم در حسنِ ازاں زیبا تری

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رُویت خوب تر

شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پَری

آفاقہا گردیدہ ام مِہرِ بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

عالم ہمہ یغمائے تو خلقے ہمہ شیدائے تو

آں نرگسِ شہلائے تو آوردہ رسمِ کافری

تو از پری چابک تری؛ وز برگِ گل نازک تری

وز ہر چہ گویم بہتری؛ حقا عجائب دلبری

اے راحت و آرامِ جاں با قدِّ چوں سروِ رواں

زینساں مَرو دامن کشاں کارامِ جانم می بری

عزمِ تماشا کردۂ آہنگِ صحرا کردۂ

جان و دلِ ما بُردۂ اینست رسمِ دلبری؟

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما
باشد کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

غزلیات متفرقہ

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنّار نیست

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب!
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

شاد باش اے دل کہ فردا بر سرِ بازارِ عشق
مژدۂ قتل است گرچہ وعدۂ دیدار نیست

ناخدا در کشتیِ ما گر نباشد گو مباش!
ما خدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم باخلق ما را کار نیست

نہ میدانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہ ہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم

پری پیکر نگارے، سرو قدے، لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم

رقیباں گوش برآواز، او در ناز و من ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

مرا از آتشِ عشقِ تو دامن سوخت اے خسرو
محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

بہ خوبی ہمچو مہ تابندہ باشی
بہ ملکِ دلبری پایندہ باشی

منِ درویش را کشتی بہ غمزہ
کرم کردی الٰہی زندہ باشی

جفا کم کن کہ فردا روزِ محشر
بہ روئے عاشقاں شرمندہ باشی

ز قیدِ دو جہاں آزاد باشم
اگر تو ہم نشینِ بندہ باشی

جہاں سوزی اگر در غمزہ آئی
شکر ریزی اگر در خندہ باشی

بہ رندی و بہ شوخی ہمچو خسرو
ہزاراں خان و ماں برکندہ باشی

یادِ ایّام

رباعی

یاد آیدت آں مہر و وفا داریہا
واں در حقِ من بہ لطف غمخواریہا
اکنوں بہ تصوّرِ چناں یاریہا
مائیم و شبِ دراز و بیداریہا

رباعی

آنجا کہ مقامِ یارِ زیبا بودہ است
امروز ازاں سُو گزرِ ما بودہ است
می رفت ز دیدہ خوں، چوں می آمد یاد
کاں سروِ خرامانِ من اینجا بودہ است

غزلیات

بسے شب با تُہے بودم کجا رفت آں ہمہ شبہا
کنوں ہم ہست شب لیکن سیہ از دُودِ یاربہا

خوش آں شبہا کہ بادے بودے، گہ مست و گہ سرخوش

جہاں بر من شود تاریک چوں یاد آرم آں شبہا

ہمی کردم حدیثِ ابرو و مژگانِ او ہردم

چو طفلاں سورۂ نوں والقلم خواناں بہ مکتبہا

چہ باشد گر گہے پرسد کہ در شبہائے بے پایاں

غریبے زیرِ دیوارش چگونہ می کشد تبہا

مرنج از بہرِ جانے خسروا گر می کشد یارت

کہ باشد خوبرویاں را بسے زیں گونہ مذہبہا

یاراں کہ بودہ اند، ندانم کجا شدند
یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

گر نوبہار آید و پرسد ز دوستاں
گوا اے صبا کہ آں ہمہ گلہا گیا شدند

اے گل چو آمدی ز زمیں، گو چگونہ اند؟
آں روئے ہا کہ در تہِ گردِ فنا شدند

آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند
اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند

بازیچہ ایست طفل فریب ایں متاعِ دہر
بے عقل مرداں کہ بدیں مبتلا شدند

خسروا گریز کن کہ وفا رفت زیں جہاں

ز اہلِ جہاں کہ ہمچو جہاں، بیوفا شدند

من و شبہا و یادِ آں سیہ گوئے کہ من دانم

دلم رفت است و جاں ہم می رود سوئے کہ من دانم

صبا بوہائے خوش می آرد از ہر بوستاں، لیکن
کہ خواہد زیست، چوں می نارد آں بوئے کہ من دانم

چہ پیچم بر درازیہا شب ہمت چو میدانم
کہ ہست ایں پیچشِ خسرو زگیسوئے کہ من دانم

اے خوش آں شبہا کہ من در دیدہ خوابے داشتم
گہ چراغِ روشن و گہ ماہتابے داشتم
از شبِ تاریکِ من بگریز اے صبحِ امید
زانکہ من ہم روزے آخر آفتابے داشتم
بارہا یاد آورم در خواب آں بیہوشیم
آنکہ وقتے با خیالِ دوست خوابے داشتم

دریغ صحبتِ دیرینۂ وفاداراں — خوش آں نشاطِ تنعّم کہ بود با یاراں
چو از شگفتنِ نوروز عیش یاد کنم — بچشمِ من گل اگر بالیستد در وباراں
چو دوستانِ وفادار رخت بربستند — جہاں چگونہ تواں دید بے وفاداراں
فراق کردہ دلِ ما فگار و مرہم نے — بہ حقّۂ فلک از بہرِ ایں دل افگاراں

خوش آں شبہا کہ آں جانِ جہاں جہانِ من بودے
جراحتہا کہ او کردے لبش درمانِ من بودے

گدائی میکنم از وقتِ خوشش را از درِ دلہا
کہ آں گنجِ رواں در خانۂ ویرانِ من بودے

نہ میگردد فراموش از دلم پائے نگارینش
کہ جائیش گہ گہے بر دیدۂ گریانِ من بودے

مرا گویند برجا دار دل کایامِ عیش ست ایں
گزشت آں کایں دلِ دیوانہ در فرمانِ من بودے

دلِ رفتہ نیاید باز، رہ تا کے تواں رفتن
رہا کن خسروا باز آمدے گر زانِ من بودے

حسن دہلوی

(۶۵۲ھ — ۷۳۷ھ)

غزلیات

مرا از زلفِ تو موئے بسنداست　　فضولی می کنم بوئے بسنداست

چو لشکر می کشی بر قلبِ عشاق — صفِ مغلوب را ہوئے بسنداست
من از روئے سلامت را نہ بینم — سلامے از نکو روئے بسنداست
حسن گر طالب حبل المتینی — ز خوباں تارِ گیسوئے بسنداست
وگر محراب خواہی بہرِ طاعت — از ایشاں طاقِ ابروئے بسنداست

کو دیدہ کز فراقِ رخِ تو پُر آب نیست — کو دل کہ از کشاکشِ عشقت خراب نیست
روزم تو بر فروز و شبم را تو نور بخش ! — کایں کارِ تست کارِ مہ و آفتاب نیست
اے محتسب تو خیمہ بہ خمار خانہ زن — بگزر ز ما کہ مستیِ ما از شراب نیست
گفتی ترا چہ سوز و چہ شورست در سماع — ایں زاں سوالہاست کہ آں را جواب نیست

ہر دُر کہ در خزانۂ دل داری اے حسن
آں را بہ سلکِ کلک کشیدن صواب نیست

ما قصہ نوشتیم بہ سلطاں کہ رساند؟ — جاں ساختہ کردیم بہ جاناں کہ رساند؟
مرغانِ غریبیم اسیرِ قفسِ ہجر — مارا ز قفس باز بہ بستاں کہ رساند؟
حالِ منِ مسکیں بہ دل آرام کہ گوید؟ — دردِ دلِ موراں بہ سلیماں کہ رساند؟
بوئے سرِ آں زلف دریں کلبہ کہ آرد؟ — پیراہنِ یوسف سوئے کنعاں کہ رساند؟
گیرم چو سکندر رہ ہمہ جا میرسدم دست — پایم بہ سرِ چشمۂ حیواں کہ رساند؟

جاں می طلبد یارِ حسنؔ منتظرِ آنک
این مژدۂ جاں بخش بہ جاناں کہ رساند؟

ساقیا مے دِہ کہ ابرے خاست از خاور سفید | سرو را سر سبز شد صد برگ را چادر سفید
بادہ در جامِ بلوریں دِہ مرا گر میدہی | نغز می آید شرابِ لعل را ساغر سفید

اے حسنؔ اغیار را ہرگز نہ بینی راست طبع
راست است این زاغ را ہرگز ندیدہ پر سفید

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے | ما قبلہ راست کردیم بر سمتِ کج کلاہے
خیز اے خطیب برخواں ہر خطبۂ کہ داری | رویش نگر چہ عیدے، ابرو نماز گاہے
گر سرو و مہ ندیدی بایک دگر موافق | بالاش بیں چو سروے بالائے سر ماہے
یا آنکہ کرد توبہ فسق از دلم فراموش | ہر گہ لبش بہ بینم یاد آیدم گناہے
بندے اگر کشاید از زلفِ ظالمِ او | از ہر خمے برآید فریادِ داد خواہے
یارب نگاہ داری چشم و چراغِ ما را | گرچہ نکرد ہرگز در حالِ ما نگاہے

عقلِ حسنؔ چہ باشد اندر حضورِ عشقت
طفلِ جہاں ندیدہ در پیشِ بادشاہے!

ببرد از من روانِ من روانے | بتے شوخے لطیفے دلستانے
مہے مہرے گلے مشکے عبیرے | خوشے خوبے حبیبے مہربانے
حریفے دلبرے شنگے دلیرے | ظریفے نازکے تیرے کمانے

طبیبے واردئے دردے بلائے | قضائے محنتے رنجے قرانے
کمندے نادکے تیرے خدنگے | امیرے بادشاہے پہلوانے
شریفے شاہدے خمرے خمارے | لطیفے سرکشے جانے جہانے

حسن مداح اد گشتی' ازاں شد
زبانت در سخن گوہر فشانے

نہ دردِ دلم را دوا می کنی | نہ بر گفتۂ خود وفا می کنی
نہ یک شب بہ حالم نظر می کنی | نہ فکرے ز روزِ جزا می کنی
نہ کامِ دلم یک نفس می دہی | نہ از قیدِ جورم رہا می کنی
چرا زخم بر دوستاں می زنی | چرا کامِ دشمن روا می کنی
بہ خونِ غریباں کمر بستۂ | مکن جاں مکن جاں خطا می کنی
فغانے برآرم ز جورِ تو من | بگویم کہ با من چہا می کنی
ترا در جہاں نیست عیبے جز ایں | کہ بیداد بر آشنا می کنی

در مدح سلطان علاء الدین غازی

ز فتحِ شاہ، عالم را بہار است | بہارِ او فتوحِ روزگار است
نہالِ ملکِ او زانست تازہ | کہ آں پروردۂ پروردگار است
دریں حضرت ز نو نو غنچۂ فتح | ہمہ ایام گوئی نوبہار است

گلِ نصرت کہ رست از سبزۂ تیغ ز سرسبزیِ بختِ شہریار است
شہنشاہے کہ دائم طالعِ او بہر عزمے کہ خواہد اختیار است
علاءالدین والدنیا کہ از وے بنائے دین و دنیا استوار است
محمد شاہِ بحر و بر کہ اسلام ز تیغِ بیقرارش برقرار است
بحمداللہ کہ از بارانِ عدلش نوائے ملک و دولت برقرار است
نثارِ فتح بر رایاتِ شہ باد کہ فتحش دین و ملت را مدار است
دعایش خواستم گفتن چہ گویم کہ عمرش چوں عطایش بیشمار است

حسن زیں بادشاہِ بندہ پرور
چو دیگر بندگاں امیدوار است

ضیا نخشبی بدایونی

(وفات ۷۵۱ھ)

مدحِ رسول

پیامے دارم و بس خوش پیامے کہ خواہد برد از ما یک سلامے
بہ سوئے روضۂ پاکِ رسولے کہ بے او عرش را نبود قبولے

بہ مدحِ محمدت محمودِ عالم | محمدؐ آں کہ شد مقصودِ عالم
جہاں را راہِ حق بنمودۂ او | مکان و لامکاں پیمودۂ او
سرودش از غاشیہ دارانِ آں در | رواقِ بے ستوں ایوانِ آں در
سوادِ انسی و جانی گرفتہ | بہ تیغِ خضر سلطانی گرفتہ
کشادہ کارہائے پیچ در پیچ | بہ چشمِ ہمتش عالم ہمہ ہیچ
بہ پیشِ شیرِ شرزہ میش پیشہ | دو عالم را شہِ درویش پیشہ

ضیائے نخشبی باشد غلامش
جہاں زد سکّۂ شاہی بہ نامش

فرد

لالہ یک داغ بہ دل دارد و عالم داند | من کہ صد داغ بہ دل دارم و کس محرم نیست!

رباعی

دریں دوراں کہ دورِ بیوفائی است | مرا با بیوفائے آشنائی است
اگر گویم ببیں در من، بگوید | ضیائے نخشبی ایں خودنمائی است

روشِ روزگار

چه دور است این که در وے مردمی نیست — جفائے ہمدماں را خود کمی نیست

نماند است از وفا بوئے به مردم — میانِ مردماں شد مردمی گم

به عالم ہر کرا بینش آزمائی — نه بینی اندرو جز بیوفائی

جہاں تا بود، ہمچوں بود یا خود — بوقتے این چنیں یکبار بد شد

نه از جورِ زماں کس را امانے — نه از انصاف در عالم نشانے

فلک نامہرباں و چرخ بدرائے — چگونه جاں تواں بردن ازیں جائے

گہے باشد که این گردنده اجرام — شوند از تندی و از توسنی رام

قبائے چرخ پاره پاره گردد — فلک در معرضِ نظّاره گردد

نه کس گیرد مه و خورشید را نام — نه کارے آید از شمشیرِ بہرام

برافتد شوم کیواں از میانه — شرف از مشتری دارد کرانه

عطارد را شود اوراق پاره — دفِ زہره بماند از ہزاره

پدید آید ہمه سود و زیانہا — به شکلِ نامه پیچد آسمانہا

بگیرند از طبائع طبعہا باز — جہانے بِہ ازیں نہند آغاز!

نظم

نسیمِ یار می آید ازیں سو — مرا سرمست خواہد کرد ایں بو
چہ بوداست ایں کہ ہوشم برد یک پے — چہ جام است ایں کہ مستم کرد بے مے
کدامی باغ را باشد چنیں گُل ؟ — کدامی جام را باشد چنیں مُل ؟
مگر آہوئے مشکیں نافہ بکشاد — دگرنہ ایں چنیں بو از کجا داد ؟
مگر ہر سو سمن زار است امروز — کہ عالم را چنیں بینم چو نوروز
مگر بدریدہ اند از نافہ ہا پوست — کہ ہر سوئے چو زلفِ یار خوشبوست
مگر ایں باغ نیست ایں خود بہشت است — کہ بس یکبارگی عنبر سرشت است
مگر بردند از دنیا ہمہ غم — کہ عالم ذوقِ دیگر دارد ایں دم
مگر روئے زمیں شد آسمانے — کہ از بیداد نیست اینجا نشانے
مگر بادِ صبا فرّاشِ باغ است — کہ ما را بوئے جاناں در دماغ است
دلم ایں بوئے دلکش می شناسد — خوش آمد، خوش، قوی خوش می شناسد
چمن رنگِ رخِ دلدار دارد — جہاں امروز بوئے یار دارد
بیا، خوش آمدی، وقتے تو خوش باد! — عجب آمد ترا از دوستاں یاد!

نظم

زہے وقتے و خرّم روزگارے — کہ یارے برخورد از وصلِ یارے

دلے پُر حسرت و سینہ پُر از شوق — زہے ذوق و زہے ذوق و زہے ذوق

امیدم آنکہ ایں دم یار آید — درختِ وصلِ او در بار آید

ز سر بیروں برد سودائے عاشق — زہے اندیشۂ شبہائے عاشق

چہ خوش روزیست روزِ وصلِ یاراں — چو ابرے کو ببارد در بہاراں

دو دلدارِ موافق روئے بر روئے — گہے بوسہ بہ یادِ گاہ بر روئے

گہے از غمزہ دلہا می ربایند — گہے از خندہ جانہا می فزایند

مرا باید کہ باشد یار در بر — نہ دل در دست نے دلدار در بر

مظہر

(۱۱۱۱ھ — ۱۱۹۵ھ)

از مرثیہ حضرت چراغ دہلی قدّس سرّہٗ

زدودِ محنتِ ایں نہ سپہرِ زنگاری — کدام دل کہ نہ خوں گشت از جگر خواری

کجا به جامِ طرب مجلسے بنا کردند | که از سپهر نبارید سنگِ قهاری
وفا ز عالمِ فانی مجو که مشهوراند | فلک بخیره کشی اختراں به غداری
خزینه ایست سپهر از نفوسِ انسانی | دفینه ایست زمیں از بتانِ فرخاری
ز دستِ چرخ ندانم کجا کنم فریاد | که برگزشت به ما جورِ اُو ز بسیاری

جهاں به ماتمِ خواجه نصیر دیں محمود
هزار گونه فغاں کرد و نوحه و زاری

قصیده

شبانگاه کز قصرِ نیلوفری | شد اندر شبستاں شهِ خاوری
برآمد کواکب ز چرخِ بلند | چو اصنامِ بت خانهٔ آزری
من اندر سرِ سطحِ بامِ بلند | که بود اندر و غرفهٔ ششدری
حکیمانه خلوت گہے داشتم | چو فردوس ز اندوهِ دنیا بری
به پیشم یکے نخل از شمعِ موم | که آتش در وی فزودے تری
به کف بر یکے کلکِ گوهر فشاں | چو ماهِ نو از زردی و لاغری
کتابے ز هر فن به نزدیکِ من | نهاده چو گنجینهٔ گوهری
ز طبّ و ز تاریخہا واقدی | ز اخلاق و تهذیبِ آں ناصری
ز عرفاں عوارف ز وجداں فصوص | ز وعظ و نصائحُ کتابِ سری

که ناگه درآمد به ایوانِ من　　بُتِ من به صد شوخی و دلبری
برآورده جدا ز رعونت به دوش　　عرق کرده رُو از مئے عسکری
دو رخسارِ اُو چوں مه و آفتاب　　دو چشمانش چوں زهره و مشتری
جبینے فروزاں چو ایمانِ پاک　　سیه رنگ زلفینش چوں کافری
دوائے دلِ عاشقاں ساخته　　گلابِ لعابِ لبِ شکّری
به شکلے در دل آمد از گردِ راه　　که بربود از من همه صابری
چو برخاستم تا به عادت کَشم　　در آغوش آں قامتِ عرعری
برآشفت و برزد برابرو گره　　کشاده زباں در ملامت گری
که اے یارِ بد عهد برگشته روز　　ندانم که تا در چه کار اندری
گرفتم که در دانش و فضل و رائے　　ز ابنائے آفاق سر دفتری
بدینگونه عزلت که خو کردهٔ　　نه پندارم از علمِ خود برخوری
ترا خویش و فرزند و خیل و تبار　　فزوں از هزار اند گر بشمری
بگردد میسّر اگر گوشهٔ　　نشینی به تنها بدیں برتری!
ترا خدمتے بهتر از شعر نیست　　که از فرطِ خوبی و خوش منظری
چو گوگردِ سرخ است و یاقوتِ زرد　　سوادِ سخنهاست در نادری

هم امروز بنشیں و شعرے نویس
چو نوشیں لبِ لعبتِ کشمری

شاعر

سیاحِ جہانیم و سوارانِ مجرّد — داعیِ عزیزاں بہ مقامے و حریمے
از رخت نداریم نہ جلبے نہ متاعے — در نقد نداریم نہ زرّے و نہ سیمے
ہر جا کہ در آییم نہ طمعے و نہ حرصے — وانجا کہ برآییم نہ ترسے و نہ بیمے
از مِلکِ جہاں آنچہ مرا ہست تمامے — مائیم و کتابے و عصائے و گلیمے

سوگند تواں خورد کہ در دل طلبے نیست
اِلّا طلبِ علم کہ فضل است جسیمے

ترانۂ عید

روزِ عید است جشنِ بار کنید — نخل بندید و گل نثار کنید
مطربان را برید سوئے یمیں — طرفِ شاہداں یسار کنید
مجمر و ساغر و صراحی را — ہمہ در پیش در قطار کنید
یک دم از خُمِ ہزار مے نوشید — یک دل از خرّمی ہزار کنید
در بخواہید خوش دلی ہمہ عمر — اندرِ عشق اختیار کنید

اے کہ عاشق نہ اید حیرانم!
کہ شما در جہاں چہ کار کنید؟

غزلیات

کارم از دست رفت، سامان چیست؟ — دردم از حد گذشت، درمان چیست؟
طشتِ بدنامیم ز بام افتاد — راز در دل ہنوز پنہان چیست؟
محتسب کشت و کس نمی پرسد — کہ بگو جرمِ ایں مسلماں چیست؟
از من آں شوخ را بگو اے دوست! — کایں ہمہ کینہ با محبّاں چیست؟
گہ زنی نیش و گہ دہی نوشم — اگر ایں لطف می کنی، آں چیست؟

راحت از روزگار نتواں یافت — خرّمی زیں دیار نتواں یافت
حشمت و جاہ و امن و آسائش — اندریں روزگار نتواں یافت
مہد بر پشتِ مور نتواں بست — شہد در کامِ مار نتواں یافت
اے طلبگارِ وصل، روزِ وصال — بے شبِ انتظار نتواں یافت
خاطر آسودہ کن کہ یک شادی — بے غمِ بے شمار نتواں یافت
ہیچ مُل بے خمار نتواں خورد — ہیچ گل بے زخار نتواں یافت
تا نسوزی وجود از محنت! — بوئے مشکِ تتار نتواں یافت
روشن است ایں کہ آبِ حیواں را — بے بیابانِ تار نتواں یافت
تا نہ بینی بلائے بے آبی — لذّت از جویبار نتواں یافت

پرِ سیمرغ و بیضۂ اکسیر — بتواں یافت، یار نتواں یافت

صبح چوں بنمود رخ شادی ز سر باید گرفت — مجلسے نو دیگر و بزمِ دگر باید گرفت
ساغرے از حوضِ کوثر صاف تر باید کشید — دلبرے از حورِ عیں پاکیزہ تر باید گرفت
از لبِ شیرینِ شاہد، نُقلِ تر باید چشید — وز کفِ سیمینِ ساقی جامِ زر باید گرفت
عرصۂ بزمِ صبوح از صبح دم تا چاشت گاہ — گر زیادت نیست بارے ایں قدر باید گرفت
بلبلے کز صبح مستاں را بشارت می دہد — ہم بریں شادی دہانش در شکر باید گرفت
قطرۂ کز جامِ مے بر خاکِ مجلس می چکد — نے بدست و آستیں کز دیدہ بر باید گرفت
جرمِ مستاں را بہ ہشیاری بدر باید شمرد — عیبِ یاراں را ز دلداری ہنر باید گرفت
اندہِ دنیا چو پایانے ندارد از قیاس — کارہا کوتاہ و غمہا مختصر باید گرفت
گر گلے بے خار خواہی و شرابِ بے خمار — بادہ بر یادِ امیرِ نامور باید گرفت

صبح شد سر ز خواب برگیرید — دَورِ جامِ شراب برگیرید
مجلس از خلد خوب تر سازید — ساقی از حور خوب تر گیرید
وز کفِ ساقیانِ سیمیں ساق — لعلِ نوشیں بہ جامِ زر گیرید
مطرباں در سماع بنشانید — شاہداں را بہ رقص برگیرید
اے عزیزاں غنیمت است لقا — ذوقِ دیدارِ یکدگر گیرید

دوستاں در عزیمتِ سفرند — یک زماں لذتِ نظر گیرید
غمِ دنیا درازیٔ دارد — ہرچہ گیرید مختصر گیرید

طلبِ وصلِ یار باید کرد — وز دو عالم کنار باید کرد
اے کہ آسائشے ہمی طلبی — زحمتِ اختیار باید کرد
گنج خواہی ز رنج ناچار است — صید خواہی شکار باید کرد
ہرچہ یابی ز اندک و بسیار — ہم بداں اختصار باید کرد
کارہا چوں بہ وقت موقوف است — وقت را انتظار باید کرد
ہیچ ازیں گفتگوئے نکشاید — اصل کار است کار باید کرد

سبزۂ دلکشائے می خواہم — گلشنِ جانفزائے می خواہم
ساقیِ دلنواز می طلبم — ساغرے غم زدائے می خواہم
مجلسے خاص و مطربِ خوش گو — با بُتے دل ربائے می خواہم
گاہے از ہجرِ دوستاں کردن — گریۂ ہائے ہائے می خواہم
در جہاں ہر کجا بُتے بینم — سر نہادن زپائے می خواہم
دل بہ من دِہ کہ بہرِ جاں دادن — زیرِ پائے تو جائے می خواہم

عاشقانیم و زر نمی خواهیم — بے دلانیم سر نمی خواهیم
ما سپاه و علم نمی طلبیم — ما کلاه و کمر نمی خواهیم
گر دو عالم بیاوری گویم — کاسے برادر ببر، نمی خواهیم
ما همه جامِ تلخ می نوشیم — همچو طفلاں شکر نمی خواهیم
خانهٔ جز به کوئے بدنامی — اندریں ره گزر نمی خواهیم

ما دل ز راه و رسمِ جہاں برگرفته ایم — ما رسمِ ترک و راهِ قلندر گرفته ایم
آئین و نام و ننگ به یک سو نهاده ایم — اوصاف و مدح و قدح برابر گرفته ایم
هر جرعهٔ که ریخته خوباں بروئے خاک — ما از زمیں بچشم و دهاں برگرفته ایم
حشمت ز ما مجوئے که رفته است موئے سر — از بس سبوئے باده که بر سر گرفته ایم

گل چه حد بیوفاست می بینی؟ — مرغ چوں مبتلاست می بینی؟
در دلِ صبح و سینهٔ ساغر — ایں چه صدق و صفاست می بینی؟
خاک زر می شود ز جرعهٔ مے — مے اگر کیمیاست می بینی؟
بر سرِ او چهاست می نگری؟ — در دلِ من چهاست می بینی؟
زلفِ یار و درازیِ شبِ من — از کجا تا کجاست می بینی؟
جورِ چرخ و جفائے او گوئی — همه بر جانِ ماست می بینی؟

مسعود بک

(وفات ۸۰۰ھ)

غزلیات

دل خوں نشدے چشمِ تو خنجر نشدے گر | رہ گم نشدے زلفِ تو ابتر نشدے گر
از قبلۂ عالم ایں دلِ گمراہ نگشتے | محرابِ دو ابروئے تو رہبر نشدے گر
رندانِ خرابات بہ مے خانہ نرفتے | از خاکِ شہیدانِ تو ساغر نشدے گر
از نقشِ جہاں لوحِ ضمیرم نشدے پاک | نقشِ تو دریں دیدہ مصور نشدے گر
در چاہِ زنخ خضر چو یوسف نفتادے | حاصل ز چہش چشمۂ دیگر نشدے گر
ایماں ہمہ را تازہ ز رخسار نگشتے | کفرِ سرِ زلفِ تو بجاں در نشدے گر
در معرکۂ عشق شہیدم کہ بخواندے؟ | از خونِ شہیدانت زمیں تر نشدے گر
در جنتِ فردوس کسے پا ننہادے | از چاہِ زنخدانِ تو کوثر نشدے گر

مسعود بک از بادہ چنیں مست نگشتے
آں لعلِ دلآویزِ تو ساغر نشدے گر

گہ چو سروِ سبز سر افراختیم | گہ چو شمعِ موم تن بگداختیم
گہ میانِ عاقلاں کردیم گشت | گہ میانِ بیخوداں جا ساختیم

بر براقِ وحدت اندر لامکاں — بر نشستیم و بہ ہر سو تاختیم
از خودی جستیم، بیخود آمدیم — ہستی اندر نیستی در باختیم
از مکان و کون افشاندیم دست — سر بکوئے لامکاں افراختیم
از حجابِ جاں چو بیروں آمدیم — دوست را از خویشتن بشناختیم
بس وجودِ خویشتن کردیم گم — با وجودِ او بکلّی ساختیم

از برائے چشمِ بد مسعود را
بر سرِ دارِ ملامت آختیم

خویش را در کوئے مستاں بردہ ام — در میانِ بیخوداں جا کردہ ام
دامن از کون و مکاں برچیدہ ام — دست از جان و جہاں افشردہ ام
پائے برتر از مکاں بنہادہ ام — سر زکوئے لامکاں برکردہ ام
غنچۂ دل را بہ آبِ ذکرِ دوست — در میانِ باغِ جاں پروردہ ام
در قیامت ہم نہ گردم ہوشیار — زاں مئے کز دستِ جاناں خوردہ ام
کردہ ام جاں را فدائے پائے دوست — دوست را بس جائے جاں آوردہ ام
خلق گر زندہ ہمی داند مرا — زندہ ام از دوست و از خود مردہ ام
ہستی اندر نیستی افگندہ ام — نیستی در کوئے ہستی بردہ ام

از برائے راحتِ ایں نفسِ شوم
اختر مسعود جاں آزردہ ام

به فراغِ دل زمانے نظرے به خوب روئے | به ازاں که چترِ شاهی همه عمر ہاؤ ہوئے
دمِ صبح را بجویم که دهد ز تو نشانے | دمِ باد را ببینم که رساندت به بوئے
تو مشو به پرده تا من نه فتم ز پرده بیرون | که نقاب حیف باشد به چنیں لطیف روئے

حضرت گیسو دراز

(وفات ۸۲۵ھ)

رباعیات

معشوقهٔ من کتابِ من شد | بستهٔ دلِ من بدو کشاد است
گوئی که مرا به عاریت دِه | معشوقه به عاریت که داد است؟

از دردِ فراق اگر نه نالم چه کنم | روز و شب اگر نه در خیالم چه کنم
میگوئی با تو ام، نه ام هرگز دور | در عینِ حضور بے وصالم چه کنم

غزلیات

آنانکه به جامِ عشق مستند | بیهوشِ ز بادهٔ الستند

گہ در ورع و نماز کوشند — گہ بادہ خورند و بت پرستند
بر لوحِ وجود ہر چہ دیدند — جز نقشِ نگار، پاک شستند
از کرسی و عرش درگزشتند — در غرفۂ لامکاں نشستند
از ردّ و قبول ننگ دارند — از ہجر و وصال دست شستند
دیباچۂ دفترِ وجود اند — عنوانِ ازل ابد شدستند
از کن فیکون رستگانند — آیندۂ و روندۂ خویش ہستند

سنے مکن وصف و جائے تقریر — آں کیست کہ می رود بہ نخچیر
از دستِ کمندِ گیسوانش — پائے دلِ دوستاں بہ زنجیر
استادِ معلمانِ بابل — پیرایۂ دخترانِ کشمیر
این ست بہشت کہ می شنودی — کز دیدنِ او جواں شود پیر
در باغِ وجودِ سادہ بنگر — صد گونہ بہشت گشتہ تصویر
یارا سرِ ما و آستانت — رفت است بریں حدیث تقدیر

بیچارہ و مبتلا ابوالفتح
تدبیرش چیست ترکِ تدبیر

بیا تا یک دمے فارغ نشینیم — گلے چندے ازیں گلزار چینیم
چہ دانم تا چہ فردا پیش آید — بیا تا روئے یک دیگر ببینیم

شود ہم خاکِ راہِ یار گردیم — بُوَد ہم در تہِ پایش زمینیم
ترا ما کمتریں حبشی غلامیم — اگر میرِ خطا یا شاہِ چینیم
سخن از خال و لعلِ او چہ گوئیم — بسے تاریک و بس تاریک بینیم
کجا بینیم روئے یارِ محرم — کہ سائیم بر کفِ پایش جبینیم
چہ دانی تا چہ لذّت دارد لبِ یار — حکایت، دوستانِ ہم نشینیم

زمانے گر ازیں ہستی برآئیم — جمالِ قدس را در خود نمائیم
دمے بر صدرِ عرشِ دل نشینیم — درائے قدس قدّوسی برآئیم
برہنہ از لباسِ حق گردیم — ردائے کبریا از بر کشائیم
بیا پے جامِ جاں پرور بنوشیم — سرودِ خود شناسی را سرائیم
ہماں ناقہ کہ می جوئیم، در جیب — ہماں کس را کہ می خواہیم، مائیم
بہ نقدِ وقتِ خود سازیم امروز — برائے وعدۂ فردا چہ پائیم

محمد با حقیقت آگہی شد
سرابے داں کہ از عکسِ ہوائیم

الا اے شاہدِ مہ رو، لقائے — الا اے مطربِ خوش خواں، نوائے
الا اے صاحبِ شیریں کلامے — الا اے ساقیِ بادہ صفائے
الا اے زاہدِ مقبول دعوت — مزیدِ دردِ ما را کن دعائے

الا اے شیخ بر سجادہ، جادِہ
نفس زن تا بہ دام افتد ہمائے

عفاک اللہ یا شیخ المشائخ!
بروئے خوبروئے ابتلائے

رسیدہ با نہا عمرم ولیکن
ندارد دردِ عشقش انتہائے

بہ دریائے شدم غرق اے رفیقاں!
نبود ست ساحلش را آشنائے

طبیبا زحمتِ خود را بدر بر
کہ دردِ عشق را نبود دوائے

بحمد اللہ محمد عارفی تو
شناسی قدرِ بیدل مبتلائے

جمالی

(وفات ۹۴۲ھ)

داستانِ غربت

گہے با دام و دد دمساز گشتہ!
گہے با خار و خس ہمراز گشتہ!

درازیِ شب و درد و غمِ راہ
ز دامانِ مُرادم دست کوتاہ

نہ ہمدردے کہ رازش میتواں گفت
غمِ راہِ درازش می تواں گفت

گہے در روم و گاہے جانبِ شام
نداده خویش را یک لحظہ آرام

به هر وادی روان تنها و بے‌کس! — گه از مصر و گه از بیت المقدس!
سرشک آسا روان از سوزِ سینه — گہے در مکّه گاہے در مدینه
چو زلفِ دلبران خاطر پریشان — ضعیف و ناتوان چون چشمِ ایشان
روان با دردِ دل مانندِ خامه — بدینسان در رہِ انشائے نامه
دو بیت از ما درِ فکرم ہمی زاد — یکے ماندے یکے می رفت از یاد
به فکرے گوہرے از پائے تا فرق — شدم در ورطۂ خونِ جگر غرق
من از نوکِ قلم بشگافتم جان — که آرم گوہرے بیرون از کان
تو پنداری که اندر معدنِ فکر — نماند است این زمان یک گوہرِ بکر
درِ پیغمبری مسدود گشته؟ — وجودِ فیض کے نابود گشته؟
به غربت خاطرم کم جمع بودے — ولے فکرم مثالِ شمع بودے
اگرچه بودم از دہلی بسے دور — دلم می یافت از حُبِّ وطن نور
ز بعدِ مکّه سیرم در عجم بود — ولے بے ہند خاطر می نیاسود

ز ہندستاں اگرچه دُور بودم
چو طوطی در قفس مہجور بودم

انتخاب از ترکیب بند

مائیم خلاصۂ دو عالم — تفسیرِ حروفِ اسمِ اعظم

هم ذاتِ خدا ز ما مُبیّن — هم نورِ صفت به ما مُسلّم
مشهودِ رخِ صفات و اسما — مسجودِ فرشتۂ معظّم
همواره به ما کمال مضمر — پیوسته به ما جمال مدغم
از بهرِ ظهورِ صورتِ دوست — آئینۂ معنی است آدم
دریائے محیطِ بے کرانہ — ایں طرفہ کہ شد عیاں ز شبنم
ہر قطرہ کہ شد ز موج پیدا — ہر موج فرو کشید و ہم یم
آں کس کہ شود نہنگِ ایں بحر — باشد ز نہیبِ ورطہ بے غم
نے تنگ ز شر نہ خرّم از خیر — نے خوش ز ثنا و ناخوش از ذم
بیزار ز قیدِ کفر و اسلام — آزاد ز جنّت و جہنّم

این است کمالِ رہروِ دیں
اینجا ازل و ابد یکے بیں

از قصیدہ در مدحِ مرشد

ز آسماں گر تیغ بارد سر نخارد اہلِ دل — نیشِ سوزن بر دلِ نامرد زخمِ خنجر است
مرد نتواں گفت او را کو تن آراید بہ زر — زینتِ مرداں است آہن نے زناں را زیور است
مرد را کردار عالی قدر گرداند بہ نام — ہر کسے کو را علی نام است نے چوں حیدر است
از معانی افتخارِ سینۂ عالم بُوَد — عزّتِ معدن نہ از کوہ است بل از گوہر است

سرخیِ روئے منافق لالہ را ماند کہ او اسود القلب است اگرچہ تنگ دیش احمر است

نے کسے کاہلِ بیاباں شد دمِ وحدت زند خونِ ہر آہوئے صحرائی نہ مشکِ اذفر است

اصلِ ایماں در نیابی در فقیہِ بے اصول

کامتحانِ دینِ او در احتضارِ محضر است

غزلیات

جاناں مپرس بے تو شبِ ما چساں گزشت یا روز بد چنیں برسید و چناں گزشت

تیرِ غمت کہ بر سپرِ سینہ ام رسید دل را شگافت، بر جگر آمد، زجاں گزشت

گفتی گزر زجان و جہاں از برائے من چوں جاں تو ئی زجان و جہاں میتواں گزشت

از چشمِ مردماں ہمہ خوننابہ شد رواں

در مجلسے کہ ذکرِ جمالی رواں گزشت

چہ نیکو می رود آں کبک رفتار خداوندا ز چشمِ بد نگہدار

چہ شکل است ایں چہ ساز است ایں چہ شوخی چہ قد است ایں چہ ناز است ایں چہ رفتار

منہ پا بر زمیں بر چشمِ ما نہ کہ چشمِ ماست پایت را سزاوار

جمالی کلکت آں طوطیِ ہنداست

کہ آبِ خضر می ریزد ز منقار

تو در درونِ دمن از شوق سینہ پارہ کنم کہ دل شگافم و بر روئے تو نظارہ کنم

به بندگی نه رسد دستِ من به دامانت — مگر لباسِ حیاتے که هست پاره کنم

من آں جمالیِ دُردی کشم که زاهد را
به یک کرشمهٔ ساقی شراب خواره کنم

ترا که شیوه چنان است دشکل دساز چنیں — چرا دلم نه بُوَد در غمت گداز چنیں

تو گر جفا کُنی از ما بجز وفا ناید — که رسمِ ناز چناں باشد و نیاز چنیں

دلم نواخته از زخم هائے خنجرِ تست — همیشه یاد مرا یارِ دلنواز چنیں

ابیات

موسیٰ ز هوش رفت به یک جلوهٔ صفات — تو عینِ ذات می نگری، در تبسّمی

دو گزک بوریا و پوستکے — دلکے پُر ز دردِ دوستکے

لُنگکے زیر مُتکے بالا — نے غمِ دُزد و نے غمِ کالا

ایں قدر بس بُوَد جمالی را
عاشقِ رند و لا اُبالی را

انتخاب

از

اشعارِ سخنورانِ عصرِ مغول (تیموریہ)

۹۳۳ھ — ۱۲۷۲ھ

۱۵۲۶ء — ۱۸۵۶ء

خانِ خاناں بیرم خاں بیرمؔ

(وفات ۹۶۸ھ)

تشبیب

زہے دو زلفِ تو غارت نمائے کشورِ دیں ‌ ‌ ‌ زہے دو چشمِ تو حیرت فزائے اہلِ یقیں
بہ خدمتِ تو دلِ گلرخانِ لالہ عذار ‌ ‌ ‌ بہ درگہِ تو سرِ مہوشانِ زہرہ جبیں
مرا ز جانُ و سر و دین و دل عزیز تری ‌ ‌ ‌ فدائے تو سر و جانُ نثارِ تو دل و دیں
بتا قریب بہ سالیست کز وصالِ تو دُور ‌ ‌ ‌ بریں شد است بہ خوں ریز من سپہرِ بریں
ازاں زماں کہ فتادم ز درگہِ تو جدا ‌ ‌ ‌ بہ آہ و نالہ انیسم بہ درد و غصّہ قریں
مرا نہ خاطرِ خرّم مرا نہ سینۂ شاد ‌ ‌ ‌ مرا نہ روز قرار و نہ شب بُوَد تسکیں
گہے ز ہجر بگریم بہ نعرہ ہائے بلند ‌ ‌ ‌ گہے ز درد بنالم بہ نالہ ہائے حزیں
اگرچہ ہست جدا از مہِ جمالِ توام ‌ ‌ ‌ خرابیِ دلِ بے خان و ماں بدیں آئیں
ولے بہ مذہبِ اہلِ وفا گنہگارم ‌ ‌ ‌ کہ زندہ بے لبِ لعلِ تو ماندہ ام چندیں
گناہگارم و امّیدِ عفو می دارم ‌ ‌ ‌ بہ جرمِ بندہ چہ بینی بہ عفوِ خویش ببیں

غزلیات

ماہے چو عارضِ تو منوّر نمی شود　　سروے بہ قامتِ تو برابر نمی شود
سرخاک گشت در رہِ عشق تو وہنوز　　سودائے خاکِ پائے تو از سر نمی شود
ناچار خو بہ محنتِ ہجراں گرفتہ ایم　　چوں دولتِ وصال میسّر نمی شود
نقاشِ جاں بہ لوحِ جمالت کشیدہ است　　شکلے کہ جز ترا متصوّر نمی شود

بیرم بدہ رضا بہ قضائے کہ رفتہ است
چوں کارہا خلافِ مقدّر نمی شود

پیکِ صبا پیامِ مرا پیشِ یار بر　　شرحِ غمے ز من بہ سوئے غمگسار بر
ایں چشمِ ہمچو کاہِ مرا از رہِ کرم　　بردار ازیں دیار و سوئے آں دیار بر
حلوائے خوانِ چرب زبانانِ ہند را　　ایں قندِ پارسی ز سوئے قندہار بر
از روئے درد شرحِ غمے کردہ ام رقم　　حرفِ دوئی ز خانۂ من یادگار بر

بیرم ز باغِ چرخ مجو میوۂ مراد
چوں کس نخوردہ از فلکِ بے مدار بر

سودا زدہ و بے سر و ساماں شدہ ام باز　　آشفتہ و بدحال و پریشاں شدہ ام باز
تا یافتہ از شادیِ وصلِ تو حضوری　　دردا کہ اسیرِ غمِ ہجراں شدہ ام باز
ناکردہ تحمل غمِ خود کردہ ام اظہار　　از کردہ و ناکردہ پشیماں شدہ ام باز

محنت زدهٔ دردِ فراقم عجبے نیست　　گر مرتکبِ ناله و افغاں شده ام باز

بیرم سر و ساماں مطلب از منِ مجنوں
کز عشقِ بُتے بے سر و ساماں شده ام باز

اے که در کوئے وفا جانانهٔ من بودهٔ　　همدم و هم صحبت و هم خانهٔ من بودهٔ

چوں پری پیشِ نظر هر گه که ظاهر گشتهٔ　　وحشت افزائے دلِ دیوانهٔ من بودهٔ

خانه در خلوت سرائے سینهٔ من کردهٔ　　همچو گنجے ساکنِ ویرانهٔ من بودهٔ

گه من از روئے محبت بوده ام در خانه ات　　گه تو از راهِ وفا در خانهٔ من بودهٔ

تا به آخر آشنائے خویش دانستم ترا　　نیک چوں کردم نظر بیگانهٔ من بودهٔ

گفتم از عشقت به رسوائی شدم افسانهٔ
گفت بیرم شکر کن افسانهٔ من بودهٔ

شدی یارم و لیکن شیوهٔ یاری نمیدانی　　دلم بُردی و لے آئینِ دلداری نمیدانی

ترا زاں از گرفتارانِ محنت نیست پروائے　　که هرگز محنت و دردِ گرفتاری نمیدانی

ز تو بر خوئے من آئینِ دلجوئی نه می آید　　که می دانم بجز رسمِ دل آزاری نمیدانی

هزاراں خوبرو هر سو اسیرِ خویشتن داری　　و لے هرگز طریقِ خویشتن داری نمیدانی

به عرضِ حالِ خود بد نیست گفتارِ تو اے بیرم
اگر مثلِ حریفاں خوب گفتاری نمیدانی

حرفے نه نوشتی، دلِ ما شاد نه کردی　　ما را به زبانِ قلمے یاد نه کردی

آباد شد از لطفِ تو صد خاطرِ ویراں ویرانۂ ما بود کہ آباد نہ کردی
بر یادِ تو صد بار کنم نالہ و فریاد فریاد کہ یک بار مرا یاد نہ کردی
آں لحظہ کہ بختم بہ وصالِ تو رساند فریاد بر آرم کہ چہ بیداد نہ کردی

اے کردہ فراموش، ز غمخواریِ بیرم
حرفے نہ نوشتی دلِ ما شاد نہ کردی

جمال الدّین عُرفی

(۹۶۳ھ —— ۹۹۹ھ)

انتخاب از قصائد

جہاں بگشتم و دردا بہ ہیچ شہر و دیار نیافتم کہ فروشند بخت در بازار
کفن بیاور و تابوت و جامہ نیلی کن کہ روزگار طبیب است و عافیت بیمار
مرا زمانۂ طنّاز دست بستہ و تیغ زند بہ فرقم و گوید کہ ہاں سرے میخار
زمانہ مردِ مصاف است و من ز سادہ دلی کنم بہ جوشنِ تدبیر وہمِ دفعِ مضار
بہ منجنیقِ فلک سنگِ فتنہ می بارد من ابلہانہ گریزم در آبگینہ حصار

عجب کہ نشکنم ایں کارگاہِ مینائی
کہ شیشہ خالی و من در لجاجتم ز خمار

چنیں کہ نالہ ز دل جوشد و نفس نہ زنم
عجب مدار کہ آتش بر آورم چو چنار

اگر کرشمۂ وصلم کشد وگر غمِ ہجر
نہ آفریں ز لبم بشنوند و نے زنہار

دلم ز درد گرانمایہ چوں جگر ز فغاں
دماغم از گلہ خالی چو خاطرم ز غبار

از درِ دوست چہ گویم بہ چہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

بس بہ دیوار زدم سر کہ دریں کوچۂ تنگ
آمدم مست و سراسیمہ و حیراں رفتم

رفتم از کوئے تو لب تشنہ بہ گلگونِ سرشک
نیک رفتم کہ نہ افتاں و نہ خیزاں رفتم

دل و دین و خرد و ہوش و زباں بازم دِہ
تا بگویم ز درِ دوست بہ ساماں رفتم

آمدم نغمہ کشا از لبِ امید و ز یاس
در رگ و ریشۂ دل دوختہ دنداں رفتم

آمدم صبح چو بلبل بہ چمن در نوروز
شام چوں ماتمی از خاکِ شہیداں رفتم

دوستاں زہر بگرید کہ رستم ناکام
دشمناں نوش بخندید کہ گریاں رفتم

رفتم و سوختم از داغِ دلِ دشمن و دوست
کہ جگر سوز تر از اشکِ یتیماں رفتم

منم آں یوسفِ بد روزہ کہ نارفتہ بہ مصر
تا بروں آمدم از چاہ بہ زنداں رفتم

رفتم آہستہ و لے صاحبِ دل می داند
کہ دل آشوب تر از زلفِ عروساں رفتم

شعر و رزیدم و از معرفت آں سو ماندم
جانِ معنی شدم و صورتِ بیجاں رفتم

شبِ یلدا اسے حیاتم بہ سحر گوید حیف
کہ در افسانۂ بیہودہ بہ پایاں رفتم

زاں شکستم که به دنبالِ دلِ خویش مدام
در نشیبِ شکنِ زلفِ پریشاں رفتم

منم آں غنچهٔ پژمرده که از بادِ خزاں
خنده برلب گره و سر به گریباں رفتم

نورِ پیشانیِ صبحِ طربم لیک چه سود
که ز غم تیره تر از شامِ غریباں رفتم

باز گلبانگِ پریشاں میزنم
آتشے در عندلیباں میزنم

جملهٔ گل بهرِ من بستند و من
سر به دیوارِ گلستاں میزنم

در تنِ هر خار خنجر می خورم
بر سرِ هر نیش جولاں میزنم

آں چراغِ کشته ام کز دودِ گرم
آتش اندر آبِ حیواں میزنم

پادشاهِ عالمِ درویشی ام
مهر بر پایینِ فرماں میزنم

می کنم در گلشنِ جنّت فغاں
نغمهٔ در کنجِ زنداں میزنم

زهره می دزدد نوائے خونچکاں
زخمه چوں بر عودِ افغاں میزنم

کردم ز شرابِ ناب توبه
وز گفتهٔ ناصواب توبه

در لفظِ شراب چوں بوَد آب
با تشنه لبی ز آب توبه

در وصف به باده چوں شریک است
صد بار ز شهدِ ناب توبه

تا باده به خواب هم نه بینم
شاید که کنم ز خواب توبه

در عهدِ شباب توبه کردم
ایمن بوَد از شباب توبه

در کشورِ ہندِ عشرت انگیز   کَے دیدہ کسے بہ خواب توبہ

شکستِ رنگِ شباب و ہنوز رعنائی   در آں دیار کہ زادی ہنوز آنجائی!

بہ حیرتم کہ چہ دارو رہاندت زیں درد   کہ عینِ جہلی و داری گمانِ دانائی!

خراب کردۂ جہلی و فارغ از دانش   عظیم دردے داری و بس شکیبائی!

زمانہ بہرِ تو تابوتِ می دہد ساماں   تو خود ز گوشۂ مسند فرو نمی آئی.

شکستہ اند و دواشاں ہمیں شکستگی است   تو تندرستی و بر مومیائی افزائی!

ہمہ بہشت مجو، قربِ دوست ہم چیزے است   قدم فراز ترک نہ چو گرمِ سودائی

بہ کودکی شدہ مویت سپید و بیخبری   ازاں ز لیطن ہوس در بہشت می زائی

مبصّراں ہمہ تن چشم در حریمِ وصال   تو جاہ دست و شکم پیشِ منّ و سلوائی!

ازاں حسابِ تو ہر دم تفاوتے دارد   کہ قدِّ سرو نہ بینی و سایہ پیمائی

بہ زیرِ جامہ نہاں کردۂ برص لیکن   بہ چشمِ اہلِ بصیرت برہنہ می آئی!

چگونہ شاہدِ عصمت ز تو نہ پرہیزد   کہ در شکستنِ ناموس ناشکیبائی

چہ عذرہائے موجّہ نہی معاصی را   بچش لعابِ دہانت کہ قند می خائی

تمام عرصۂ محشر مگس فرو گیرد   اگر چنیں بقیامت شکر فروش آئی

سبک عناں شو و خود را بملکِ علم رساں   ازیں چہ سود کہ انگشتِ جہل می خائی

جنوں ز سر بنہ و دستِ عقل گیر و بیا   کزیں بہانہ مسلّم نۂ کہ شیدائی

غزلیات

کوئے عشق است ہمہ دانہ و دام است اینجا
جلوهٔ مردمِ آزاد حرام است اینجا

ہر کہ بگذشت دریں کوئے بہ بند افتاده است
طائرِ بے قفس و دام کدام است اینجا

در حرم ذکرِ بتِ دیر نشیں خاصِ من است
لِلّٰہ الحمد کہ ایں زمزمہ عام است اینجا

سِرِّ تقدیر در آں نشاء رسد پختہ بگوش
سِرِّ ایں مسئلہ مکشائے کہ خام است اینجا

عرفی از ہر دو جہاں می رمد الّا در دوست
ہمہ جا وحشی از انست کہ رام است اینجا

در چمن حور وشاں انجمنے ساختہ اند
چشمِ بد دور بہشتی چمنے ساختہ اند

نہ نشیند دلِ ایں طائفہ در قصرِ بہشت
کہ بہ معمورهٔ دلہا وطنے ساختہ اند

چوں بہ سنجند بہ فرہاد مرا یا مجنوں
کہ بہ بازیچۂ ہر یک سخنے ساختہ اند

حلہ ہا سوختہ اند اہلِ بہشت از غیرت
تا شہیدانِ تو گلگوں کفنے ساختہ اند

تیرِ آں غمزه حلال است و لے جمعے را
کہ ز دل جامہ و از جاں بدنے ساختہ اند

لذتِ شعرِ تو عرفی بہ ہمہ عالم رفت۔
کہ ترا مائلِ شیریں دہنے ساختہ اند

حرم پویاں درے را می پرستند
فقیہاں دفترے را می پرستند

گروہے زشت خوینہ اہلِ دانش
کہ زیب و زیورے را می پرستند

ازاں دعوٰے بہ شیخ و برہمن ماند　　　که ہر یک داورے را می پرستند

برافگن پردہ تا معلوم گردد　　　کہ یاراں دیگرے را می پرستند

عجب داریم ما از اہلِ عصیاں　　　کہ دامانِ ترے را می پرستند

زاہلِ درد شو عرفی کہ ایں جمع
گرامی گوہرے را می پرستند

بیا اے درد کز راحت رمیدن آرزو دارم
بہ غم پیوستن، از شادی بُریدن آرزو دارم

بیا اے عشق در سوائے جہانم کن کہ یکچندے
نصیحت ہائے بیدرداں شنیدن آرزو دارم

بیا اے شوق و دستِ رغبتم سوئے گریباں بر
کہ بیتابانہ پیراہن دریدن آرزو دارم

بیا اے بخت و تقریبے برانگیز از پئے قتلم
کہ جاں را بسملِ آں غمزہ دیدن آرزو دارم

بیا اے عمر و ترکِ بے وفائی کن کہ در محشر
ز زخمِ غمزہ اش در خوں طپیدن آرزو دارم

بیا اے مرگ و یاری کن کہ بے او تا توانستم
بہ خوں غلطیدم اکنوں آرمیدن آرزو دارم

زمن پوشیده عرفیؔ آهِ خود را، آه گر داند
که من هم زهرِ بدنامی چشیدن آرزو دارم

دانی که چیست مصلحتِ ما گریستن
پنهاں ملول بودن و تنها گریستن

بے درد را بہ صحبتِ اربابِ دل چہ کار
خندیدن آشنا نہ بُوَد با گریستن

گر کامِ دل زگریہ میسّر شود ز دوست
صد سال می تواں بہ تمنّا گریستن

عرفیؔ زگریہ دست نداری کہ در فراق
دردت ز دل نہ می بَرَد اِلّا گریستن

ملک الشعرا

حکیم ابوالفیض فیضی

(۹۵۴ھ — ۱۰۰۴ھ)

حمد

چہ حسن و جمال است اللہ اکبر　　چہ عزّ و جلال است اللہ اکبر

خرد دارد اندیشۂ کنہِ ذاتش　　چہ فکرِ محال است اللہ اکبر

کجا ذرۂ واجب و فکرِ ممکن　　چہ وہم و خیال است اللہ اکبر

در آنجا کہ سلطانِ وحدت خرامد　　سخن پائمال است اللہ اکبر

بہ رخسارۂ وحدتش نقشِ کثرت　　ہمہ خطّ و خال است اللہ اکبر

بہ بستانِ ایجادِ او سبز و خرّم　　جہاں یک نہال است اللہ اکبر

در اجسامِ علوی و اجسامِ سفلی　　ازو اتصال است اللہ اکبر

مزاجِ بشر را بہ ترکیبِ ہستی　　ازو اعتدال است اللہ اکبر

چہ گویم کہ ذات و صفاتش مقدس — ز قال و مقال است اللہ اکبر
منم تشنہ لب بر لبِ جوئبارے — کہ خونہا زلال است اللہ اکبر
دریں راہِ خونخوار منزل بہ منزل — چہ جورِ جبال است اللہ اکبر
سمومے کہ جاں میگدازد دریں رہ — نسیمِ شمال است اللہ اکبر
نہ بینم دریں عرصہ یک مردِ میداں — چہ قحط الرّجال است اللہ اکبر
ز انصاف یک نکتہ نشنیدم از کس — بہر سو جدال است اللہ اکبر
خرد دارد از لامکاں داستانہا — چہ کوتہ سگال است اللہ اکبر
دریں رہ بہ دنبالِ معنی دویدم — چہ وحشی غزال است اللہ اکبر

مناجات

اے دیدہ فروزِ شب نشیناں — اندیشہ زدائے پیش بیناں
ہر ذرہ ز جرعۂ تو گل خیز — ہر قطرہ ز بادۂ تو لبریز
در ہر خمِ تار از تو سازے — در ہر دلِ مور از تو رازے
بیروں ز نشانِ رہنموناں — برتر ز خیالِ ذوالفنوناں
از رشتۂ جاں شدم دل افگار — ناخن چہ زنم دگر بریں تار

با جانِ تپیده چون کنم آه — دل مرغِ اسیر و رشته کوتاه
بر من غمِ روزگار سخت است — دریاب مرا که کارِ سخت است
من غافل و دیو هم نشینم — من خفته و فتنه در کمینم
سخت است سیاہیِ شبِ من — لختے ز شب است کوکبِ من
هم کوکب و هم شبم سیاه است — میگویم و آسماں گواه است
زیں شب بدر آر کوکبم را — پیشانیِ روز دِه شبم را
مُردم به امیدِ روشنائی — صبحے بدماں ز شب زدائی
دارم گره و گره کشا نیست — سنگیں تر ازیں بلا بلا نیست
ایں قفلِ غم از دلم جدا کن — دستم به کلید آشنا کن
دردِ دلِ خویش می تراوم — خونابهٔ ریش می تراوم
نشتر زنم ایں رگِ زباں را — وز خوں بکشم لب و دهاں را
پس مانده چو ره بُرَد بجائے — بے بانگِ حدیٰ و بے درائے
در بادیه می زنم سرودے — بر راهبراں ز من درودے

آنانکه زنند گام پیوست — از نورِ یقیں چراغ در دست
رانند جمازه منزل اندیش — محمل ز پس و چراغ در پیش
از بارِ جهاں گراں نگشتند — با بارِ گراں سبک گزشتند

هم مرحلهٔ زمیں بریدند | هم محملِ آسماں کشیدند
ماندند ز پیش و پس کساں را | بردند ز پیش واپساں را
دارند بهر قدم نشانها | رانند ز پیش کاروانها
رفتند و هنوز ایں گرانان | هستند ازاں جمازه رانان
بگسسته ز کاروان درائے | بنشسته به خاک نقشِ پائے
هر کس قدمے ز ماست در پیش | داریم به پائے او سرِ خویش

در نعتِ سرورِ کائنات صلعم

آں مرکزِ دورِ هفت جدول | گرداب نشینِ موجِ اوّل
چابک قدمِ بساطِ افلاک | والا گهرِ محیطِ لولاک
قدرش به زمانه ماه و اکلیل | نورش به فلک چراغ و قندیل
با شرع و کتاب، نورِ ساطع | با تیغ و زباں، دلیلِ قاطع
خاکی و بر اوجِ عرش منزل | اُمّی و کتاب خانه در دل
هم مطلعِ اوّلِ سباعی | هم مصرعِ آخرِ رباعی
یک نور و دو کون روشنائی | یک گوهر و صد جهاں روائی
اے شاد ز دوانِ عشرتِ او | شاداب ز جیبِ فطرتِ او
ظلمت ز بساطِ قربِ شاں دور | در خانه هزار شمع و یک نور

رضوانِ خدائے بر صحابہ ۔۔۔ گنجینہ کشائے نہ حسرابہ

ماندند بہ پیش گاہِ ایام ۔۔۔ بر دوشِ وفا لوائے اسلام

ہمدستِ جنودِ کبریا را ۔۔۔ بردند بر آسماں لوا را

دینش بہ فروغِ بخت بنگر ۔۔۔ دیں روز فزوں درخت بنگر

بگزشتہ ہزار سال واندش ۔۔۔ دارد تر و تازہ نخل بندش

بروے گزرد اگر ہزاراں ۔۔۔ نخلے است بہ بالش بہاراں

ایں نخل کہ جنبشِ ثمر شد ۔۔۔ ہر چند کہ رفت تازہ تر شد

بر تارکِ عرش پائے شرعش ۔۔۔ بر کرسیِ صدق اصل و فرعش

گر ظلمتِ شب کند خرد دُور ۔۔۔ شرعش بہ رہِ خرد نہد نُور

ہم شرع بہ عقل تاب دادہ

ہم عقل بہ شرع آب دادہ

دربارِ شاہنشاہِ اکبر

شہنشہ بہ اورنگِ شاہنشہی ۔۔۔ بہ سر تاجِ اقبالِ ظلِ الٰہی

سلاطینِ مسند نشیں جا بہ جا ۔۔۔ ز روئے ادب ایستادہ بہ پا

بہ یک سو وزیرانِ دانش پذیر ۔۔۔ بہ تدبیر چرعقلِ کل نکتہ گیر

بہ یک سو فقیہانِ عالی مقام ۔۔۔ حکایت کناں از حلال و حرام

به یک سو حکیمانِ فطرت اساس — سطرلاب دانانِ اخترشناس
به یک سو دبیرانِ معجز رقم — دقائق شناسانِ لوح و قلم
به یک سو هژبرانِ میدانِ کین — که از هم درانند گاوِ زمین
به یک سو ندیمانِ شیرین سخن — چو طوطی شکر ریز و شکر شکن
همه ملک و ملت ازو با نسق — برونش به خلق و درونش به حق

کشمیر

هزار قافلهٔ شوق می کند شبگیر — که بارِ عیش کشاید به عرصهٔ کشمیر
تبارک الله ازاں عرصه که دیدنِ او — ورق نگارِ خیال است و نقش بندِ ضمیر
هوائے او متنوع چو فکرتِ نقاش — زمینِ او متلون چو صفحهٔ تصویر
غبارِ او بتواں خواند چشم را دارو — گیاهِ او بتواں گفت روح را اکسیر
به تن موافقتِ آبِ او چو باده و گل — به جاں مناسبتِ بادِ او چو شکر و شیر
نسیمِ او ز سرِ آب تیز می گزرد — که باد را نتواں داشت پائے در زنجیر
درو به جائے گیا زعفراں همی روید — که آب و خاکِ طرب را چنیں بود تاثیر
بهر طرف روی از بحرِ فیض مالا مال — هزار چشمهٔ جوشنده چوں دلِ نحریر
ز اعتدالِ هوایش شگفت نیست شگفت — که سر زند همه عناب از نهالِ زریر
به حیرتم که چه آثارِ قدرتِ ازلی است — به هر نظاره بنازد نظر به صنعِ قدیر

عشقیه

حسنِ گجرات

منم که کشتهٔ گجراتیانِ بیدادم — خرابِ عشوهٔ خوبانِ احمد آبادم
سهی قدے ز سرِ ناز جلوهٔ ننمود — که همچو سایه به دنبالِ او نیفتادم
بهر طرف که خرامید سروِ آزادے — غلامِ او شدم و خطِ بندگی دادم
چو رشکِ گلشنِ فردوس احمد آباد است — ازو مباد برونم کشند چوں آدم
بروں ز رفتن از اینجا تصوّر یست محال — چرا بروں نروم، من هم آدمی زادم!
به حسنِ مردمِ گجرات یاد نیست ولے — نمی روند جوانانِ دهلی از یادم

غزلیات

مستانه سخن می رسد از دل به لبِ ما — عشق است که بر بسته زبانِ ادبِ ما
با شمع نسوزیم و به مهتاب نسازیم — خورشید بوَد انجمن افروزِ شبِ ما
فریاد که دوریم ز مطلوبِ دلِ خویش — چندان که دراز است زبانِ طلبِ ما
مارا همه خوانند دریں میکده **فیضی**
از مبدا رِ فیّاض همیں بس لقبِ ما

اے ہم نفسانِ محفلِ ما   رفتید ولے نہ از دلِ ما

ما دست ز غم نہادہ بر سر   غم پائے فشرد در گلِ ما

دریائے غمیم و گوہرِ اشک   کشتی کشتی بہ ساحلِ ما

زود است کہ شوق بے سروپاست   دنبالہ شتابِ محملِ ما

زود است کہ آرزوئے نسیت   محمل کشِ سیرِ منزلِ ما

مگزار گرہ بہ کارِ **فیضی**
اے عقدہ کشائے مشکلِ ما

من در رندی و سیرِ مشربہا   تا بگیرد قرار مذہبہا

جاں فدا کردہ ہائے جاناں را   چہ تفاوت ز حشرِ قالبہا

آں گراں خواب را بخلوتِ راز   چہ خبر از خروشِ "یا ربہا"

بخیالش خوشم کہ نگزارد   خواب برگردِ دیدہ ام شبہا

اے فلک سوئے او رہم بنمائے   ورنہ آتش زنم بہ کوکبہا

فیضی از گفت و گوئے عشق خموش
سوخت ایں آتشیں زباں لبہا

بزم چوں وادیِ ایمن شدہ پُر نور امشب   شمع را خندہ بُوَد بر شجرِ طور امشب

بزم گاہیست کہ عیسیٰ نفساں می بخشند   شربتِ صحتِ جاوید بہ رنجور امشب

برد اے محتسم از مجلسِ رنداں کایں جا   سرِ خاقاں شکند کاسۂ فغفور امشب

نیم مستانِ طرب را سرِ بد مستی نیست | ساقی آں بہ کہ دہد بادہ بہ دستورِ امشب

اہلِ دل راست بہم زمزمۂ کاوشِ دگر | مطرب آہستہ بَرَد دست بہ طنبورِ امشب

ہست نزدیک بہم مستی و ہشیاریِ ما | ایں چہ بزم است کُند دیدۂ بَد دُور امشب

اعتدال است بہ مستاں کہ اگر روئے دہد | عاشقِ مست زند طعنہ بہ مستورِ امشب

فیضی از گنجِ طرب خانہ اش آباداں باد
آں کہ ویرانۂ ما ساختہ معمورِ امشب

بیار مے کہ غمِ روزگار برطرف است | سپہر در کرم و آفتاب در شرف است

مفرحِ دلِ خود ساز اگر غمے داری | ازاں گہر کہ بلوریں پیالہ اش صدف است

پیالہ گیر کہ ناہیدِ حُسن پردہ سرا است | بہ عیش کوش کہ ماہِ نشاط بے کلف است

ز قدر پنجہ بہ خورشید می تواند زد | دریں بہار کسے را کہ جامِ مے بکف است

چرا جگر نخراشد حریفِ مجلس را | کہ از کمانچۂ مطرب خدنگ بر ہدف است

بہ شحنہ گو کہ ز آزارِ ما بدارد دست | کہ مستحقِ خراش و طپانچہ چنگ و دف است

درائے غنچہ صدا می دہد بہ بانگِ بلند | کہ کاروانِ چمن در کمیں گہِ تلف است

خوش آں کسے کہ چو فیضی بہ دَورِ دولتِ شاہ
ز بادہ در کفِ او جامِ آفتاب لقف است

ہوائے عشق مرا تازہ در دل اُفتاد است | نظر کنید کہ دریا بہ ساحل افتاد است

گماں مبر کہ بہ دریوزہ دست بکشایم | مرا کہ گوہرِ شب تاب در گِل افتاد است

مسافرانِ طریقت ز من جدا مشوید — که دُوربینم و چشمم به منزل افتادست
ز من به قافله سالارِ راهِ عشق بگوئے — که ناقه مانده و در دشت محمل افتادست
مپرس ره که ز سرہائے رہروانِ حرم — نشانہاست که منزل به منزل افتادست
میانهٔ من و آں شوخ تا چه انجامد — من آتشیں دم و او آہنیں دل افتادست

نگاهِ همّتِ **فیضی** به سوئے صید گہیست
که صد ہزار ہمانیم بسمل افتادست

امشب که سپہر بے ملال است — در طبعِ زمانه اعتدال است
بر جبینِ امید در نشاط است — بہرام ہراس در وبال است
ہم گردنِ وصل سربلند است — ہم فرقِ فراق پائمال است
طاؤسِ مراد خوش خرام است — عنقائے ہوس کشاده بال است
خالی نه کنیم ساغر از مے — در مذہبِ ما خلا محال است
گفتی قدحت دہم پیاپے — ساقی چه مقامِ ایں سوال است

فیضی بنُود خروش ما را
پیغامِ دل از زبانِ حال است

عیدِ بد روزاں دریں ایام نیست — روزه دارانِ بلا را شام نیست
میخورم پرکاله پرکاله جگر — نقلِ عاشق پسته و بادام نیست
کعبه رو تعلیمِ آدابم مکن — گرم رَو را فرصتِ احرام نیست

کاروانِ کعبہ شد منزل نشیں — رہروانِ عشق را آرام نیست

نشۂ فیضی بُوَد از بزمِ خاص
جرعۂ جامش ز فیضِ عام نیست

ہر کس بکارِ مرتبۂ ارجمند یافت — فرہاد کوہ کند و مقامِ بلند یافت
روزِ ازل نصیبۂ خود بُرد ہر کسے — عاشق ازاں میانہ دلِ دردمند یافت
غافل مشو ز گریۂ مستاں کہ میتواں — صد گوہرِ مراد ازیں آب کند یافت
دُور از بلا متاب کہ آسودۂ وصال — کاسے کہ یافت از دلِ مشکل پسند یافت

فیضی کہ مست بود سحر بوسہ از لبش
دانم کہ یافت لیک ندانم کہ چند یافت

وہ چہ گویم کہ بہ من چرخِ ستمگار چہ کرد — کوکبِ سوختہ و بختِ سیہ کار چہ کرد
کس ندانست کہ آں چشمِ ستمگر چہ نمود — کس نہ پرسید کہ آں غمزۂ خونخوار چہ کرد
اے کلیم ایں ہمہ از بیخودیِ خویش منال — کوہ را بیں کہ بہ یک پرتوِ دیدار چہ کرد
ہمچو منصور مگو راز ز سراپردۂ وصل — شاہ را بیں کہ بہ آں محرمِ اسرار چہ کرد
گر نہ لیلیٰ ہوسِ ہمرہیِ مجنوں داشت — ناقہ را بیہدہ در راہ گماں باز چہ کرد
آں کہ می کرد مرا منع پرستیدنِ بُت — در حرم رفتہ طوافِ در و دیوار چہ کرد

عشق صبر و خرد و ہوش ز فیضی بربود
دزدِ رہ بیں کہ بہ آں قافلہ سالار چہ کرد

حدیثِ عقل و دینِ ما مگوئید / خردمندان سخن بیجا مگوئید

کجا عقل و کجا دین و کجا من / منِ دیوانہ را اینہا مگوئید

من از حرفِ ملامت سر نہ پیچم / ولے ایں را بہ من تنہا مگوئید

مرا در عشق پرواے کسے نیست / بگوئید ایں حکایت یا مگوئید

دلم گو خوں شو و جاں گو بروں آئے / بہ آں بے مہر بے پروا مگوئید

بصد خواری گزشتم زاں سرِ کوئے / عزیزاں سرگزشتم را مگوئید

چہ غم آں آہنیں دل را ز **فیضی**
ز حالِ شیشہ با خارا مگوئید

چہ شد کہ چشمۂ خورشید زرد می خیزد / ز صبحِ عیش نفس ہائے سرد می خیزد

ہزار غوطہ فلک را بخوں زدیم و ہنوز / غبار ازیں صدفِ لاجوردی می خیزد

بہ درد ساز و دوا ز نالہ لب فروبند / مگر ولے کہ از ذوقِ درد می خیزد

شدیم خاک ولیکن ز بوئے تربتِ ما / تواں شناخت کزیں خاک مرد می خیزد

بہ دشت رو کہ سراسیمہ ہمچو ریگِ رواں / ہزار عاشقِ دیوانہ گرد می خیزد

فسانہ خوانیِ مجنوں مکن کہ در رہِ عشق / چنیں ہزار بیاباں نورد می خیزد

فتادگانِ رہِ عشق خجلتے دارند / مگر ز خاکِ شہیدِ تو گرد می خیزد

تواں شناخت ز آغازِ **فیضی** انجامش
کہ فرد رفتہ ز کونین، فرد می خیزد

ایں خواب کہ از دیدۂ جاں پردہ گسل بود | خوابش نتواں گفت کہ بیداریِ دل بود
چشم نظرے بر رخِ آں پردہ نشیں داشت | دستم بہ سرِ طرّۂ آں عہد گسل بود
پروانۂ کم حوصلہ افتاد در آتش | کامشب نظر افروزِ من آں شمعِ چگل بود
یک چشم زدن با دو جہاں داشت برابر | ایں خواب کزو دیدۂ بیدار خجل بود
مے ریخت بہ دامانِ من از غایتِ مستی | گر خونِ منِ دل شدہ می ریخت بحل بود

فیضی لبِ خود بست کہ در عرصۂ معنی
شبدیزِ قلم پاے فرو رفتہ بہ گل بود

بادہ در جوش است و رنداں منتظر | سَاقِیَا خُذْ مَا صَفَا دِعْ مَا کَدِر
در خراباتِ مغاں بگزر کہ ہست | ہر صراحی چشمہ ہر ساقی خضر
بندۂ ساقی شوم کز یک قدح | منکرانِ عشق را سازد مُقِر
اے رفیق از من مشو غافل کہ نیست | عشق بر فرہاد و مجنوں منحصر
عشق نتوانست پوشیدن زغیر | شد ازاں مجنوں بہ عالم مُشتہر

جامِ مے خواہی بگو فیضی مدام
ہمچو حافظ اَیُّہَا السَّاقِی اَدِر

نشانِ راہِ بیابانِ عشق ہاں بشناس | کہ ہست ریگِ روانش زریزۂ الماس
زہے شگرف بیاباں کہ پے گم است اورا | ہزار قافلۂ عقل و کاروانِ قیاس
گزار ناقہ و محمل اگرت ہوس سفر است | کہ غیرِ فتنہ دریں رہ کسے ندارد پاس

چہ طرف بندم ازیں رہ روانِ قافلہ کش
کہ می کشند نخست از تنِ خیال لباس

من و تنگ دو دوایں راہ پر خطر فیضی
اگرچہ زہرۂ من آب می شود ز ہراس

خوش آں کہ وصفِ جمالِ تو رو برو گویم
درازیِ شبِ زلفِ تو مو بہ مو گویم

صبا کجاست کہ زلف از رخت براندازد
روا بود کہ ترا شوخِ تند خو گویم

دمے کہ یاد کنم ہمدمانِ میکدہ را
گہ از پیالہ گہ از خم گہ از سبو گویم

از آں میان دو دہاں می کند سخن فیضی
بیا کہ با تو رموزِ خیالِ او گویم

تختۂ مشق خیر و شر مائیم
از بد و نیک مختصر مائیم

سر بسر پیشِ ما ہنر عیب است
عیب جویانِ بے ہنر مائیم

آفتابے نہفتہ در دلِ ماست
شبِ امید را سحر مائیم

نیست ما را سرے بہ ساغرِ مے
مستِ پیمانۂ نظر مائیم

گرچہ داریم کنجِ تنہائی
محشرِ عشق را حشر مائیم

تیر بارانِ عشق بر دلِ ماست
ناوکِ فتنہ را سپر مائیم

فیضی از جامِ عشق بے خبریم
تا دریں انجمن اگر مائیم

بہار آمد چنیں تنہا نباشیم
گر او بے ماست بے او ما نباشیم

سوادِ شہر دلہا را سیہ کرد
چرا چوں سبزہ در صحرا نباشیم

بہ ہر جا ساقیِ گل چہرہ باشد — روا باشد کہ ما آنجا نباشیم

تو اے پیماں شکن امشب بہ ما باش — کہ ما باشیم فردا یا نباشیم

چو بازارِ نظر گرم است فیضی

ہماں بہتر کہ در سودا نباشیم

ما شیشہ بہ فرقِ دلِ بیتاب شکستیم — الماس بہ زیرِ قدمِ خواب شکستیم

ہم کعبہ و ہم بُت کدہ سنگِ رہِ ما بود — رفتیم و صنم بر سرِ محراب شکستیم

از ساحلِ مقصود ندیدیم نشانے — صد کشتیِ اندیشہ بگرداب شکستیم

نقدِ دلِ فیضی چو مہ و مہر روان است

ما قلبِ سیہ بر سرِ قلّاب شکستیم

زہے طرّہ ات بندِ مشکیں غزالاں — بہ سروِ تو پیوندِ نازک خیالاں

بغیر از اسیرانِ زلفت کہ داند — پریشانیِ حالِ آشفتہ حالاں

بہ چشمِ عزیزاں مرا خوار دارد — بہ پیرانہ سالی غمِ خورد سالاں

زبانگِ درا گوشِ لیلیٰ چو پُر شد — چہ داند کہ چونست مجنونِ نالاں

بتاں گرمِ رقص اند بر شعرِ فیضی

زہے جادو آموزِ جادو خیالاں

اے قدِ نیکوئے تو سروِ رواں — وے خمِ ابروئے تو شکلِ کماں

حلقۂ گیسوئے تو دامِ جنوں — طرّۂ ہندوئے تو کامِ جہاں

هم لبِ جادوی تو آبِ حیات — هم خطِ دلجوی تو خضرِ زمان

آمده آهوی تو عینِ بلا — کشتهٔ آهوی تو شیرِ ژیان

بستهٔ گیسوی تو **فیضیِ** زار

خستهٔ هندوی تو خلقِ جهان

فلک زین کجرویها بایت نمی‌گویم که برگردی — شبِ وصل است خواهم اندکی آهسته‌تر گردی

ز مهتابِ رخش ویرانهٔ من روشن است امشب — اگر وقتِ طلوع آید ای خورشید برگردی

پس از عمریست امشب کز کمالِ اقبالِ من طالع — ترا ای شب نمی‌خواهم به وقتِ خود سحر گردی

عجب نبود که جز روزِ قیامت پرده بگشائی — که ای صبحِ سعادت از شبِ من باخبر گردی

تو ای اخترشناس امشب تو با نی گفت گردون را — که بهرِ خاطرم بر عکسِ شبهای دگر گردی

مها امشب بجانان دردِ دل دارم میا بیرون

که می‌ترسم خدنگِ آهِ **فیضی** را سپر گردی

سرخوشان، غمزه‌زنان، عشوه‌نمامی آئی — چه کسی و ز کجائی و کجا می‌آئی

گرم می‌آئی و دل می‌طپد از آمدنت — غالباً از پیِ دل بردنِ ما می‌آئی

وه چه جادوگری ای شوخ که اندک اندک — می‌رود هوشِ من و دل شده تا می‌آئی

کس نه بینم که ترا بیند و از خود نه رود — تا تو در دیدهٔ مردم چه بلا می‌آئی

می‌دهد جان به تماشای جمالت **فیضی**

گرچه در دیدهٔ او روح‌فزا می‌آئی

گزشت آں کہ دلِ بُرد بار داشتمی — بہ زیرِ کوہِ ملامت قرار داشتمی

گزشت آں کہ تو گل گل شگفتہ بودی و من — زہر گلے بہ جگر خار خار داشتمی

گزشت آں کہ چو پیمانِ وصل می بستی — بہ شاہراہِ وفا انتظار داشتمی

گزشت آں کہ چو **فیضی** زخطّ و خالِ بتاں
نظر مقیّدِ نقش و نگار داشتمی

حکیمانہ

رباعیات

آں نیست کہ ما ارض و سما نشناسیم — تیرِ قدر و رازِ قضا نشناسیم

ایں ہژدہ ہزار عالم و ہرچہ درو ست — نشناختہ بہ، اگر ترا نشناسیم

یارب بہ رہِ تو غیرِ شیون چہ کنم — یک ذرّہ دلم نگشت روشن چہ کنم

خواہم بہ بلندی بگرایم لیکن — خود ہمّتِ پست دادۂ من چہ کنم

آں ذات کہ عقل ازاں نشاں دید نہ — واں نور کہ دیدۂ گماں دید نہ

جز نور نۂ دسے چوں نیکو نگرم نورے کہ باین دیدہ توان دید نہ

یارب قدمے بہ راہِ توحیدم دِہ شوقے بہ نہاں خانۂ تجریدم دِہ
دلبستگی بہ سیرِ تحقیقم بخش آزادگی زقیدِ تقلیدم دِہ

یارب زکرم امیدِ بے بیم دِہ علمے کہ رضائے تست تعلیم دِہ
تاریکیِ عقل در کشاکش دارد از شمعِ رضا فروغِ تسلیم دِہ

قصیده

خواہم اصلاحِ نۂ کتاب کنم نسخۂ کون انتخاب کنم
سطرِ سطرِ کتاب خانۂ دل خالی از حرفِ ناصواب کنم
لوح لوحِ نگار خانۂ تن سادہ از خورد و نفس و خواب کنم
از سیہ نامۂ جرائمِ نفس لوحِ دیباچۂ ثواب کنم
بہ ظلماتِ عقلِ جادو سنج دیو در شیشۂ حباب کنم
رخشِ چابک خرامِ ہمت را از خمِ آسماں رکاب کنم
انعیِ حرص را بہ نیم فسوں فارغ از رنج و پیچ و تاب کنم

رجمِ دیوانِ حرص را پیوست — از خطِ دوستی شهاب کنم
اگر از حرفِ من به پیچد سر — بر دبیرِ فلک عتاب کنم
زحل از لرزه بر زمیں افتد — گر ز هیبت به او خطاب کنم
گه به ناقوسیاں قدح نوشم — گه ز قدّوسیاں حجاب کنم
کوہِ عقلم اگر بجا مانم — بحرِ عشقم اگر شراب کنم
لشکرِ شوق چوں بر انگیزم — صبر را خانماں خراب کنم
من در اکسیرِ عشق سیمابم — خُرده نبُوَد گر اضطراب کنم
بخودم فاش کرده و می خواهم — بر خود از بیخودی نقاب کنم

کشمکش

ازاں زماں چه نویسم که بود بے آرام — سفینهٔ دلم از موج خیزِ طوفانی
حدائقِ سخنم را بهارِ افزونی — شقائقِ نفسم را صباحِ ریحانی
گہے چو وہم سراسیمه، کز کدام دلیل — برم ظنون و شکوک از علومِ ایقانی
چرا بُوَد متخالف رسومِ اسلامی — چرا بُوَد متشابه حروفِ فرقانی
زباں کشیده به دار القضائے عُجبِ ریا — شهودِ کذب ز دعوائے گرانِ ایمانی
اگر حقیقتِ اسلام در جہاں این است — ہزار خندهٔ کفر است بر مسلمانی
گہے چو عقل فرو رفته کز چه دریابم — رموزِ حکمتِ دانا دلانِ یونانی

چہ کردہ است تخیّلِ معلّمِ اوّل / چہ گفتہ است ز معنی مترجمِ ثانی
چہ حکمت است الٰہی کہ مرتسم سازم / از و بہ لوحۂ باطن نقوشِ عرفانی
ولے فروغِ حقیقت چگونہ برتابد / دلم نہ گشتہ بہ مشکوئے قدسِ نورانی

قطعہ

فیضی منم کہ باخردِ آسماں نورد / یک چند سیرِ عالمِ انصاف کردہ ام
باگونہ گونہ مردمِ عالم نشستہ ام / سیرِ بہشت و دوزخ و اعراف کردہ ام
ہم در زباں متابعِ اخلاف بودہ ام / ہم در سخن تتبّعِ اسلاف کردہ ام
گر دُرد نیست در سخنِ من عجب مدار / کایں بادہ را بہ پردۂ دل صاف کردہ ام

اہلِ محبّت

دانی کدام طائفہ اہلِ محبت اند / آنانکہ ہم رہینِ وفا یند و ہم رہی
بر سر قدم نہند سُبک تر ز برگِ گل / بر دیدہ بگزرند چو بادِ سحرگہی
گفتارِ شاں بلب چو جوانانِ پردہ در / اسرارِ شاں بہ دل چو نگارانِ خرگہی
جائے کہ دامنِ مژہ نتواں بلند کرد / با صد ہزار دیدہ نمایند ابلہی
نے آں گروہِ خیرہ کہ در پیشگاہِ عقل / ابلہ فریب ساختہ خود را ز ابلہی
در سینہ مہر نے و تمنّائے ہمدمی / در کیسہ ناک نے و گزافِ شہنشہی

غزلیات

این چه مستی ست که بی باده و جام است اینجا
باده گر خام بنوشند حرام است اینجا

ای که از بادیهٔ عشق خبر می پرسی
پای بردار که کونین دو گام است اینجا

زاهدا منتظرِ چشمهٔ کوثر منشین
که به یک جرعهٔ می کار تمام است اینجا

هیچ کس نیست که در دائرهٔ حیرت نیست
صیدگاهیست که جبریل به دام است اینجا

رازِ سربستهٔ خم پیشِ خرد مگشائید
سخنِ پخته مگوئید که خام است اینجا

نام و ناموس ز ما خاک نشینان مطلب
این مقامیست که ناموس ز نام است اینجا

شبِ وصلست کلیم از ارِنی لب بربند
چشم بگشای چه حاجت به کلام است اینجا

قاصدا با تو چه گویم ز حالِ دلِ خویش
یار با ماست چه حاجت به پیام است اینجا

چون شدی معتکفِ میکده فیضی هشدار
کز دمِ پیرِ مغاں فیض مدام است اینجا

حریفِ خلوتِ من عقلِ ذو الفنونِ من است
صریرِ کلکِ من آوازِ ارغنونِ من است

اگر ز چهرهٔ عقلم نقاب بردارند
یقینِ منتهیاں اوّلین ظنونِ من است

وگر ز دیدهٔ عقلم حجاب برگیرند
معارفِ علما تشنهٔ جنونِ من است

عجب که حوصلهٔ روزگار برتابد
اگر برون فگنم آنچه در درونِ من است

به اعتدالِ خرد آن جهانِ منتظم
که آسمان و زمین جنبشِ سکونِ من است

خرابه‌ام ز رحیق و رفیق هر دو تهی است
قوامِ بادهٔ مدهوشیم ز خونِ من است

فسردتنی ز خساں کَے بُوَد تمنایم
به سجدهٔ ادبم کلکِ واژگونِ من است

باز یارانِ طریقت سفرے در پیش است
ره نوردانِ بلا را خطرے در پیش است

کس نمی گویدم از منزلِ اوّل خبرے
صد بیاباں بگذشت و دگرے در پیش است

همرهاں ایں همه نومید نباشید از من
که دعائے سحرم را اثرے در پیش است

ما نه آنیم که نادیده قدم بگذاریم
شکر کن قافله را راهبرے در پیش است

اے صبا بر سرِ آفاقِ گلِ مژده بریز
که شبِ تیرهٔ ما را سحرے در پیش است

فیضی از قافلهٔ کعبه رواں بیروں نیست
ایں قدر هست که از ما قدرے در پیش است

دهر را مژده که روزے دگرے پیدا شد
که ز خورشید سحر خیز ترے پیدا شد

خفتهٔ بختِ شبِ تفرقه بیدار شدند
که در آفاق مبارک سحرے پیدا شد

آسمان دید شب و روز جهاں گردیِ او
گفت خورشید مرا همسفرے پیدا شد

اے که از تیرِ اقبالِ نظری خواهی
چشم بکشائے که صاحب نظرے پیدا شد

گمرهانِ رهِ تقلید به حیرت بودند
شکر کایں قافله را راهبرے پیدا شد

چند تاریک نشینی شبِ هجراں فیضی
خیز کز صبحِ سعادت اثرے پیدا شد

بیا کہ روی بہ محرابِ گاہِ نور نہیم / بنای کعبۂ دیگر ز سنگِ طور نہیم

حطیمِ کعبہ شکست و اساسِ قبلہ بریخت / بہ تازہ طرحِ یکی قصرِ بی قصور نہیم

علوِّ طاقِ حرم تا بہ چند مصلحت است / کہ داغِ عشق بہ پیشانیِ غرور نہیم

تو قطعِ دیر فرو چیں کہ ما قرابۂ می / بہ شہپرِ ملک و طیلسانِ حور نہیم

ز جوشِ جرعہ کشاں صد قیامت انگیزیم / جہاں جہاں ز صراحیِ بادہ صور نہیم

بہ جرعۂ کہ بسوزد دماغِ خلوتیاں / خفای صومعہ در عرصۂ ظہور نہیم

نفس بہ گرمیِ ایں بزم تا بہ کی **فیضی**
دگر بہ مجلسِ روحانیاں بخور نہیم

من دفترِ کون و مکاں یک یک مفصّل دیدہ ام / اوراقِ تقویمِ فلک جدول بجدول دیدہ ام

لوحِ ازل بگشادہ ام سرِّ ابد دانستہ ام / تفسیرِ ہستی کردہ ام آیاتِ مُنزل دیدہ ام

نقشِ ہیولیٰ بستہ ام تکمیلِ صورت دیدہ ام / پایہ بہ پایہ گشتہ ام اعلیٰ و اسفل دیدہ ام

در چشمِ عارف از ازل فرقی نباشد تا ابد / اوّل در آخر خواندہ ام آخر در اوّل دیدہ ام

زنگارِ ہستی کی بُوَد در گوہرِ والای من / آئینۂ روشن دلم کز عشق صیقل دیدہ ام

فیضی بہ لوحِ نیستی بر عقل خط درکش کہ من
در کارگاہِ عاشقی دانش معطّل دیدہ ام

ما طائرِ قدسیم نوا را نشناسیم / مرغِ ملکوتیم ہوا را نشناسیم

از عرش مپندار کہ لغزد قدمِ ما / مستیم نہ زانگونہ کہ جا را نشناسیم

بالنگرِ دلِ کشتیِ توحید برانیم
موجِ غم و طوفانِ بلا را نشناسیم

ما وحدتیِ خلوتِ شاہنشہِ عشقیم
ویں لشکریانِ من و ما را نشناسیم

از نقش و نگارِ دو جہاں سادہ درونیم
صورتگریِ چین و خطا را نشناسیم

در دیدۂ ما خورد و بزرگ است برابر
از پیکرِ خورشید سہا را نشناسیم

دل بستۂ عشقیم و طہورا نہ پذیریم
پروردۂ فقریم و غنا را نشناسیم

در کشفِ حقائق سبق آموزِ ضمیریم
ترتیبِ دلیلِ حکما را نشناسیم

از قافلۂ ما نتواں یافت نشانے
رقصِ جرس و بانگِ درا نشناسیم

بر دانشِ ما انجم و افلاک بخندند
گر صاحبِ لولاک لما را نشناسیم

قصۂ عشق کہ ماند ایں ہمہ ناگفتہ بسے
با تو گوییم بہ شرطے کہ نگوئی بہ کسے

کس بہ منزلگہِ مقصود نرفت آبلہ پا
بوالفضولے دو سہ دیدم بہ رہ و بوالہوسے

آستانِ حرمِ عشق مقامِ ادب است
دست بکشائے دریں پردہ بہ ہر ملتمسے

اگر اینست گلِ تازہ کہ من دارم نیست
بلبلاں را ز پر و بال گراں تر قفسے

حیرتم سوخت کہ ہمراز بہ گوشم آمد
صوتِ زنجیرِ درِ کعبہ بہ بانگِ جرسے

ہمت است ایں کہ دہد کامِ دل اما چہ کنی
کہ بہ ایں طاقِ بلندت نبود دسترسے

فیضی از زندگیِ مردہ دلاں می خواہی
بایدت گرم تر از صبحِ قیامت نفسے

محمد حسین نظیری

(وفات ۱۰۲۳ھ)

غزلیات

از کفِ نمی‌دہد دلِ آساں ربودہ را
دیدیم زورِ بازوئے ناآزمودہ را

من در پئے رہائی و او ہر دم از فریب
بر سر گرہ زند گرہِ ناکشودہ را

در دل امیدِ مرہم و ایں آہوانِ مست
ریزند بر جراحتِ ما مشکِ سودہ را

ہرگز دلم حلاوتِ آسودگی نیافت
تلخ است خواب دیدۂ در خوں غنودہ را

تا منفعل ز رنجشِ بیجا نہ بینمش
می آرم اعترافِ گناہِ نبودہ را

نادیدہ جورِ او ز وفا لافہا زنم
نتواں نمود ترکِ ستائش ستودہ را

منظورِ یار گشت **نظیری** کلامِ ما
بیہودہ صرفِ شکر نکردیم دودہ را

کجا بودی کہ امشب سوختی آزردہ جانے را
بقدرِ روزِ محشر طول دادی ہر زمانے را

سوالے کن ز من امروز تا غوغا بہ شہر افتد
کہ اعجازے فلانے کرد گویا بے زبانے را

بہ ہر بزمے کہ می گیرند کالائے وفا خوب است
پس از عمرے گزار افتاد بر ما کاروانے را

به افسون موم آہن کردن آساں ترازاں باشد — که از کیں بر سرِ مہر آوری نامہربانے را

نمیدانم نظیری کیست چوں می آمدم زاں کمے
به حالِ مرگ دیدم بر سرِ رہ ناتوانے را

خانه در کوئے مغاں کردم خراب — عاقبت ہم طبع گشتم با شراب

دہر پیرم کرد اما ذوقِ عشق — گرم تر دارد مزاجم از شباب

از جوانی ہست ذوقے در سرم — از نمک ماندست شورے در کباب

زنده دارد مرده را آثارِ مرد — نامِ گل باقیست چوں گردد گلاب

چارهٔ ناسور تسلیم است و بس — خلق مرہم می نہند از اضطراب

بہ که پوشم چشم زیں دل خفتگاں — روئے بیداراں مگر بینم به خواب

چشمهٔ حیواں نظیری ہیچ نیست
عالمے تاریک و قحطِ آفتاب

حریفِ ساقی و دُردی نه خطا اینجاست — تمیزِ ناخوش و خوش می کنی بلا اینجاست

بغیرِ دل ہمه نقش و نگار بے معنی است — ہمیں ورق که سیه گشته مدعا اینجاست

ز فرق تا قدمش ہر کجا که می نگرم — کرشمه دامنِ دل می کشد که جا اینجاست

به دل ز دل گزرے ہست تا محبت ہست — رہِ چمن نتواں بست تا صبا اینجاست

به ہر کجا روم اخلاص را خریدار نیست — متاعِ کاسد و بازارِ ناروا اینجاست

زکوئے عجز نظیری سرِ نیاز مکش
زہے رہے کہ در آیند انتہا اینجاست

نظر بخطا ہر و صیاد در قفا خفت است — اجل رسیدہ چہ داند بلا کجا خفت است
کجا ز عشوۂ آں چشمِ نیم باز رہیم — کہ فتنہ خاستہ از خواب و پائے ما خفت است
شمیم مہر ز باغِ وفا نمی آید — بہ ہر چمن کہ تو بشگفتۂ صبا خفت است
کس از معانقۂ روزِ وصل یابد ذوق — کہ چند شب زہم آغوشِ خود جدا خفت است
شبِ امید بہ از صبحِ عید می گزرد — کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفت است
فسانہ صرفِ نظیری مکن کہ خواب کند
شکستۂ کہ بہ صد درد مبتلا خفت است

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست — کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست
جمالِ منعچہ دیدی، شرابِ منعچہ نوش — مگوئے عذر کہ در کیشِ ما مدارا نیست
زپائے تا بہ سرش عشوہ ہائے صف بستہ — ہزار معرکہ در رخصتِ تماشا نیست
بہ حکمِ عقل عمل در طریقِ عشق مکن — کہ راہ دُور کند رہبرے کہ دانا نیست
ہوائے وصل کسے میکند کہ بوالہوس است — درآں دلے کہ محبت بُوَد تمنا نیست
نظیری است بہ حالے زغمزہ خونیں تر
بہ شکوہ تا دلت آزردہ است گویا نیست

عشق را کام بہ عہدِ دلِ خود کامِ تو نیست — صبحِ امید و شبِ وصل در ایامِ تو نیست

دیده ام دفترِ پیمانِ وفا حرف به حرف   نامِ خوباں همه ثبت است همیں نامِ تو نیست

آبِ حیواں نخورد صیدِ تو از لذّتِ تیغ   جاں به حسرت دهد آں مرغ که در دامِ تو نیست

به برازندگیِ قامتِ موزوں نازم   یک قبا نیست که شائستهٔ اندامِ تو نیست

باش در دوستی از خویش نظیری نومید
که ز آغازِ تو پاینده تر انجامِ تو نیست

محبت با دلِ غم دیده الفت بیشتر گیرد   چراغے راکه دودے هست در سر زود در گیرد

پس از وارستگی‌ها بیشتر گشتم گرفتارش   چو صیدے جست صیّادش ز اوّل سخت تر گیرد

محبت بیشتر قائم شود چوں بشکند پیماں   شگوفه اوّل افشاند درخت آنگه ثمر گیرد

مشو از حالِ من غافل که زخمِ کاریٔ دارم   مبادا دیگرے صیدِ ترا از خاک برگیرد

نظیری کوے عشقست ایں نه شاهد بازیٔ رندی
که گر یارے رود از دست کس یارے دگر گیرد

فلک مزدورِ ایماے تو باشد   نوازد هر که را راے تو باشد

نیازارم ز خود هرگز دلے را   که می ترسم درو جاے تو باشد

نهایت نیست طومارِ دلے را   که مضمونش تمناے تو باشد

دو عالم نقدِ جاں بر دست دارند   به بازارے که سوداے تو باشد

نظیری زندگی در دردِ دل جو
که دردِ تو مسیحاے تو باشد

چه خوش است از دو یکدل سرِ حرف باز کردن ‌‌ سخنِ گذشته گفتن گله را دراز کردن

گهے از نیازِ پنهاں نظرے به مهر دیدن ‌‌ گهے از عتابِ ظاهر نگهے به ناز کردن

اثرِ عتاب بردن ز دلِ هم اندک اندک ‌‌ به بدیهه آفریدن به بهانه ساز کردن

تو اگر به جور سوزی، ز جفاکشاں نیاید ‌‌ بجز از دعائے جانت ز سرِ نیاز کردن

نه چناں گرفتهٔ جاں به میانِ جانِ شیریں ‌‌ که تواں ترا و جاں را ز هم امتیاز کردن

ز خمارِ مے ندارم سر و برگِ سجدهٔ بت ‌‌ دل و خاطرِ پریشاں نتواں نماز کردن

تو به خویشتن چه کردی که به ما کنی نظیری
بخدا که واجب آمد ز تو احتراز کردن

نورالدّین ظهوری

(وفات ۱۰۲۴ھ)

غزلیات

به عشق قابلِ دیوانگی خرد منداست ‌‌ سرے ز جمله کن آزاد مرد این بنداست

بگو حدیثِ وفا از تو باور است بگوے ‌‌ شوم فدائے دروغے که راست مانند است

زاہلِ مہر و محبّت نشاں ندارد کس
بہ مہرِ خویش و بہ بے مہریِ تو سوگند است

شود گسستہ بہ ایام گرچہ زنجیر است
اسیر آنکہ بہ تارِ نگاہ دربند است

اسیرِ عشقِ ظہوری نشانہ دارد
نشانہ این کہ بہ بیدادِ دوست خرسند است

بیا ساقی از زاہداں دِہ پیامم
بدہ ساغرے تا نگویم کدامم

ز دریا کشانم بہ این تنگ ظرفی
فرو رفتہ خسہا بہ گردابِ جامم

بنازم کہ در دشمنی نارسایم
بنالم کہ در دوستداری تمامم

بہ ہر رنگ حیراں نہ گردد نگاہم
بہ ہر بوسے بیخود نیفتد مشامم

زآہِ دلِ شب سیہ سقفِ روزم
زاشکِ دمِ صبح پُر جیبِ شامم

شدم تلخ کامِ تو در دہر لیکن
من از شورِ نجانِ شیریں کلامم

ظہوری نیارد سرِ او سلامت
ہماں بے جوابی جوابِ سلامم

دل را بہ یک کرشمۂ پنہاں فروختیم
پُرکار بود مشتری ارزاں فروختیم

جنسِ دیارِ عشق بہ بازار ریختیم
آتش بہ پنبہ، شیشہ بہ سنداں فروختیم

سودائے کفر و عشق نمی شد بہ نقدِ دل
ناچار بود گوہرِ ایماں فروختیم

سودائیانِ کاکلِ دلفیم، دور نیست
گر طعنہ بہ سنبل و ریحاں فروختیم

کارِ ہزار سالہ رفو پیشِ خویش ریخت
زیں چاکہا کہ ما بہ گریباں فروختیم

در مخزنِ جگر گہرِ چند جمع بود   دلّال گشت دیدہ بداماں فروختیم

دیگر ز ما مجوئے ظہوری سرودِ عیش
لب را ز غم بہ نالہ و افغاں فروختیم

بہ راہِ غمت پا ز سر ساختیم   ز ہر موئے صد بال و پر ساختیم
نداریم با آنکہ پروائے سر   برائے تو با دردِ سر ساختیم
دل از آفتِ مرہم آسودہ شد   کہ زخمِ تو حرزِ جگر ساختیم
خوشت باد، اے تلخ کامی برو   کہ ما زہرِ خود را شکر ساختیم
چہ خوش میزند غوطہ ایماں بہ خوں   بلے زہد و تقوی سپر ساختیم
غزالے بہ صحرائے جاں می گزشت   کمندے ز تارِ نظر ساختیم

ظہوری ازیں توبہ درہم مباش
کہ با ساقیِ عشوہ گر ساختیم

ساقی نامہ

بہار

بہار است نرگس قدح بر گرفت   بروئے چمن لالہ ساغر گرفت
بہار است بے مے حرام است زیست   بر احوالِ زہّاد باید گریست

چراے نہ نوشم بہار آمد است | نہالِ نشاطم بہ بار آمد است
بہار است اے خلوتی مژدہ باد | چساں می نشینی، جمادی، جماد!
بہار است رختِ ورع کن گرو | مۓ کہنہ دارد شگونِ سالِ نو
بہار است بلبل برآوردہ جوش | بخندید میناۓ قلقل فروش
صبا دم زد از معجزِ عیسوی | جہانِ کہن را مبارک نوی
عروسِ چمن گشت رشکِ بہشت | بہ مشاطگی آمد آردی بہشت
وداعِ چمن کرد پژمردگی | ہوا را ز دم ریخت افسردگی
ہوا سینہ بر سینۂ گل نہاد | چو از جیبِ گل تکمہ بکشاد باد
کند کودکِ غنچہ تا خوابِ ناز | صبا مہد جنباں بہ دستِ نیاز
مگر عزمِ مے خانہ دارد چمن | کہ پُر کردہ دامان و جیب از سمن
بہار است گو ساقیِ جانفزا | کہ آمد لطافت بہ سیرِ ہوا
دگر تو بہ ہمسر نشد باشکست | کہ دارد دریں فصل پاۓ نشست؟
وہ ابر تا گشتِ غم را بہ آب | زباراں رواں کرد سیلِ شراب

خطاب بہ ساقی

بیا ساقیا گمزراں روز را | بدہ آتشِ معذرت سوز را

گر از افعیِ توبه دل زخم خورد | توان جان به تریاقِ عفوِ تو برد

ز تو عشوهٔ صرفِ این توبه باد | که ذوقِ شکستن مرا توبه داد

بشو چهرهٔ خجلتم را ز گرد | که از توبه کردن دلم توبه کرد

ترا توبه هم از ستم می دهم | علاجے ندارم قسم می دهم

به شیرینیِ شهدِ کنجِ دهن | به جوشِ اسیرانِ چاهِ ذقن

به دُر پاشیِ آتشِ آب دار | به سرپیچیِ سنبلِ تاب دار

به زخمِ سنانهائے مژگانِ خویش | به ذوقِ نگه هائے پنهانِ خویش

به روئے که سوزد ز تابش نقاب | به چشمے که از چشمها بُرده خواب

به پیچانِ آهم که در موئے تست | به حقِّ نگاہے که بر روئے تست

به قدّے که طوبےٰ عبارت از وست | به چشمے که در شهر غارت از وست

به نازے که صد کشته را خون بهاست | به قهرے که با آشتی آشناست

به جرمے که بر عفو منّت نهاد | به عفوے که روئے گنه بوسه داد

به بے مهریِ چاره سازِ کسے | به عجزِ ظهوری، به نازِ کسے

که دیگر مکن بر نگاهت جفا | به زنجیرِ نازش مفرسائے پا

شرابِ سخن ده ز تنگِ شکر | ز بادامِ تر ریز نقلِ نظر

چه داری درِ آشتی میخ دوز | به ساغر کن آن آتشِ کینه سوز

که نے صلح ماند به یادم نه جنگ | نه ناموس آید به کارم نه ننگ

نہ روید ز لب قصّہ‌ٔ ہیچ کس — ہمیں با تو ماند سروکار، بس
تہی تا بہ کَے بر تغافل مدار — نداری مروّت، ندارم قرار
کسے چند باشد چنیں تنگ دل — سرت گردم اے ساقیِ سنگ دل

اسیرِ خمارم شرابے کجاست؟
دلم بر دلم سوخت آبے کجاست؟

خطاب بہ مطرب

سرت گردم اے مطربِ خوبروئے — کہ مرغولہ خوانی و مرغولہ موئے
ز رخسارِ خود پردہ یک گوشہ نہ — بلے شاہدِ نغمہ در پردہ بہ
صبا بر زد از جیبِ نوروز سر — بہارِ گلِ نغمہ آمد دگر
ز غم قامتِ بینوایاں دوتاست — قدت باد چوں قولِ عشاق راست
بہ جانم ز دہرِ مخالف نواز — بزن بر حدی ہائے راہِ حجاز
پئے عندلیبانِ دارالسلام — توانی ز تارِ نفس بافت دام
مئے لالہ گوں بر دویدت بہ سر — نباشد چرا نغمہ رنگین تر
بدہ نغمہ ہائے ترم سر بہ مغز — بگو پائے عقلِ سبک سر بہ لغز
مغنّی بیا نغمہ بر تار زن — کہ می پیچد از غصّہ رگہائے من

بیا از درِ چاره سازی درآ — زمانی به خاطرنوازی درآ
بیارا صفِ نغمه بردارِ چنگ — که چنگیزِ غم میزند طبلِ جنگ
بیا مطربا پرده را ساز کن
طرب می رود اینک آواز کن

طالب آملی

(وفات ١٠٣٦ھ)

غزلیات

شیفته شو دلا یکی عارضِ دلفروز را — رشکِ حیاتِ خضر کن زندگیِ دو روز را
لعلِ لبِ کرشمه را چاشنیِ عتاب ده — چینِ غضب زیاده کن ابروی کینه توز را
شعله مزاج مطربا سخت فسرده خاطرم — آتشِ نغمه تیز کن سازِ تمام سوز را
توسنِ جلوه را عنان جانبِ بیدلان فگن — مشعلِ راه وعده کن برقِ بهانه سوز را
سینه به شامِ بیدلان صاف نه میکند سحر — با شبِ ما عداوتی هست همیشه روز را
در دلِ خویش می خلم نیم نفس که با جگر — هست کرشمه گونهٔ ناوکِ سینه دوز را

من بہ کرم سزا نیم لیک تو شخصِ ہمّتی
رتبۂ آفتاب دہ کرمکِ شب فروز را

عشق کجا ہوس کجا طالب ازین غلط گزر
تفرقہ کن ز ہم یکے شانِ پلنگ و یوز را

وقتِ سحر بہ نالہ نکو شد کسے چرا
مستیِ بلبلاں نفزود شد کسے چرا

لب تشنہ زیستن بہ وجاں ذوقِ دشمنی است
آب از دہانِ تیغ ننوشد کسے چرا

با آفتاب کس نبود انہ چہ ہم سلوک
یعنی بہ خلقِ گرم نجوشد کسے چرا

فصلِ خزاں بہ طرفِ چمن خامشی خطاست
بر یادِ بلبلاں نخروشد کسے چرا

آزاد زیستن روشِ سرو و سوسن است
خود را بہ یوسفی نفروشد کسے چرا

آنجا کہ غمزہ نیش بہ آہن فرو برد
پیراہن از نسیم نپوشد کسے چرا

طالب چو انتہائے ملامت شگفتگی است
دائم بہ شغلِ گریہ نکوشد کسے چرا

مستانہ رہِ میکدہ طے می کنم امشب
پرواز بہ بال و پرِ مے می کنم امشب

ہر چشم زدن در پئے آں گوہرِ نایاب
صد بحر بہ پائے مژہ طے می کنم امشب

تا نامۂ بلبل نبرد جانبِ گلزار
گر پیکِ نسیم است کہ پے می کنم امشب

در مدِ نظر ہم گل و ہم چہرۂ ساقی است
گہ روے بہ گل گاہ بہ وے می کنم امشب

مخمورم و پیمانۂ صد عمرِ ابد را
تبدیل بہ یک ساغرِ مے می کنم امشب

مے می شوم از یادِ لبِ روح مزاجت
دانگاہ سراغِ رگ و پے می کنم امشب

او مستِ شکر خواب و من از نالۂ جاں سوز | نے ہا ہمہ درنا خنِ سنے می کنم امشب
با ایں نفسِ سرد چو می نالم از ایّام | گر فصلِ بہار است کہ دَے می کنم امشب
پیرانِ جہاں را چو عصا بادۂ ناب است | من نیز یکے تکیہ بہ مَے می کنم امشب
خوابے کہ بہ صبح از دلم گشتہ فراموش | تعبیر بگویم بہ تو، سکے می کنم امشب
حرفے بلب از جودِ تو می آرم و از رشک | خوں در جگرِ حاتم سطے می کنم امشب

از خاکِ رہِ خانِ جواں بخت چو طالب
سر نامزدِ افسرِ کَے می کنم امشب

صبح است و نیم قطرۂ مے در پیالہ نیست | زانم دماغ گل نہ و پروائے لالہ نیست
بے ذوق تر ز مردۂ ہفتاد سالہ ام | یکدم کہ در پیالہ شرابِ دو سالہ نیست
اوراقِ کہنہ سکے بہ مئے کہنہ می رسد | ذوقے کہ در پیالہ بُوَد در رسالہ نیست
پہلو تہی ز نکہتِ گل می کند مشام | امشب کہ در برآں بُتِ مشکیں کلالہ نیست
کامم روا نشد ز لبِ لعلِ او مگر | تاثیر در قلمروِ ایں آہ و نالہ نیست
مے در کف است، طرّۂ معشوق گو مباش | بارے پیالہ ہست اگر ہم پیالہ نیست

ہر کام در کبِ چاشنیِ غم نہ می کشد
ایں نشہ جز بساغرِ طالب حوالہ نیست

از ضعف بہ ہر جا کہ نشستیم وطن شد | وز گریہ بہ ہر سو کہ گزشتیم چمن شد
جانِ دگرم بخش کہ آں جاں کہ تو دادی | چنداں ز غمت خاک بہ سر ریخت کہ تن شد

پیراہنے از تارِ وفا دوختہ بودم　　　چوں تابِ وفائے تو نیاورد کفن شد

ہر سنگ کہ بر سینہ زدم نقشِ تو بگرفت

آں ہم صنمے بہرِ پرستیدنِ من شد

کرشمہ نازک و لب نازک و سخن نازک　　　زفرق تا بہ قدم ہمچو طبعِ من نازک

کسے کہ دیدہ بناگوشِ او شبے در خواب　　　نیامدش بہ نظر برگِ یاسمن نازک

بہ عہدِ تازگیِ لالہ زارِ عارضِ او　　　گماں مبر کہ گلے جوشد از چمن نازک

فغاں کہ از گل و آبِ صنم نہ می جوشد　　　کرشمہ کہ شود طبعِ برہمن نازک

مگر ز غمزۂ شیریں بہ تیشہ داد الماس　　　کہ لوحِ فتنہ تراشیدہ کوہ کن نازک

چناں گداختہ جوشِ خیال طالب را

کہ مو بہ مو شدہ چوں طبعِ خویشتن نازک

می کند ناز بر سرش کاکل　　　می دہد زیبِ افسرش کاکل

خوشتر از روئے زلفِ کافرِ او　　　خوشتر از زلفِ کافرش کاکل

ہست سرکوبِ عقربِ زلفش　　　افعیٔ نامِ دیگرش کاکل

رنگ و بہائے پیکرش زلف است　　　عطرِ بالین و بسترش کاکل

آبِ حیواں بیاضِ عارضِ اوست　　　ماہیانِ شناورش کاکل

موئے بر فرقش افعیِ دو سراست　　　یک سرش زلف، یک سرش کاکل

طالب انشا نمودہ ام غزلے

اوّلش زلف و آخرش کاکل

بیا که هر سرِ مو را نوا طراز کنیم — نقاب هائے عروسانِ نغمه باز کنیم

ز شاهدانِ حقیقت نظر بگردانیم — عنانِ دیده سوئے دلبرِ مجاز کنیم

عیان شد از دو طرف لشکرِ جنون اے کاش — به کشورِ خرد آهنگِ ترکتاز کنیم

خوشا دمے که بصد اضطراب شاهدِ کام — نیاز خواهد و ما لحظه لحظه ناز کنیم

بلاست حوصله کو مستیٔ که نتوانیم — صراحی از مے و جام از کف امتیاز کنیم

حدیثِ شوق به پایان نه میرسد طالب
خموش، تا به کے این قصه را دراز کنیم

شد عمر و گلے از چمنِ عیش نه چیدیم — بر گوشهٔ دستارِ کسے نیز نه دیدیم

در آب و هوائے که گل از شعله دماند — ما سبزه وشان از لبِ جوئے نه دمیدیم

با آن که به گلزارِ جهان طائرِ عطریم — هرگز به پر و بالِ نسیمے نه پریدیم

شد گوش پر از زمزمهٔ طائرِ اندوه — ز مرغِ طرب نیم نوائے نه شنیدیم

چون میوهٔ سرما زده در نشئهٔ خامی — پژمرده شدیم و به رسیدن نه رسیدیم

با این همه شادیم که از شاهدِ ایام
صد ناز چو طالب به نیازے نه خریدیم

بے یار را سبوئے مے اندر کنار به — بے غمگسار شام و سحر مے گسار به

چون بے خرابیٔ نتوان بود در جهان — بارے خرابِ مئے ز خرابِ خمار به

مستی بهارِ عمر بود، دست از و مدار — زیرا که دورِ عمر سراسر بهار به

تلخ است عمر ما بہ ستایش ازاں خوشیم
عمرے کہ تلخ می گزرد، در گزار بہ

پائے کہ نیست در گلِ محنت ز دردِ دوست
چوں دستِ شاہدانِ چمن در نگار بہ

طالب ہزار قہقہہ چوں ہائے ہائے نیست
زاری دگر یہ کُن کہ مرا گریہ زار بہ

در توصیفِ لاہور و منقبتِ مرشدِ خود

خوشا لاہور و فیضِ آبِ لاہور
بہ طاعت میلِ شیخ و شابِ لاہور

نیابی زاہلِ ہندوستاں گروہے
بہ دل نزدیکیِ اربابِ لاہور

گمانم نیست کاندر ہفت کشور
بُوَد شہرے بہ آب و تابِ لاہور

سکندر گو کہ عمرِ خضر یابد
ز آبِ ہمچو شہدِ نابِ لاہور

گہ گر یک خضر آبِ زندگی داشت
ہزاراں خضر دارد آبِ لاہور

بُوَد لاہور شہرے جملہ آرام
نیابی مضطرب سیمابِ لاہور

میاں بکشاد خوش واکش کہ در ہند
فراغت نیست جز در خوابِ لاہور

بہ رسمِ کاسیاں از شام تا صبح
کتاں بافی کند مہتابِ لاہور

بہ چنگِ زہرہ مشکیں تار بندد
ہر زلفِ بریشم تابِ لاہور

بہ زخمِ سکّہ پیشانی خراشد
زرِ خورشید را ضرّابِ لاہور

ز طاقِ ابروے زنّاریاں پُرس
نشانِ مسجد و محرابِ لاہور

قلم چوں تیر سازم، نقش گیرد
ہزاراں فتنہ از القاب لاہور

کنم زاں رو مرید آسا شب و روز
کرامتہا بیاں در باب لاہور

کہ پیرِ دستگیر و مرشدِ من
یکے قطب است از اقطاب لاہور

خدایا زندهٔ جاوید دارش
بہ آبِ خضر یعنی آب لاہور

ابوالبرکات منیر لاہوری

(۱۰۱۹ھ — ۱۰۵۵ھ)

غزلیات

بشارت باد اے دل دلنوازے کردہ ام پیدا
نگارے شوخ چشمے عشوہ سازے کردہ ام پیدا

سرم دارد ہوائے سجدهٔ کوئے پریروئے
ز طوفِ کعبہ و دیر احترازے کردہ ام پیدا

دلم را می خراشد غمزهٔ خونخوارِ شوخِ او
پئے صیدِ تذروِ خویش بازے کردہ ام پیدا

سبک رو چوں نسیم صبح گشتہ توسنِ فکرم
بہ جولاں گاہِ معنی ترکتازے کردہ ام پیدا

باز وقت آمد کہ از کیفیتِ فیضِ ہوا / ابر گردد تر دماغ و گل شود رنگیں ادا

مسطرش از رشتۂ باراں کند ابرِ بہار / چوں نگارد وصفِ گل بر کاغذِ ابرے ہوا

از تماشائے چمن نظارہ رنگیں می شود / می تواں بستن کنوں بر پنجۂ مژگاں حنا

مصرعِ آں قامتم یاد آمد و از خاطرم / مطلعے سر زد کہ لفظِ اوست چوں معنی رسا

قامتِ او صد قیامت مصرع است و یک ادا / قامتِ موزوں کجا و مصرعِ موزوں کجا

بسکہ دامنگیرِ حسنِ او بُوَد دستِ حجاب / از حیا در خلوتِ آئینہ نکشاید نقاب

چشمِ دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید / عینِ دریا گشت چوں بیدار شد چشمِ حباب

من خجل از ذوقِ خود او شرمسار از نازِ خویش / غافل از شوقِ نگہ او از حیا من از حجاب

نامہ از دردِ دل ہر گہ کہ می سازم رقم / می طپد در دستِ من نبضِ قلم از اضطراب

رنگِ گل چو شد ز فیضِ مدحش از شاخِ قلم / بوئے عود آید بہ بزمِ خلقش از چوبِ رباب

فغاں کہ عہدِ جوانی بہ صد شتاب گزشت / سبک چو موسمِ گل موسمِ شباب گزشت

بہ ناز گفت کہ آیم شبے بہ خواب تو من / دریں خیال ہمہ عمرِ من بہ خواب گزشت

ندید سہوِ قلم در خطِ رخش ہر چند / ہزار بار مصنف بر آں کتاب گزشت

ز فیضِ بادہ شکستی تو آں طلسمِ حباب / بہ یک پیالۂ مے آں بت از حجاب گزشت

خورند لطمہ ز دستِ قضا تنگ ظرفاں / ز موجِ بحر چہا بر سرِ حباب گزشت

منیر در هوسِ انتخاب بود و لے
کتابِ حسنِ تو چوں دید ز انتخاب گزشت

امشب اندر بزمِ ما مستاں صفائے دیگر است — زانکه شمعِ مجلسِ ما دلربائے دیگر است
سوختم از انتظار و سوئے من هرگز ندید — ایں تغافلهائے روز افزوں ادائے دیگر است
هر گناهِ عشوه آلودش دلم خوں می کند — التفاتِ ایں سیه چشماں بلائے دیگر است
عندلیبِ عشقم و خو با مصیبت کرده ام — بوستاں در چشمِ من ماتم سرائے دیگر است

کشتهٔ آں شوخِ بیباکم که در محشر منیر
هر نگاهِ تازهٔ او خونبهائے دیگر است

به جرمِ عشقِ او عالم تباه است — به یادِ زلفِ او روزم سیاه است
نه می گوید سخن با من و لیکن — زبانِ ابروئے او عذر خواه است
به خلوت می تواں در انجمن بود — اگر باور نداری دل گواه است
همانا جلوه گاهِ رحمت ست ایں — که اینجا بے گنه بودن گناه است
سخن گوییم به چشم و چوں حباب هم — نفس در دیده بر جائے نگاه است

نفس شمارئ فرصت سکونِ دیدار ست — به شهرِ آئینه رو کن که جلوه در کار است
میانِ مشربِ تحقیق و مذهبِ تقلید — تفاوتِ دلِ بیدار و چشمِ بیدار است
مپرس سرِّ انا الحق ز سر بریدهٔ چند — به بندِ لب که سخندانِ ایں سخن دار است

مخور فریب ز صورت نظر به معنی کن — که هر چه نقشِ دلت نیست نقشِ دیوارست

امشب نگاہِ گرمِ تو گرمِ آشنائے کیست — رخسارِ دلفروزِ تو شمعِ سرائے کیست

رفتارِ دلکشت رہِ ہوشِ کہ میزند — بالائے تو بہ جلوہ فروشی بلائے کیست

بے نور گشتہ دیدۂ آئینہ بے رخت — اکنوں خیالِ روئے تو حیرت فزائے کیست

ما خود بہ نیم نازِ تو کردیم جاں فدا — چینِ جبین و عقدۂ ابرو برائے کیست

صد دل شہیدِ تیغِ ادائے تو گشتہ اند — ناز و کرشمۂ تو بگو خونبہائے کیست

صوفی و غمِ جبّہ و دستار و دگر ہیچ — ما و ہوسِ دیدنِ دلدار و دگر ہیچ

چیدند گل و لالہ ازیں باغ حریفاں — شد قسمتِ ما سرزنشِ خار و دگر ہیچ

معشوق و خرامیدنِ مستانہ بصد ناز — طاؤس و ہمیں تہمتِ رفتار و دگر ہیچ

مستیم منیر از مئے مے خانۂ معنی
داریم بہ کف نسخۂ اشعار و دگر ہیچ

مے کشاں تشنۂ مئے ناب اند — زاہداں گوشہ گیرِ محراب اند

کشتۂ راحت اند بوالہوساں — لذّتِ غم چگونہ دریابند

نازنیناں ز نازکی اندامی — بارِ نظارہ بر نمی تابند

جاں دہند از برائے کشتہ شدن — عاشقاں ہم مزاجِ سیماب اند

میکشاں چوں حبابِ بادہ منیر
خانہ بر دوشِ عالمِ آبند

چشم بر راہم کہ باز آفت گرے پیدا شود — عشوہ سازے فتنہ جوئے دلبرے پیدا شود
پائے تا سر گریہ ام از فیضِ اشکم دور نیست — گر ز ہر مژگانِ من چشمِ ترے پیدا شود
شہسوارِ حسن می سازد سمندِ فتنہ زیں — تا ز نازو فتنہ ہر سو لشکرے پیدا شود
نو بہار آمد و گر وقت است کاندر بزمِ ما — شیشۂ در جلوہ آید ساغرے پیدا شود
نیستم مانندِ بلبل رنگ و بوئے گل مرا — در سرا غم تا ز گل نازک ترے پیدا شود
نیست بر گردِ حریمِ او کبوتر را گزار — نامۂ ما را اگر بال و پرے پیدا شود
دادِ سربازی دہم از سوزِ دل مانندِ شمع — گر ز ہر تارِ گریبانم سرے پیدا شود

پیش از کرشمۂ تو ستم در جہاں نبود — تا او نبود عربدہ جو آسماں نبود
روزے کہ دل بہ زلفِ تو ام بود آشنا — چوں شانہ جز حدیثِ شبم بر زباں نبود
از موجِ گریہ پردۂ چشمم ز ہم گسست — گوئی نصیبِ کشتیِ من بادباں نبود
لبریز بود دوش لبِ ساغر از سخن — رازے کہ بود در دلِ مینا نہاں نبود
آمد بخوابِ خویش و گرفتارِ خویش شد — با خویش ہم ز فتنہ گری مہرباں نبود

بودیم جبہ سائے درِ او من منیر
نقشِ سجودِ غیر بر آں آستاں نبود

باز قصدِ دلفریبی آن بُتِ طنّاز کرد | غمزهٔ سحر آفرین را جلوه سنجِ ناز کرد
صد هزاران کعبه را دیدم بخلوت گاهِ دل | عشق را نازم که بر رویم درِ دل باز کرد
بوئے گل می آید از گلبانگِ بلبل هر نفس | بسکه بیتابانه گل را در قفس آواز کرد
کشتهٔ عشقت بجنّت رفت و رضوانِ بهشت | زلفِ حور و شهپرِ جبریل پا انداز کرد

آشنا گشتم به طرزِ تازه چون عرفی منیر
فیضِ اشعارِ ترم لاهور را شیراز کرد

رخت به دامنِ صبح آفتاب می ریزد | لبت به جامِ تبسم شراب می ریزد
بهارِ حسنِ ترا نازم اے بهشتی رو | که دسته دسته گل اندر نقاب می ریزد
چنان ز چشمِ تو افتاده ام که اشکِ مرا | به پیشِ مردم هر لحظه آب می ریزد

خوشم منیر که شعرِ ترت چو شبنمِ گل
به روئے شاهدِ طبعم گلاب می ریزد

قدم برون نه نهد ماهِ من ز منزلِ خویش | بُوَد چو صورتِ آئینه زیبِ محفلِ خویش
سهی قدان که گرفتارِ جلوهٔ خویش اند | چو نخلِ شمع دوانند ریشه در گلِ خویش

من و آتشِ محبت تو و آتشِ جوانی | من و عشقِ جاودانه تو و حسنِ جاودانی
ز غبارِ سینه بادا همه عمر تیره چشمے | که بخطِ عارضِ تو نکند سواد خوانی
سبقِ کرشمه کم ده، مژه هائے سحر فن را | که به ابروت ز شوخی نکنند هم زبانی

به تو داده شرحِ سوزم، به تو گفته حالِ اشکم ‌ ‌ ‌ ‌ مژه ام ز گرمِ خونی، نگه ام ز تر زبانی

همه گوش چشم گردد، همه چشم گوش آن دم ‌ ‌ ‌ ‌ که پیامِ تازه گوید به من ابروت زبانی

نه مرا زبانِ شکوه، نه ترا دهانِ خنده ‌ ‌ ‌ ‌ من و رنجِ بی زبانی تو و قیدِ بی دهانی

منم آن که گوی دانش ز شکوهِ نکته دانی ‌ ‌ ‌ ‌ زده خسروِ ضمیرم به قلمروِ معانی

رخِ صفحه ز آبِ گوهر همه شسته شوی یابد ‌ ‌ ‌ ‌ رگِ ابرِ خامهٔ من چو کند گهرفشانی

چو نسیمِ نوبهاری، چو هوای صبحگاهی ‌ ‌ ‌ ‌ سخنم به تازه روئی، نفسم به گل فشانی

ز متانت و جزالت همه لفظ و معنیِ من ‌ ‌ ‌ ‌ چو خرد به کهنه سالی، چو هوس به نوجوانی

چو روم سوی گلستان، غزلِ مرا سرایند ‌ ‌ ‌ ‌ همه بلبلانِ گلشن، ز رهِ مزاج دانی

در صفتِ بنگاله گوید

رسیدم چون ز فیضِ لایزالی ‌ ‌ ‌ ‌ به بنگاله پئ عشرت سگالی

بهشتی دیدم از گلها نگارین ‌ ‌ ‌ ‌ گلش چون چهرهٔ حوران بهارین

سوادش سرمه سای چشمِ نرگس ‌ ‌ ‌ ‌ تنِ گل از نسیمش یافته حس

به هر جا کاندر این کشور رسیدم ‌ ‌ ‌ ‌ بغیر از سنبل و ریحان ندیدم

به نوعی پُر ز سبزه این دیار است ‌ ‌ ‌ ‌ که شهرِ سبز از وی شرمسار است

به تو داده شرحِ سوزم، به تو گفته حالِ اشکم | مژه ام زگرم خونی، نگه ام زتر زبانی
همه گوش چشم گردد، همه چشم گوش آں دم | که پیامِ تازه گوید به من ابروت زبانی
نه مرا زبانِ شکوه، نه ترا دہانِ خنده | من و رنجِ بے زبانی تو و قیدِ بے دہانی

منم آں که گوئے دانش زشکوهِ نکته دانی | زده خسروِ ضمیرم به قلمروِ معانی
برخِ صفحه زآبِ گوہر همه شست و شوئے یابد | رگِ ابرِ خامهٔ من چو کند گہر فشانی
چو نسیمِ نوبہاری، چو ہوائے صبحگاہی | سخنم به تازه روئی، نفسم به گل فشانی
زمتانت و جزالت همه لفظ و معنیِ من | چو خرد به کہنه سالی، چو ہوس به نوجوانی
چو روم سوئے گلستاں، غزلِ مرا سرایند | همه بلبلانِ گلشن، ز رهِ مزاج دانی

در صفتِ بنگاله گوید

رسیدم چوں زفیضِ لایزالی | به بنگاله پئے عشرت سگالی
بہشتے دیدم از گلہا نگاریں | گلش چوں چہرهٔ حوراں بہاریں
سوادش سرمه سائے چشمِ نرگس | تنِ گل از نسیمش یافته حِس
به ہر جا کاندریں کشور رسیدم | بغیر از سنبل و ریحاں ندیدم
به نوعے پُر زسبزه ایں دیار است | که شہرِ سبزوار از وے شرمسار است

به صحرایش همه جا سبزه رسته　　زمیں ز آبِ زمرد روے شسته

ز فیضِ سبزهٔ آں خاکِ خرم　　زمرد گشته مروارید شبنم

زمینِ او سراسر سبزه زارست　　بلے آغازِ ایں ملک از بهارست

ز فیضِ ابر جائے خار و خاشاک　　تواں رُفتن گل و سبزه ازیں خاک

ز تخمے کاں زمیں را می دهد بوس　　هزاراں گل دمد چوں دُمِ طاؤس

ز بارِ گل زمینش گشته عاجز　　کسے نامِ خزاں نشنیده هرگز

بهار انگیز خاکِ فیض ناکش　　چو غنچه پُر ز گل هر مشتِ خاکش

بنالد چوں بخود از عیش بلبل　　که گشته دامنِ صحرا پُر از گل

به گلگشتِ چمن سرمستِ باده　　چو گل آیند گلرویاں پیاده

بهم کرده ز بهرِ عیش سازی　　لبِ جام و لبِ جو بوسه بازی

به هر جائے که بینی سبزه زارست　　بهارست و بهارست و بهارست



قدسی

حاجی محمّد جان قدسی

(وفات ۱۰۵۶ھ)

نعت

مرحبا سیّدِ مکّی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

من بیدل بہ جمالِ تو عجب حیرانم — اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر — اے قریشی لقب و ہاشمی و مطّلبی

نسبتے نیست بہ ذاتِ تو بنی آدم را — بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات — رحم فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم — زاں کہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

عاصیانیم ز ما نیکیِ اعمال مپرس — سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی

سیّدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

ابیات

ز پیوستنِ خلق تجرید بہ — ز پیوندِ ہر شاخ روید گرہ

پیوند با ہیچ کس زینہار
که ناقص بُوَد ظرفِ پیوند دار
زقطعِ تعلق چہ بہتر بُوَد
گلِ خندہ را جائے بر سر بُوَد

خوبانِ اکبر آباد

بہ مُلکِ دگر خاطرم شاد نیست
بہشتے بہ از اکبر آباد نیست
دریں گلشنِ عیش و دارِ سرور
بہ ہر گوشہ جوشِ غلمان و حور
ز سبزانِ شیریں شمائل مپرس
لبِ پُر نمک بین و از دل مپرس
چو سُنبل ہمہ موئے شاں پیچ پیچ
کمر ہیچ و دلہا گرفتارِ ہیچ
شکر خندہ عام و دہن ناپدید
جہانِ نمک بے نمکداں کہ دید
دہن ہیچ، دریہ ہیچ ہم صد سخن
ہمیں در دہاں گفتگوئے دہن
بہ مو رفتہ از چشمِ امید خواب
زدلہا بہ تابِ کمر بردہ تاب
ندارم بجز حرفِ سبزاں ہوس
سخن سبز کردن ہمین است و بس!

کشمیر

خوشا کشمیر و خاکِ پاکِ کشمیر
کہ سر بر زد بہشت از خاکِ کشمیر
سوادش سرمۂ چشمِ بہار است
بہشت و جوئے شیرش آب لار است

زجوشِ سبزہ درکوہ و بیاباں | زمینِ کشتہ و ناکشتہ یکساں
جزآں گلہا کہ مشہورِ جہان است | گل اینجا بوستان دربوستان است
کند در بذلِ عمرِ جاوِدانی | ہوایش کارِ آبِ زندگانی
بہ زیرِ سبزہ رہ درکوہ و صحرا | چو از عقدِ زمرد رشتہ پیدا
بُوَد مائل بہ سبزی خاکِ پاکش | مگر آبِ زمرد خوردہ خاکش
زفیضِ ابرمی روید دریں کاخ | زتارِ شمع گل پیش از رگِ شاخ
کند گل برسرِ دیوار ریشہ | شود فولاد سبز از آبِ تیشہ
نگاری بر ورق گر صورتِ خار | زتاثیرِ ہوا گُل آورد بار
گرافتد از کفِ ساقی پیالہ | دواند ریشہ در گِل ہمچو لالہ
بہ میناگر کند فیضِ ہوا کار | ببالد چوں کدوئے تازہ برتار

غزلیات

باغے کہ گلشن بو بندِ عشقِ مجاز است | نخلے کہ گُنش برنخورد اشکِ نیاز است
خواری و عزیزی بہم آمیختہ در عشق | ہرگام دریں بادیہ صد شیب و فراز است
بے جادۂ عشق بہ منزل نتواں رفت | گر راہِ خرابات وگر راہِ حجاز است

قدسی سخنِ من ہمہ جا آفتِ من بود
چوں شمع کہ از چرب زبانی بہ گداز است

گذشت فصلِ گل و رغبتِ چمن باقی است
وداع کرد شراب و خمارِ من باقی است

برائے جیب دریدن عزیز دارم دست
اگرچه پیرهنم پاره شد کفن باقی است

تراگماں که سخن شد تمام نشنیدی
سخن نمی شنوی ورنه صد سخن باقی است

کفایتے است دلیلِ بقائے ناز و نیاز
فسانه که ز شیرین و کوهکن باقی است

شکست جام و حریفاں شدند مُرد چراغ
ز سادگی دلِ من خوش که انجمن باقی است

اگر روی به سفر غربت است و غم قدسی
اگر سفر نه کنی محنتِ وطن باقی است

پارسا در حلقهٔ رنداں نشستن خوب نیست
هر که امشب مے نمی نوشد مرا منسوب نیست

در چنیں فصلے که بلبل مست و گلشن پُر گل است
گر همه پیمانهٔ عمر است خالی خوب نیست

سرنوشتم را قضا از بس پریشاں زد رقم
هر که دیدش گفت مضمونے دریں مکتوب نیست

در مجلسے که یاراں شراب مدام کردند
نوبت به ما چو افتاد آتش به جام کردند

اینجا غمِ محبت، آنجا سزائے عصیاں
آسائشِ دو گیتی بر ما حرام کردند

از بسکه شیشه ها راست از هر طرف سجودے
مے خانه را ز طاعت بیت الحرام کردند

چوں ساغرِ شکسته در دیده ها نمی نیست
اسبابِ گریه گویا امشب تمام کردند

در چارهٔ وصالت کانرا کسے ندانست
سودائیانِ زلفت صد فکرِ خام کردند

بتخانه از بتاں پُر، میخانه از حریفاں
ایں خانهٔ تهی را چوں کعبه نام کردند

دارند پارسایاں دائم ز وجد مستی ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ آبِ حلالِ خود چوں بر ما حرام کردند

از خیلِ کامجویاں قدسی کنارہ بہتر
کیں قومِ عاشقاں را بے ننگ نام کردند

دلم پروائے ایں و آں ندارد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ غمے غیر از غمِ جاناں ندارد

ز جاں مجبل و لے مگسل ز جاناں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ کہ جاں دارد عوض، جاناں ندارد

مترس از کشتنِ ما بے گناہاں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ کہ خونِ عاشقاں تاواں ندارد

کے از سوزِ دلم باشد خبردار ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ کسے کو آتشے در جاں ندارد

بہ قیدِ شیشہ نتواں دیدمے را ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ کہ یوسف طاقتِ زنداں ندارد

نکہتِ عشوہ گرو عربدہ سازست ہنوز ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ چشمِ مخمورِ تو سر فتنۂ نازست ہنوز

تازہ شد دوستیِ ما بہ خطِ تازۂ تو ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ نازکن ناز کہ آغازِ نیازست ہنوز

خاک شد پیکرِ محمود ز تاثیرِ وفا ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ دلِ او در شکنِ زلفِ ایازست ہنوز

راہِ نزدیکِ حرم سعیِ مرا باطل کرد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ لیک شادم کہ رہِ عشق درازست ہنوز

گرچہ نبود سرِ موئے ز حقیقت خالی
دلِ قدسی ز پے عشقِ مجازست ہنوز

دارم دلے اما چہ دل صد گونہ حرماں در بغل ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ چشمے و خوں در آستیں اشکے و طوفاں در بغل

کو قاصدے از کوئے او تا در نثارِ مقدمش ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ہر طفلِ اشک از دیدہ ام آید بروں جاں در بغل

بوئے ترا یک صبحدم گر باد آرد در چمن — گل غنچہ گردد تا کند بوئے تو پنہاں در بغل

برقع ز عارض برفگن یک صبحدم تا از صبا — گردد فراموش صبح را خورشید تاباں در بغل

یارب مرا ثابت قدم از کوئے قاتل بگذراں — من سر بہ جیب انداختہ او تیغ عریاں در بغل

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ — من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

قدسی نہ دانم چوں شود سودائے بازار جزا

از نقد آمرزش بکف من جنس عصیاں در بغل

من لذت درد تو بہ درماں نفروشم — کفر سر زلف تو بہ ایماں نفروشم

در دل ز خیال گل روئے تو خلیدہ — خارے کہ بہ صد گلشن رضواں نفروشم

صد جان فدایت کہ دہم دامنت از دست — دشوار بہ دست آمدہ آساں نفروشم

صد خار الم در جگر و لب نہ کشایم — در باغ چو بلبل گل افغاں نفروشم

کام دو جہاں در عوض غم نہ ستانم — ایں جنس گرامی بہ کس ارزاں نفروشم

قدسی من و تر دامنی عشق چو زاہد

ہرگز بہ کسے پاکی داماں نفروشم

ابوطالب کلیم

(وفات ۱۰۶۱ ھ)

رُباعیات

افسوس کہ جمعیّت از احوالم رفت　　شیرازۂ اوراقِ مہ و سالم رفت
من بلبلِ بے نوایم از بے برگی　　ہم گلشن رفت و ہم پر و بالم رفت

از بادہ گزشتیم بہ پاکان قسم است　　شستیم ز جام دست گر جامِ جم است
توفیقِ ثبات ہم خدا خواہد داد　　آرے تاریخ ہم ثباتِ قدم است

گویند کلیم توبہ آساں شکند　　در مے کدہ آنگاہ نہ پنہاں شکند
فصلِ گل و خون گرمِ حریفاں بسیار　　تا توبہ بود خاطرِ یاراں شکند

زنہار مگو کہ بندۂ گمراہم　　ہر جا کہ روم بہ کوئیت آید راہم
عالم ہمہ آستانۂ درگہِ تست　　ہر جا باشم ساکنِ ایں درگاہم

غزلیات

درین چمن چو گلے نشنود فغانِ مرا
کجاست برق کہ بردارد آشیانِ مرا

چو نخلِ شعلہ بہ باغِ جہاں بہ یک عالم
نہ کس بہارِ مرا دید نے خزانِ مرا

کلیم دام کن از خامہ ہم زبانے چند
کہ یک زباں نکند شرح داستانِ مرا

پیری رسید و مستیِ طبعِ جواں گزشت
تابِ تن از تحمّلِ رطلِ گراں گزشت

وضعِ زمانہ قابلِ دیدن دوبارہ نیست
رو پس نکرد ہر کہ ازیں خاکداں گزشت

در راہِ عشق گریہ متاعِ اثر نداشت
صد بار از کنارِ من ایں کارواں گزشت

حُبِّ وطن نگر کہ ز گُل چشم بستہ ایم
نتواں ولے ز مشتِ خسِ آشیاں گزشت

طبعے بہم رساں کہ بسازی بہ عالمے
یا ہمتے کہ از سرِ عالم تواں گزشت

در کیشِ ما تجرّدِ عنقا تمام نیست
در قیدِ نام ماند اگر از نشاں گزشت

مضمونِ سرنوشتِ دو عالم جز ایں نبود
کاں سر کہ خاکِ راہ شد از آسماں گزشت

بدنامیِ حیات دو روزے نبود بیش
آں ہم کلیم با تو چہ گویم چساں گزشت

یک روز صرفِ بستنِ دل شد بہ این و آں
روزِ دگر بہ کندنِ دل زین و آں گزشت

دل کہ چوں نرگسِ مستت بہ شراب افتادہ است
دفترِ معرفتِ ماست در آب افتادہ است

ما ز آغاز و ز انجامِ جہاں بے خبریم ‌ ‌ ‌ اوّل و آخرِ ایں کہنہ کتاب افتادہ است

شکرِ چشمِ تو کند محتسبِ شہر کزو ‌ ‌ ‌ ہر کجا میکدۂ ہست خراب افتادہ است

بر رُخِ ساقیِ گلرنگ پریشانیِ زلف ‌ ‌ ‌ عکسِ موجیست کہ بر روئے شراب افتادہ است

چشمہ ساری شدہ است از نگہِ سیر البشس
چشمِ گریانِ **کلیم** ار بہ سراب افتادہ است

دیدہ چشمِ مے پرستے دیدہ است ‌ ‌ ‌ اشکم از مستی بہ سر غلطیدہ است

دل براو رفت ایں جا ندید ‌ ‌ ‌ سینہ تنگ و آرزو بالیدہ است

زلفِ او در گوش شرحِ حالِ ما ‌ ‌ ‌ گفتہ است امّا بہم پیچیدہ است

خویش و قومے نیست تا رسوا شویم ‌ ‌ ‌ عیبِ ما را بے کسی پوشیدہ است

کارم از غم رونقے دارد **کلیم**
دست بر سر آستیں بر دیدہ است

شمیمِ خلد گدائے بہارِ کشمیر است ‌ ‌ ‌ شگفتگیِ گُلِ جنارِ دیارِ کشمیر است

لبِ پیالہ زِ تبخالِ رشک می سوزد ‌ ‌ ‌ کہ نشہ وقفِ لبِ جو ئبارِ کشمیر است

اگرچہ پایۂ دلبستگی ست قامتِ سرو ‌ ‌ ‌ عنانِ ہوش بہ دستِ چنارِ کشمیر است

بہ دیدہ خاصیتِ توتیا دہد لیکن ‌ ‌ ‌ بچشم آں چہ نیاید غبارِ کشمیر است

بہ راہ جادہ نتواں شناخت از جدول ‌ ‌ ‌ چہ آبہاست کہ بر روئے کارِ کشمیر است

پیامِ عالمِ بالا کہ گوش تشنۂ اوست ‌ ‌ ‌ ترانہ ایست کہ با آبشارِ کشمیر است

گزشتن از لبِ ساقیِ گلعذار کلیم
خنک چو تو بہ مے در بہارِ کشمیر است

خوش آنکہ لافِ ہنر نزدِ بے ہنر نزند — اگرچہ برق بُوَد طعنہ بر شرر نہ زند
بہ چارہ دست مزن در بلا کہ شستِ قضا — نشاں غلط نہ کند تیر بر سپر نہ زند
چراغِ عقل دہد روشنی ز پرتوِ عشق — نظر نہ بیند تا آفتاب سر نہ زند
دریں بہار چناں روزگار افسردہ است — کہ غیرِ شمع گلے ہیچ کس بہ سر نہ زند

کلیم خوار تر از خود کسے نمی بیند
چرا ز حلقۂ اہلِ وفا بدر نہ زند

گر شبے دیدہ خونفشاں نہ بُوَد — آب در جوئے کہکشاں نہ بُوَد
از دلِ ما نہ رفت آبلہ ہا — ریگِ صحرائے غم رواں نہ بُوَد
ہر کسے سالکِ رہِ دل نیست — راہِ دل راہِ کارواں نہ بُوَد
تا زباں بستہ ایم می فہمیم — سخنے را کہ بر زباں نہ بُوَد
پسِ زانوئے فکر ملکے است — کہ ز اقلیمِ ایں جہاں نہ بُوَد
غیرِ حرفے سبک نمی شنوم — وائے بر گوشم ار گراں نہ بُوَد

در گلستانِ دہر غیرِ کلیم
بلبلِ موسمِ خزاں نہ بُوَد

دل کہ چندیں آہ از جاں می کشد — نقشِ آں زلفِ پریشاں می کشد

دیده ام پست و بلندِ روزگار   دل به آں چاهِ زنخداں می کشد
شیشهٔ ناموس را خوش جذبه است   سنگ را از دستِ طفلاں می کشد
اشک رسوا کرد مارا ورنه دل   ناله را از سینه پنہاں می کشد

در کشاکش تا به کے باشم کلیم
دل به درد و جاں به درماں می کشد

ازاں به چشمِ ترم بے حجاب می آید   که کارِ آئینه گاہے ز آب می آید
چو بنیمت نتوانم که ضبطِ گریه کنم   زدودِ زلف به چشمِ من آب می آید
حیا به گوشهٔ آں چشمِ مست جا کرده   چو زاہدے که به بزمِ شراب می آید
کدام خرمنِ گل را کشید در آغوش   کز آبِ آئینه بوئے گلاب می آید

جواب نامه ہمیں پاره کردن است کلیم
مگو که قاصدِ من بے جواب می آید

دل تمنائے دردِ او دارد   خانه سیلابِ آرزو دارد
خویشِ یک دیگرند عجز و غرور   تیغ پیوند با گلو دارد
کو به کو، در به در زبس گردید   گریه در پیشِ ناله رُو دارد
چشمِ باریک بیں اگر باشد   قدحِ آفتاب مو دارد

از مریدانِ دردِ او ست کلیم
خرقهٔ داغ آرزو دارد

دلے دارم کزو دلہا بسوزد — تر و خشکِ تعلقہا بسوزد
چو اختر بر سپہرِ خاکساری — بمیرد روزہا شبہا بسوزد
میانِ غمگساراں سوزم از غم — چو آں کشتی کہ در دریا بسوزد
ہنر ما را چنیں ناکام دارد — چراغِ خانہ رختم را بسوزد
فلک از سرد مہری سوخت ما را — چو آں نخلے کہ از سرما بسوزد

کجا دارد کلیم ایں پیش بینی
کہ امروز از غمِ فردا بسوزد

زشورِ عشق چہ ہنگامۂ فغاں بندیم — چو شمعِ کشتہ ازیں ماجرا زباں بندیم
نہالِ سرکش و گل بیوفا و لالہ دو روزہ — دریں چمن بہ چہ اُمید آشیاں بندیم
متاعِ خانۂ دل آنچناں بہ یغما رفت — کہ در نماند کہ بر روئے دشمناں بندیم
ہزار شکوہ بیکے کردم و کسے نہ شنید — گزشت آنکہ زیک حرف داستاں بندیم

کلیم سایۂ شاہِ جہاں چو بر سرِ ماست
بہ پشتِ چرخ دگر دستِ کہکشاں بندیم

نے ہمیں می رمد آں نوگلِ خنداں از من — می کشد خار دریں بادیہ داماں از من
با من آویزشِ اُو الفتِ موج است و کنار — دم بہ دم با من و ہر لحظہ گریزاں از من
گرچہ مورم ولے آں حوصلہ با خود دارم — کہ ببخشم بُود ار ملکِ سلیماں از من
بہ تکلم بہ خموشی بہ اشارت بہ نگاہ — می تواں بُرد بہ ہر شیوہ دلِ آساں از من

قمریِ ریخته بالم به پناهِ که رَوَم — تا به کے سرکشی اے سروِ خراماں از من
نیست پرہیزِ من از زہد که خاکم بر سر — ترسم آلوده شود دامنِ عصیاں از من
اشک بیهوده مریز این همه از دیده کلیم
گردِ غم را نتواں شُست به طوفاں از من

ز آتشِ پنهانِ عشق هر که شد افروخته — دُود نه خیزد ازو چوں نفسِ سوخته
دلبرِ بے چشم دکیں گلبنِ بے رنگ بوست — دلکشِ پروانه نیست شمعِ نیفروخته
در وطنِ خود گہر آبلۂ بیش نیست — کے به عزیزی رسد یوسفِ نفروخته
مایۂ آرامِ دل چشمِ ہوس لبستن است — از طپش آسوده است بازِ نظر دوخته
دارد سے بیماریش مستیِ پیوسته است — چشمِ تو ایں حکمت از پیشِ که آموخته
آمد و آورد باز از سرِ کویش کلیم
بال و پرِ ریخته جان و دلِ سوخته

جنوں تا به دادِ اسیراں رسیده — دماغش چه سرہا به ساماں رسیده
غم از ہر طرف ساغرے پیشم آرد — چه ہشیار در بزمِ مستاں رسیده
به چشمِ من از ہر نسیمے که آید — سلامے ز خارِ مغیلاں رسیده
ز برگشتگی ہائے بختِ سیاہم — خبرہا برِ زلف و مژگاں رسیده
کلیم از نگوں بختیِ خود چه نالی
ببیں نالہ ات را، به کیواں رسیده

آمد آں ہوش ربائے دلِ کار افتادہ — زلفِ آشفتہ بہ پایش چو نگار افتادہ

حسرتِ ناوکِ او می کشدم ایں چہ بلاست — کہ اگر تیر خطا گشتہ شکار افتادہ

ہمرہاں دشمن و من بیکس و رہزن در پے — دستم از کار فرو ماندہ و بار افتادہ

کشتۂ عشق شوائے دل کہ ز خس خوار تر است — ہر کہ زیں بحر سلامت بکنار افتادہ

نیست در محفلِ ایں تیرہ دلاں راہِ چراغ — کارِ پروانہ بہ سرہائے مزار افتادہ

قسمت و قدرِ کلیم اے بتِ رعنا بشناس
سروِ بے فاختہ از چشمِ بہار افتادہ

رواجِ جہلِ مرکب رسیدہ است بجائے — کہ کردہ ہر مگسے خویش را خیالِ ہمائے

ز طورِ مرتبۂ موسوی فرود نیاید — بہ دستِ کور گر افتد دریں زمانہ عصائے

ز رغمِ مائدۂ عیسوی بہ خویش ببالد — اگرچہ کاسۂ خالی بود بہ دستِ گدائے

زند بہ نغمۂ داؤد، طعنہ صوت و صدایش — زمانہ بر گلوئے ہر خرے کہ بست درائے

ز خاک بے مددِ دستگیر ہر کہ نہ خیزد — زند بہ افسرِ خورشید نخوتش سرِ پائے

نیاز و عجز گدایانہ می خرند و ندارند — مروتے کہ گدائے ازاں رسد بہ نوائے

ز دانہ خرمنِ اہلِ عنر ور مایہ ندارد — رود بہ غارت اگر بر خورد بہ کاہ ربائے

تمام در شبِ تاریکِ جہل یوسفِ وقت اند — سرے برآورد اے شمعِ امتیاز! کجائے؟

کلیم خاطرِ روشن ز غم چو عکس پذیرد
برائے آئینہ ام تیرگی است زنگ زدائے

شاہزادہ داراشکوہ قادری

(وفات ۱۰۶۹ھ)

رباعی

با اصل رسیدیم و بے فرع نہ ایم
محصول گرفتیم و بے زرع نہ ایم
در مذہبِ ما بود خداداں شرع
بے شرع نہ ایم و بستہ شرع نہ ایم

غزل

خدا پنجاب را معمور دارد
بہ خاکِ اولیا منظور دارد
بُوَد آباد دائم شہرِ لاہور
وبا و قحط زینجا دور دارد
بُوَد فخرش بہ خاکِ حضرتِ پیر
کہ در خود، ہیچو او مشہور دارد
ہمیشہ اولیا خیزد ازیں ملک
خدا ایں قوم را منظور دارد
خطابِ او چو حق کردہ الہ نور
مدام ایں شہر را پُر نور دارد
ہمیشہ شہر خرم باد و سیراب
بہ خوبی در جہاں مشہور دارد
بہ لطفِ خویش قادر قادری را
ہمیشہ خوش دل و مسرور دارد

دیگر

اہلِ حق را تو بد کہ می خوانی | کفر بہتر ازیں مسلمانی
درجہاں ہیچ چیز بد نبود | نیک را بد چرا ہمی دانی
ہرکہ درست بد کجا گوید | بد تو گوئی مگر ز نادانی
نیست اسلام نزدِ جملہ جہاں | مر ترا آرد ایں پشیمانی
آفرینندۂ ہمہ حق است | می کنی اعتراض بہ زیانی
شاہ مارا کہ بد ہمی گوئی | عزل کردم ترا ز سلطانی

فرقِ نیک و بد است دور انداخت
قادری یافت حق ز یکسانی

دیگر

ندیدم در جہاں از کس وفائے | وفا دیدم، بدل دیدم جفائے
شدم بیمار جز حق کس نہ پرسید | سوائے حق نہ آرم آشنائے
مرا ایں اقربا مارند و عقرب | بُوَد لطفِ تو زخمم را دوائے
ندیدم من ز غیرِ تو توقع | نکردم بد اگر جویم سوائے

شفائے دل اگر خواہی ز حق خواہ
تو ہم اے قادری داری خدائے

سرمد

(وفات ۱۰۷۱ھ)

رُباعیات

دُنیا نہ کنم طلب کہ کمتر زخس است — بے دولتِ دیدارِ تو دیں ہم قفس است
خواہانِ وصالم وہمیں است سخن — در خانہ اگر کس است یکحرف بس است

نے سرو قدے کہ رُو نماید یار است — نے سیمبرے کہ زر رباید یار است
آں یار گزیں کہ ہرچہ خواہی بدہد — یارے کہ بہ کارِ تو بیاید یار است

دل باز گرفتارِ نگارے شدہ است — در فکر وغمِ لالہ عذارے شدہ است
من پیر و دلے ذوقِ جوانے دارد — ہنگامِ خزاں جوشِ بہارے شدہ است

سرمد غمِ عشق بوالہوس را ندہند — سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار — ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

سرمد گله جو نشد، نکو شد که نه شد لب بیهده گو نشد، نکو شد که نه شد
منت کشِ دهر می شدے آخرِ کار کارے که نکو نشد، نکو شد که نه شد

سرمد که ز جامِ عشق مستش کردند بالا بُردند و باز پستش کردند
می خواست خدا پرستی و ہشیاری مستش کردند و بت پرستش کردند

سرمد اگرش وفاست خود می آید گر آمدنش رواست خود می آید
بیهوده چرا در طلبش می گردی بنشیں اگر او خداست خود می آید

آں کس که ترا شکوهِ سلطانی داد مارا همه اسبابِ پریشانی داد
پوشاند لباس هر کرا عیبے دید بے عیباں را لباسِ عریانی داد

راضی دلِ دیوانه به تقدیر نه شد فارغ ز خیالِ فکر و تدبیر نه شد
ایامِ شباب رفت و باقی است هوس ما پیر شدیم و آرزو پیر نه شد

از منصبِ عشق سر فرازم کردند وز منتِ خلق بے نیازم کردند
چوں شمع دریں بزم گدازم کردند از سوختگی محرمِ رازم کردند

درمسلخ عشق جز نکو را نکشند / لاغر صفتانِ زشت خو را نکشند
گر عاشقِ صادقی ز کشتن مگریز / مُردار بُوَد هر آنکه اُو را نکشند

سرمد گله اختصار می باید کرد / یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن به رضائے دوست می باید داد / یا قطعِ نظر زیار می باید کرد

یاراں چہ قدر راہِ ذو رنگی دارند / مصحف به بغل، دینِ فرنگی دارند
پیوسته بهم چو مُہرہ ہائے شطرنج / در دل همه فکرِ خانه جنگی دارند

از نقشِ برآب هرچه گفتم گفتم / وز جوشِ حباب هرچه گفتم گفتم
من بعد ز من شعرِ خیالے است محال / ایامِ شباب هرچه گفتم گفتم

من رنگِ گل از گلشنِ صنعت چیدم / معنیِ گناه و مغفرت فهمیدم
در صورتِ اظهار بسے حیرانم / آئینه صفت هرآں چه دیدم دیدم

آشفتهٔ آں زلفِ گره گیر شدم / تدبیر نه ایں بود ز تقدیر شدم
در حلقهٔ آں زلف اسیرم کردند / از شوخیِ عقل پا به زنجیر شدم

آں شوخ بہ من نظر ندارد چہ کنم　　آہ دلِ من اثر ندارد چہ کنم
باآنکہ ہمیشہ در دلم می باشد　　از حالِ دلم خبر ندارد چہ کنم

سرمد تو حدیثِ کعبہ و دیر مکن　　در کوچۂ شک چو گمرہاں سیر مکن
رو، شیوۂ بندگی ز شیطاں آموز　　یک قبلہ گزیں و سجدۂ غیر مکن

احوال شد از زشتیِ اعمال تباہ　　جز فضلِ خدا نیست دگر جائے پناہ
ہرچند کہ من ضعیف و ابلیس قوی ست　　لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

در دیدۂ دل ہمیشہ دارد گزرے　　ہر لحظہ بہ دیدار شود در اثرے
کو خستہ دلے کہ سیرِ ایں جلوہ کند　　از خود رود و ز خود نگیرد اثرے

دریاست دلت گر تو شناور بشوی　　غوّاصِ محیطِ ہفت کشور بشوی
در بحرِ وجودِ تست موجود ہمہ　　طوفاں بکنی و خواہ لنگر بشوی

ہر روز بہ دریائے ہوس گردابی　　از ظلمتِ غفلت ہمہ شب در خوابی
ایامِ جوانی شد و پیری آمد　　وقت ست اگر فیضِ چمن دریابی

ابیات

اعتبارِ وعدہ ہائے مردمِ دنیا غلط
ہاں غلط، آرے غلط، اثبت غلط، نفی غلط

نسخۂ بینائیِ دیوانِ عمرِ ما مپرس
خط غلط، معنی غلط، انشا غلط، املا غلط

غزل

سوخت بے وجہِ تماشا را ببیں
کشت بے جرم مسیحا را ببیں

زندہ کش جاں بیا شد دیدہٗ
گر ندیدستی بیا ما را ببیں

اے کہ از دیدارِ یوسف غافلی
داغِ یعقوب و زلیخا را ببیں

اے کہ از روزِ ازل در حیرتی
یک زماں آں روئے زیبا را ببیں

شاہ و درویش و قلندر دیدہٗ
سرمدِ سرمست رسوا را ببیں

غنی کاشمیری

(وفات ۱۰۷۲ھ)

غزلیات

جنونے کو کہ از قیدِ خرد بیروں کشم پا را — کشم زنجیرِ پائے خویشتن دامانِ صحرا را

بہ بزمِ مے پرستاں محتسب جنبش عزتے دارد — کہ چوں آید بہ مجلس شیشہ خالی می کند جا را

اگر شہرت ہوس داری اسیرِ دامِ عزلت شو — کہ در پرواز آرد گوشہ گیری نامِ عنقا را

بہ بزمِ مے پرستاں سرکشی بر طاق نہ زاہد — کہ می ریزند مستاں بے محابا خونِ مینا را

شکست از ہر در و دیوار می ریزد مگر گردوں — ز رنگِ چہرۂ ما ریخت رنگِ خانۂ ما را

ندارد رہ بگردوں روح تا باشد نفس در تن — رسائی نیست در پرواز مرغِ رشتہ بر پا را

غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ روشن کرد نورِ دیدہ اش چشمِ زلیخا را

جاں را بہ کوئے دوست رواں میکنیم ما — یعنی کہ کارِ عشق بہ جاں می کنیم ما

مطرب گر آرزوئے تو فریادِ ما بود — مانندِ نے بہ دیدہ فغاں می کنیم ما

مشہور در سوادِ جہاں از سخن شدیم — ہمچوں قلم سفر بہ زباں می کنیم ما

نتواں چو زاهد از رهِ خشکی به کعبه رفت　　کشتی به بحرِ باده رواں می کنیم ما

مارا چو شمع مرگ بُوَد خامشی غنی

اظهارِ زندگی به زباں می کنیم ما

بالشِ خوبانِ دگر از پَر است　　شوخِ مرا فتنه به زیرِ سر است

پیشِ لبِ یار که جاں پَرور است　　هر که زند دم ز مسیحا خر است

مرده ام از حسرتِ آغوشِ او　　جانِ من امروز کرا در بر است

بر لبِ خمیازه کشم در خمار　　بخیه اگر هست خطِ ساغر است

بے رخت از بسکه ندارد صفا　　آئینه گویا کفِ روشنگر است

آب بُوَد معنیِ روغن غنی

خوب اگر بسته شود گوهر است

سر همچو تارِ سبحه به صد دُر کشیده ایم　　آخر رسیده ایم به خود آرمیده ایم

آسودگی به گوشهٔ هستی ندیده ایم　　جاں داده ایم و کُنجِ مزارے خریده ایم

چوں شمع بود منزلِ ما زیرِ پاے ما　　از پا نشسته ایم به منزل رسیده ایم

در عالمِ مثال مثالت نبوده است　　هر چند گز دریچهٔ آئینه دیده ایم

بالا گرفت کارِ من از آهِ آتشیں　　از ناله چوں سپند بجاے رسیده ایم

فارغ نیم ز هرزه دَوی همچو آسیا

بیهوده پاے خویش به دامن کشیده ایم

قطعهٔ تاریخِ وفات ابوطالب کلیم

حیف کز دیوارِ این گلشن پرید | طالبا آں بلبلِ باغِ نعیم
رفت و آخر خامه را از دست داد | بے عصائے کرد این رہ را کلیم
اشکِ حسرت چوں نمی ریزد قلم | شد سخن از مردنِ طالب یتیم
ہردم از شورشِ دلِ اہلِ سخن | چوں زبانِ خامه می گردد دونیم
عمرہا در یادِ او زیرِ زمیں | خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاقِ یک دگر | گشته اند این ہر سه در یک جا مقیم

گفت تاریخِ وفاتِ او غنی
طورِ معنی بود روشن از کلیم

چندربھان برہمن لاہوری

(وفات ۱۰۷۳ھ)

غزلیات

اے برتر از تصوّر و وہم و گمانِ ما | اے در میانِ ما و بروں از میانِ ما

آئینه گشت سینهٔ ما از فروغِ عشق — شد جلوه گاهِ صورتِ معنی نهانِ ما

جا کرده درمیانِ رگ و ریشه مهرِ دوست — پرورده شد به مغزِ وفا استخوانِ ما

استادِ عشق حوصله فرمائے عاشق است — صد جا شکسته تا به لب آمد فغانِ ما

مانندِ غنچه گرچه خموشیم **برہمن**
لیکن پُر از نواست چو بلبل زبانِ ما

در تنگ نائے سینه مده راه کینه را — از نقشِ کینه ساده نگهدار سینه را

با ناکسانِ سنگ دلاں حُسنِ اختلاط — باشد بروئے سنگ زدن آبگینه را

افسانه چند بشنوی از اہلِ روزگار — از من شنو حکایتِ رازِ شبینه را

اوّل قدم ز خویش گزشتن رسیدنست — ایں جا ازیں جہت نگزارند زینه را

اشعارِ آبدارِ **برہمن** چو گوہر است
پُر کردم از جواہرِ معنی سفینه را

ہر که دارد ہوسِ عشق نشانے با اوست — چوں گُلِ لاله به دل داغِ نہانے با اوست

در جہاں باش ولیکن ز جہاں فارغ باش — ہر که فارغ ز جہانست جہانے با اوست

ہر چه گوئیم به زبانِ نگہش می گوئیم — مردمِ چشمِ مرا نیز زبانے با اوست

مرد را سود و زیاں در نظر آید یکساں — ہر که شد در گردِ سود و زیانے با اوست

برہمن آنکه دلِ ما به نگاہے می برد
در تماشائے بُتاں اوست که آنے با اوست

رسید موسمِ گل فکرِ مے پرستاں چیست؟
من از صلاح گزشتم صلاحِ مستاں چیست؟

گزشت عمر دریں فکر من ندانستم
کہ جرمِ کفر کدام و ثوابِ ایماں چیست؟

چو ہر دو را نظرے بر بہارِ رحمتِ اوست
بہم نزاعِ دلِ کافر و مسلماں چیست؟

کسے کہ جامۂ جاں پاک دم تواں دارد
بہ نزدِ ہمتِ او چاک در گریباں چیست؟

بہ یادِ نرگسِ مستے چو ایں **برہمن** را
بہ سبزِ باغ چہ کار است کشتِ بستاں چیست؟

کدام دل کہ زیاں دیدۂ تمنا نیست
کدام دیدہ کہ خوں گشتۂ تماشا نیست

زگفتگوئے جہاں لب ببند و فارغ باش
کہ کارِ ما و تو در حلِ ایں معما نیست

خرد بہ ماو تو بسیار رفت و کار نساخت
کہ ایں معاملہ در اختیارِ دانا نیست

بہ راہِ عشق بہ جائے نمی رسد ہرگز
کسے کہ سودہ تر از نقش در تہِ پا نیست

ز اہلِ درد **برہمن** کسے نمی پرسد
گناہِ بے کسیِ ما ز جانبِ ما نیست

عمر اگر ایست چوں بادِ صبا خواہد گزشت
از ہمہ بیگانہ تر ایں آشنا خواہد گزشت

بوئے دردِ آشنائی زندہ میدارد مرا
ہر کہ با درد آشنا شد از دوا خواہد گزشت

ہیچ کس از گردشِ گردوں نمی آید بروں
ہر یکے چوں دانہ زیرِ آسیا خواہد گزشت

راہ سخت و شیشۂ عمرِ گرامی نازک است
صحبتِ مینا و خارا تا کجا خواہد گزشت

بر مزارِ آزادگاں مانندِ گل خواہد گزشت
خارِ صحرائے محبت چوں ز پا خواہد گزشت

اے برہمن درچمن پیش از سحر باید رسید
راہ بسیارست صبح از پیشِ ما خواہد گزشت

فکرِ بیہودۂ غم ہائے جہاں نتواں کرد
خویش را در گروِ سود و زیاں نتواں کرد

بحرِ دنیاست در و سیلِ حوادث بسیار
تکیہ بر رہ گزرِ آبِ رواں نتواں کرد

صورتِ حال گواہِ دلِ غمگیں کافیست
شرحِ ایں راز بہ تقریرِ زباں نتواں کرد

رازِ عشق است کہ در سینہ نہاں باید داشت
با کسے مصلحتِ رازِ نہاں نتواں کرد

برہمن جز رہِ تسلیم سپردن نتواں
سعی در پردۂ تقدیر تواں؟ نتواں کرد

کسے ز حالِ پریشانِ ما خبر دارد
کہ ہمچو بادِ صبا کار با سحر دارد

دماغِ منتِ پیرِ مغاں نماند مرا
کہ جامِ خونِ جگر لذتِ دگر دارد

بہ خونِ دیدہ و لختِ جگر شوم خرسند
کہ شاخ دبرگِ محبت ہمیں ثمر دارد

نظر بہ غیر اگر افگند ز بے بصریست
کسے کہ جلوۂ حسنِ تو در نظر دارد

بجائے خواب برہمن بہ دیدہ خار بیند
کہ عجزِ نیم شبی حالتِ دگر دارد

خواہم از سلسلۂ زلفِ بتاں تارے چند
کہ بہم تاب دہم رشتۂ زنارے چند

زلف بکشا کہ بُوَد در خمِ ہر رشتۂ آں
خطِ آزادیِ دلہائے گرفتارے چند

نرگسِ مستِ تو در بزمِ حریفاں بہ نگاہ
داروئے بیہشی آورد بہ ہشیارے چند

برہمن باز دلِ ما بہ نگاہے بردند
دلبرے لب شکرے چند دل آزارے چند

بہار آمد سخن از جام و صہبا می تواں گفتن
سخن گر نشنود ساقی بہ مینا می تواں گفتن

شکایتہا ز عقلِ ذو فنوں پیشِ جنوں دارم
کہ ناداں ہر چہ پیش آید بہ دانا می تواں گفتن

تو بر ساحل کجا از شورشِ دریا خبر داری
بغوّاصے سخن از قعرِ دریا می تواں گفتن

بہ ہر دل تنگ نتواں گفت غمہائے محبت را
اگر در دل نمی گنجد بہ صحرا می تواں گفتن

برہمن ہوش باید گوش ہر گز بر نمی تابد
حدیثِ عشق جاں سوز ست با ما میتواں گفتن

غنیمت کُنجاہی

(وفات ۱۱۰۷ھ)

مثنوی نیرنگِ عشق

حمد باری تعالیٰ

بہ نامِ شاہدِ نازک خیالاں
عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالاں

ز مهرش سینه‌ها جولان‌گهِ برق | دلِ هر ذرّه در جوشِ اناالشرق
جگرسوزیِ چراغِ خانهٔ او | تپش‌ها شوخیِ پروانهٔ او
دلِ مستانِ عشقِ خود مقامش | شکستِ رنگ‌ها مهتابِ بامش
به شوقش لختِ دل دیوانهٔ چشم | چراغان دیده شد در خانهٔ چشم
به یادش شورِ بلبل رنگ بسته | نمکدان‌ها به زخمِ گل شکسته
به هر کس فیضِ مهرش یک نظر دید | ز خاکش چشمهٔ خورشید جوشید

مناجات بدرگاهِ باری

الٰهی از غمت خون در جگر کن | سرشک آبادِ چشم آباد تر کن
دلم ز افسردگی‌ها در قرار است | نمیدانم که عشقت در چه کار است
الٰهی آتشِ عشقِ جگرسیر | چراغِ خانقاه و شعلهٔ دیر
دلِ افسرده را از سینه برکش | دلے دِه، خونبهائے جوشِ آتش
دلے دِه سربسر عشق و همه سوز | سرشکِ دیده، داغِ دل افروز
دلے چون غنچهٔ الفت خانهٔ ریش | به رنگِ لاله داغِ آتشِ خویش
دلے دِه مسکنِ عشقِ ستم زاد | ز گرمیِ محبّت آذر آباد
دلے چون قطره لبریزِ چکیدن | دلے چون شعله سرجوشِ تپیدن
دلے دِه همچو گل در خون نشسته | دلے چون خاطرِ بلبل شکسته

دلے پروردۂ آغوشِ محشر — قیامت زادہ ہائے آہ در بر
دلے از لذّتِ آرام مہجور — سپندِ روئے آتش، چشمِ بد دور
دلے دیوانۂ وحشی غزالاں — فدائے جلوۂ نازک نہالاں
دلے بینا ز صورت حُسنِ معنی — حریفِ بُلبل و پروانہ اعنی
خیالم را بہ معنی رہبری کن — زشوخی مصرعم بالِ پری کن
ملاحت آں قدر در شعرم افزا — کہ ؤ زخمِ قلم گردد نمک سا
عزیزم ساز از لطفِ خطا پوش — شوم با شاہدِ مطلب ہم آغوش

در مدحِ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ

بیا اے خامہ گر داری زبانے — بہ مدحِ شاہ سر کُن داستانے
شہِ اورنگ زیبِ کامرانے — چراغِ دودۂ صاحبقرانے
سرافرازِ جنابِ بے نیازی — پناہِ شرع، عالمگیرِ غازی
سرِ سرکردۂ گردن فرازاں — بہ عہدِ او جہاں برخویش نازاں
بہ دورِ عدلِ ایں شاہِ ستم سوز — سگ آید بر درِ روباہ ہر روز
بہ تختِ سلطنت ہم شوکتِ جم — بُوَد در خلوت ابراہیمِ ادہم
دلش را نورِ عرفاں شمعِ محفل — مئے جامش شکستِ شیشۂ دل
بُوَد روشن زر ویش در عبادت — شکستِ رنگ چوں صبحِ سعادت

به چشمش گریه ز آشوبِ محبّت نماید در نظر دریائے رحمت
به ذکرِ حق چو آید بر سرِ جوشش فلک را حیرتش گوید که خاموش
شود چوں آتشِ عشقش فروزاں گدازش می کند دریائے عرفاں
به دَردش مے کند گر در خُمِ آرام خُمِ مے خواندش دردِ شکم نام
درو چوں مایۂ مے دید موجود ز تاکِ انگور را زنجیر فرمود
دہانم خود به خود گوہر فشاں شد دعائے دولتش وِردِ زباں شد

در تعریفِ پنجاب

ندیدم کشورے غارت گر تاب به خوبی ہائے حُسن آبادِ پنجاب
چه پنجاب انتخابِ ہفت کشور قسم خوردہ به خاکش آبِ کوثر
فضائے نشۂ مستی ہوائش زمینے کا سما نہا خاکِ پائش
بنائے کعبۂ دلہا ز خاکش عروجِ نشۂ معنی ز تاکش
غبارش آب و رنگِ چہرۂ گُل گیاہش دلربائے زلفِ سُنبل
به ہر جا سبزہ از خاکش دمیدہ رخِ خوباں به پیشش خط کشیدہ
ز شوقِ آں که تا آید به پنجاب دلِ کشمیر صد رہ می شود آب
خنک آں کس که در ہنگامِ سرما دریں گلشن بُوَد گرمِ تماشا
به گرما ہم ہوائش دل نشین است ہوائش سرزمینِ عشق و دین است

بتانش چون ز روئے مہر جوشند
شکر گویند و گوہر می فروشند

بہ ہر شہرش بتانِ گرم بازار
پئے سودا دلِ عاشق خریدار

بہ خوبی ہا ز کنعاں می برد دست
برین دعوی کہ کردم، شاہدے ہست

بہ نورِ جلوہ ہا خورشیدِ ساطع
بہ تیغِ غمزہ ہا برہانِ قاطع

مکتبِ عشق

شنیدم دوش از طرز آشنائے
کہ از مکتب نکوتر نیست جائے

خصوصاً مکتبِ عشق آفرینے
مقامِ ہمچو شاہد نازنینے

مرا روزے بہ دل شوق آشنا شد
کتابِ سیر را شیرازہ وا شد

بہ اُمیدِ تماشائے نگارے
نمودم جانبِ مکتب گذارے

بر آمد بر درِ مکتب خروشم
کہ من سی پارۂ دل می فروشم

بہ گوشِ شاہد آمد نالۂ من
بغل پروردۂ تبخالۂ من

مرا از مہربانی ہا درون خواند
خرد از ہمرہی بیرونِ در ماند

ز سر پا کردہ رفتم یک قدم پیش
بلاگردانِ لطفِ طالعِ خویش

بگفتا پیشتر آ، پیش رفتم
تکلّف برطرف از خویش رفتم

ز دستِ من بصد اعزاز برداشت
غلط گفتم بہ چندین ناز برداشت

ز مہر اوّل غبارش را برافشاند
پس آنگہ سورۂ اخلاص برخواند

پسندش کرد و گفتا من خریدار / بگفتم ار شود طالع مددگار
بگفتا قیمتش، گفتم نگاہے / بگفتا کمترک، گفتم گہ گاہے
بگفتا یافتم، زیں بیش مخروش / مبادا بشنود آخوند، خاموش

کیفیتِ رقص

شبے از شوخیِ آہو سرشتہ / نمک پروردۂ حسنِ برشتہ
ادائے او ہزاراں جلوہ بردوش / نگاہِ او رمِ آہو در آغوش
نشستے سبزہ را رشکِ چمن کرد / چمن را اخگرے در پیرہن کرد
ندانم دیدہ ام در عینِ مستی / رخش یا قبلۂ آتش پرستی
نظرہا باحیا در گرم جوشی / ادا ہا با جفا در خود فروشی
تبسم ہائے پنہانی کہ دانی / نمک پاشندہ بر زخمِ نہانی
ز ہر سو محشرِ نظارہ در جوش / قیامت حرفے از خاطر فراموش
چو رنگیں جلوۂ او مجلس آراست / ز دلہا بے خودی ایں ہنگام برخاست
چہ می باید نشست اے شعلہ پرجوش / برنگِ آتشِ یاقوت خاموش
شنید ایں نغمہ چوں آں شوخِ پرمست / بسانِ شعلہ تند و تیز برجست
چو رقص از شعلۂ انگیز سرشد / ز بادِ دامنِ خود تیز تر شد
بہ رقصش گرمِ شوخی ہا برو دوش / ہمہ اعضا چو موجِ بادہ در جوش

دلِ عشاق شد و بے قراری / ز پایش فتنہ ہا را دست یاری

نشستن صد بیاباں رم در آغوش / ستادن با قیامت دوش بر دوش

گہے چوں برق جستن ساز دادے / گہے چوں شاخِ گُل کج ایستادے

چو بردے بر کمر دست آں ادا مست / شدے موئے کمر خطِ کفِ دست

چو می کردے بدست افشانی انگیز / زدے سیلی بروئے زہد و پرہیز

بہ پا کوبی چو جستے مست از جا / شکستے دانۂ انگور دلہا

بردل می آمد از ہر دانہ آبے / ندانم خونِ نابے یا شرابے

غزلیات

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا / کہ می بالد بہ خود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

بہ یادِ داغہائے کہنہ دل دارد تماشائے / شود طاؤس را سیرِ چمن برگشتہ دیدنہا

وحشتم پر زد و طاقت زیر دست افتادہ است / ہمچو موج از خود بکارِ من شکست افتادہ است

طاقتِ برخاستن چوں گردِ تمنا کم نماند / خلق میداند کہ مے خوردہ است، مست افتادہ است

چارہ راہِ خویش گردیدند چوں گرداب ہا / ہمتِ اربابِ دنیا بسکہ پست افتادہ است

بہ یادِ قدِّ تو آہے کہ داشتم دارم / فغانِ شعلہ بناہے کہ داشتم دارم

ز رنگِ کوکبِ طالع ندارم آگاہی
نظر به چشمِ سیاہے که داشتم دارم

ہنوز زخمِ جگر منتظرِ تجلّی کیست
به کوئے وصلِ تو راہے که داشتم دارم

چرا ز قبلۂ امید رو نگه دیداست
خیالِ طرفِ کُلاہے که داشتم دارم

زبانِ شکوۂ من بسته خواستن عبث است
سپہرِ عربده خواہے که داشتم دارم

زیاده تُندیِ خوئے غنیمت است به من
به تار تار گیاہے که داشتم دارم

می روم سویش ولیکن در پئے کارِ خودم
خاکِ کوئے یار می جویم طلبگارِ خودم

فکرِ زلفے دامہا در خاطرم گسترده است
صیدِ اُویم گرچه در ظاہر گرفتارِ خودم

نیست بر من باغبانِ ایں چمن را منّتے
از بہارِ داغ چوں فانوس گلزارِ خودم

نشئۂ بزمِ محبّت بے خودیہا بوده است
تا تہی گردیده ام چوں جام سرشارِ خودم

یادِ وحشی در دلم رنگِ اثرہا ریخته است
شوخیِ اندازِ خود کرده است تیمارِ خودم

دستِ من نگرفت غیر از گوشۂ دامانِ خویش
در رہِ افتادگی ہا گردِ رفتارِ خودم

چوں غنیمت تا شدم فکرِ رسا را آشنا
دل نشینِ اہلِ معنی، ہمچو اشعارِ خودم

ز عیدِ بیخودیِ عاشقاں چه میدانی
صفائے بادۂ راحت رساں چه میدانی

اسیرِ زلفِ سیاہے نه بودۂ ہرگز
درازیِ شبِ محنت کشاں چه میدانی

به جنگِ پنجۂ مژگاں بروں نیامدۂ
درازدستیِ نوکِ سناں چه میدانی

شکارِ آہوئے مشکیں نکردہ گاہے / رمِ نگاہِ سیہ چردگاں چہ می دانی

ترا کہ گرم نگاہے نکردہ است کباب / زبانِ شعلۂ آتش بیاں چہ می دانی

بہ التماسِ نگاہے نرفتہ جائے / جوابِ ساقیِ نامہرباں چہ می دانی

نکردہ سیرِ بناگوشِ ماہ رخسارے / قماشِ طاقت و تابِ کتاں چہ می دانی

ترا کہ خندۂ گل بے دماغ داشتہ است / نوائے بلبلِ دردآشیاں چہ می دانی

نظر بہ شعرِ غنیمت نمی کنی چہ کنم
ز جانِ عزیز تری قدرداں چہ می دانی

ناصر علی سرہندی

(وفات ۱۱۰۸ھ)

غزلیات

محبت جادۂ دارد نہاں در خلوتِ دلہا / چو تار سبحہ گم گردید این رہ زیرِ منزلہا

تو چوں ساقی شوی در دِہ تنگ ظرفی نمی ماند / بہ قدرِ بحر باشد وسعتِ آغوشِ ساحلہا

بہ شمعِ روشنے این کلبۂ تار التجا دارد / اگر در دل گداز آید تواں حل کرد مشکلہا

تو رہ از کثرتِ اسباب بر خود تنگ میسازی / ادا فہماں چو بوئے گل رہا کردند محملہا

به هفتاد و دو ملت گردشِ چشمِ تو می سازد   به یک پیمانه رنگین کردهٔ یک شهر محفلها

پس از مردن چو شمعِ کشته روشن شد حریفان را   که در هر دیدهٔ بیدار پنهان بود حائلها

علی امشب مئے شیراز در جام و سبو دارد

الا یا ایها الساقی ادر کاسًا و ناولها

ندارد حیرتِ دل تابِ حُسنِ بے حجابش را   که باشد صافیِ آئینه شبنم آفتابش را

نظرها غافل و عالم پُر از کیفیتِ حُسنش   بُوَد حکمِ پری در شیشه هر رنگ شرابش را

بہ شوخی پائے او بوسیدن و قالب تہی کردن   گدا این بے ادب تعلیم فرما شد رکابش را

درین صحرا گدا این تشنه لب جان داد حیرانم   که از صد جا گریبان پاره شد موجِ سرابش را

بہ محشر حرفِ بے صوت است فریادِ شهیدانش   نمیدانم که داد این سرمه چشمِ نیم خوابش را

ندانم دل شهیدِ کیست لیکن این قدر دانم   که از شمشیرِ او رنگیست موجِ اضطرابش را

به این شوخی غزل گفتن علی از کس نمی آید

به ایران می فرستم تا که می گوید جوابش را

نکوئے گر رود زین بحر نیکوتر شود پیدا   چو گیرد قطرهٔ راهِ عدم گوهر شود پیدا

ز رفتن وا نخواهم ماند در راهِ طلب هرگز   چو شمع از خارهائے پائے من از سر شود پیدا

غبارِ خاطرِ دانا ست اظهارِ هنر کردن   صفا برخیزد از آئینه چون جوهر شود پیدا

به رنگِ ابر پنهان است دریا در غبارِ من   اگر خاکِ مرا جویند چشمِ تر شود پیدا

به طاعت کوش گر عشقِ بلا انگیز می خواهی   متاعِ جمع کن شاید که غارت گر شود پیدا

بہ پیری سعی کن گر در جوانی رفت کار از دست | زرِ گم گشتہ در آتش ز خاکستر شود پیدا

علی شعرم بہ ایراں می برد شہرت ازاں ترسم
کہ صائب خوں بگرید، آب در دفتر شود پیدا

نقش و نگارِ عالمِ امکاں نہ دیدنی است | ایں گفتگوئے ساختہ حرفے شنیدنی است
دنیا خوش است لیک بہ اندازۂ وجود | پیراہنے زیادہ ز قامت بریدنی است
در زیرِ خاک شد دلِ نالاں یکے ہزار | ضائع نگشت تخمِ محبت دمیدنی است
داغم ز ناتمامیِ افسوسِ زندگی | دنداں نماند در دہن و آں گزیدنی است
صد رنگ ریختیم و ہنر مشتری نیافت | شد قطرہ ایں گہر ز خجالت چکیدنی است
کوثر شود بہ دل کہ مئے بے دُرد را خطا است | مستاں عرق ز آتشِ دوزخ کشیدنی است
بلبل بجائے خویش و گل از خویش رفتہ است | معشوق عاشق است حکایت شنیدنی است

غبارِ خاطرِ عشّاق مدعا طلبی است | بہ خلوتے کہ منم یادِ دوست بے ادبی است
خراشِ سینۂ بلبل بہ نوکِ خار گذشت | ہنوز آبلہ در پائے شیشۂ حلبی است
فدائے کوریِ خفّاش چشمِ بینائے | کہ بے خبر زرخِ آفتابِ نیم شبی است
ہزار جرم دریں تیرہ خاک برہم خورد | تمام ریگِ رواں شیشہ ریزۂ حلبی است

مقیمِ کوئے تو سختی کشانِ دل تنگ اند | کہ نالہ گر نکند فاشِ آتشِ سنگ اند

نعمت خانِ عالی

(وفات ۱۱۲۱ھ)

قصیدہ

کشایشِ گرہِ دل بہ ہیچ باب نہ شد / ہزار حیف کہ انگورِ ما شراب نہ شد

ز بیمِ طعنہ ز مے خانہ گرچہ شب رفتی / عجب کہ جام بہ دستِ تو آفتاب نہ شد

گراں بہائیِ یاقوت از چہ رہ باشد / اگر ز رشکِ جمالِ تو آتش آب نہ شد

شہیدِ عشقِ ترا خلدِ جاوداں دادند / ولے چہ سود کہ اجرِ یک اضطراب نہ شد

بہار خواست کہ گل را چو عارضِ تو کند / شد ایں قدر کہ شد، امّا بہ آب و تاب نہ شد

چو عمرِ خضر نہ شد ہیچ عمر، مشہور است / شبِ فراق مگر داخلِ حساب نہ شد

کم است عیشِ جہاں پیشِ غم کہ خندۂ برق / بہ قدرِ رشحۂ از گریۂ سحاب نہ شد

حباب وار مبادا نفس کشی بے جا / چہ خانہ ہا کہ بہ یک دم زدن خراب نہ شد

بہ چشمِ خلق ز نرمی تواں شدن شیریں / بغیرِ موم سرانجامِ شہدِ ناب نہ شد

سخنورا سخنِ عالی آفریں دارد
کدام بیت کہ از شعرش انتخاب نہ شد

غزلیات

داغہا سینۂ ما را چمنے ساختہ اند
بر دلِ زار ز گل، پیرہنے ساختہ اند

تا دہان تو بُو د کے سخنِ غنچہ رواست
بیش ازیں نیست کہ شکلِ دہنے ساختہ اند

جلوۂ حسن محال است کہ بے عشق شود
ہر کجا ہست بُتے، برہمنے ساختہ اند

گُل رخش، سرو قدش، غنچہ لبش، نرگس چشم
از بہار آنچہ بجا ماند تنے ساختہ اند

ہر غزل مجلسِ معنی است کہ عالی طبعاں
چوں مصوّر بہ قلم انجمنے ساختہ اند

فتنہ در چشمِ نگار است چہ می باید کرد
گردشِ لیل و نہار است چہ می باید کرد

دوش ازاں شوخِ جفا پیشۂ خود نالیدم
دل کشید آہ کہ یار است چہ می باید کرد

در محبت ہمہ دل بردن و دل باختن است
عشق مانندِ قمار است چہ می باید کرد

وصل رو داد و بہ دل طاقتِ دیدار نماند
شیشہ خالی و بہار است چہ می باید کرد

بے شمار از تو جفا دیدم و کس داد نداد
وعدہ بر روزِ شمار است چہ می باید کرد

دوست میخواست صبوری ز من امّا دلِ من
دشمن صبر و قرار است چہ می باید کرد

ساقی امروز من از تو بہ حجابے دارم
خود ببیں وقتِ خمار است چہ می باید کرد

عالی از راہِ وفا خاکِ رہش گشت ہنوز
بر دلِ یار غبار است چہ می باید کرد

شد آمدنم رفتن چوں موج به آب اندر — نا دیدنِ من دیدن چوں چشم به خواب اندر
پیدایم و پنهانم چوں معنیِ هر لفظے — موجودم و معدومم کیفم به شراب اندر
آباد و خرابم من چوں خانهٔ تصویرم — گریانم و خاموشم چوں طفل به خواب اندر
بنمایم و ننمایم چوں قلعهٔ آئینہ — پیدایم و پنهانم آبم به سراب اندر
هم دورم و هم نزدیک چوں نقشِ صور در چشم — هم عشرت و هم حسرت چوں وصل به خواب اندر
مجبورم و مختارم در کردنِ هر کارے — در کارم و بیکارم صفرم به حساب اندر

عالی چو کتابم من هم خامش و هم گویا
مضمونِ سوالم من پنهاں به جواب اندر

صیدِ صیّاد دیده را مانم — آهوانِ رمیده را مانم
حاصلم نیست جز غم و حسرت — عیش در خواب دیده را مانم
ناقصم تا نمی رسم در خاک — میوهٔ نارسیده را مانم
می چکد اشک از جدائیها — شاخِ تاکِ بریده را مانم
تپشِ دل بُوَد سراپایم — قطرهٔ ناچکیده را مانم

نشگفتم به کامِ دل عالی
گُلِ بے وقت چیده را مانم

آں نیست که از راهِ وفا آمده رفتی — شد راه غلط ورنه چرا آمده رفتی
چنداں نه نشستی که شود غنچهٔ دل باز — چوں بوئے گل و بادِ صبا آمده رفتی

شد لذتِ دیدار مرا نام تو بُردن — مانندهٔ جاں برلبِ ما آمده رفتی
در دیده و دل ہیچ قرارے نگرفتی — چوں عکس دریں آئینہ ہا آمده رفتی
چوں دانهٔ تسبیح به دست اے دُرِیکتا — آخر به صد آمین و دعا آمده رفتی

در خلوتِ دل بود نہاں یارِ تو عالی
بے جا به طلب در ہمه جا آمده رفتی

مرزا عبدالقادر بیدل

(وفات ۱۱۳۴ھ)

رباعی

قومے به تمنائے زر و مال خوش اند — قومے به تماشائے خط و خال خوش اند
بیدل ہمه ما به حالِ بد می بینند — خوش حال کسا نیکه بهر حالِ خوش اند

رباعی

بیدل تا محوِ گلبنِ نیرنگیم — گاہے گل و گاه غنچهٔ دل تنگیم
گویند ز رنگہا بروں باید بود — دشوار حقیقتے که ما ہم رنگیم

قطعہ

ما بہاریم و دریں حیرت سرا — جلوۂ ما غیرِ رنگے بیش نیست
گر رویم از خود کجا خواہیم رفت — وحشت ایں جا عذرِ لنگے بیش نیست
در بخود سازیم جائے غیرت است — قیدِ ہستی نیز ننگے بیش نیست
ہر چہ بر آئینۂ ما ریختند — گر ہمہ حسن است رنگے بیش نیست
سرخوشِ تسلیم باید بود و بس — گرچہ ایں ہم وہم تنگے بیش نیست

یادِ یاراں

مگو گزشتہ رفیقاں ز دل فراموشند — کدام نالہ کہ در پردہ اش نمی جوشند
چراغِ انجمنِ حیرت نظر بودند — کنوں بہ پردۂ دل داغہائے خاموشند
نہ رفتہ اند دریں بزم تا سخن باقی است — ز دیدہ رفتہ حریفاں ہنوز در گوشند

غزلیات

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بہ چمن درآ

پئے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جست و جو
بہ خیالِ حلقۂ زلفِ او گرہے خورد بہ ختن درآ

نفست اگر نہ فسوں دمد بہ تعلّقِ ہوسِ جسد
زہے دامنِ تو کہ می کشد کہ دریں رباطِ کہن درآ

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنجِ خمارِ ما
چہ قیامتی کہ نمی رسی ز کنارِ ما بہ کنارِ ما

چو غبارِ نالہ بہ نیستاں نہ زدیم گامے ز امتحاں
کہ ز خود گزشتنِ ما نشد بہ ہزار کوچہ دوچارِ ما

ہمہ را بہ عالمِ بیخودی قدحے است از مۓ عافیت
سر و برگِ گردشِ ما ببیں چہ خطے کشد بہ حصارِ ما

دلِ ناتواں بہ کجا بَرَد المِ تردّدِ عاجزی
کہ چو سبحہ ہر قدم اوفتد بہ ہزار آبلہ کارِ ما

نہ بدامنے ز حیا رسد نہ بدستگاہِ دُعا رسد
چو رسد بہ نسبتِ پا رسد کفِ دستِ آبلہ دارِ ما

چمنِ طبیعتِ **بیدلم** ادب آبشارِ شگفتگی
زدہ است ساغرِ رنگ و بو بہ دماغِ غنچہ بہارِ ما

بیا کہ آتشِ کیفیّتِ ہوا تیز است　　چمن ز رنگِ گل و لالہ مستی انگیز است

به گلشنے کہ نگاہت فشاند دامنِ ناز — چو لالہ دیدۂ نرگس ز سرمہ لبریز است
نسیمِ زلفِ تو صبحے گذشت ازیں گلشن — ہنوز سلسلۂ موجِ گل جنوں خیز است
گداختیم نفسها بہ جستجوئے مراد — ہوائے وادیِ امّید آتش آمیز است
ز فیضِ چاکِ دل اندازِ نالہ داریم — چو غنچہ تنگ مشو مرغِ ما سحر خیز است

باز سرگرمیِ نظّارہ بہ ساماں شدہ است — شعلۂ آتشِ دیدار گل افشاں شدہ است
زیں چراغے کہ طرب جوشیِ انجم دارد — آفتابِ دگر از آب نمایاں شدہ است
صلحِ کُل نذرِ حریفاں کہ دریں عشرتگاہ — آتش و آب بہم دست و گریباں شدہ است
آب را ایں ہمہ کیفیتِ رعنائی نیست — مگر از پرتوِ فیضِ قدحے جاں شدہ است

بیدل آں شعلہ کہ زد بزمِ چراغاں گرم است
یک حقیقت بہ ہزار آئینہ تاباں شدہ است

بہ محفلے کہ دل آئینۂ رضاطلبی است — نفس درازیِ فریاد پائے بےادبی است
مئے زخم نکشیدیم عذرِ حوصلہ چند — تنک شرابیِ ما جرمِ شیشۂ حلبی است
خمارِ جامِ تسلّی شکستن آساں نیست — ز نالہ تا بہ خموشی ہزار تشنہ لبی است
بہ درسِ دل عجمی دانشم چہ چارہ کنم — کہ مدعا ز نفس تا بیاں شود عربی است

ز دور باشِ غرورِ تغافلش **بیدل**
من و دلے کہ امیدش خروشِ زیرِ لبی است

شب کہ طوفاں جوشیِ چشمِ ترم آمد بہ یاد
فکرِ دل کردم بلائے دیگرم آمد بہ یاد

تا سحر بے پردہ گردد شبنم از خود رفتہ است
الوداع اے ہمنشیناں دلبرم آمد بہ یاد

اے فراموشی کجائی تا بہ فریادم رسی
باز احوالِ دلِ غم پرورم آمد بہ یاد

با کدامیں آبرو خاکِ درش خواہی شدن
داغ شو اے جبہہ! دامانِ ترم آمد بہ یاد

بیدل اظہارِ کمالم محوِ نقصاں بودہ است
تا شکست آئینہ، عرضِ جوہرم آمد بہ یاد

برائے خاطرم غم آفریدند
طفیلِ چشمِ من نم آفریدند

چساں تابم سر از فرمانِ تسلیم
کہ چوں ابروم از خم آفریدند

طلسمِ زندگی الفت بنائے است
نفس را یک قلم رم آفریدند

اگر عالم برائے خویش پیداست
برائے من مرا ہم آفریدند

علاجے نیست داغِ بندگی را
اگر بیشم دگر کم آفریدند

بختِ من زلفِ یار را ماند
وضعِ من روزگار را ماند

تا نظر باز کردۂ ہیچ است
عمر برق و شرار را ماند

مژہ وا کردنی نمی آرد
ہمہ عالم غبار را ماند

محوِ یاریم و آرزو باقی است
وصلِ ما انتظار را ماند

هر که انجامِ غرورِ من و ما می بیند
بر فلک نیز همان در تهِ پا می بیند

نه کنی جرأتِ کارے که نباید کردن
گر شود ایں قدر آگه که خدا می بیند

جائے رحم است گر آزاده مقیّد گردد
آب در کسوتِ آئینه چها می بیند

بِه که ما نیز چو شبنم همه تن آب شویم
کاں گلستانِ حیا جانبِ ما می بیند

نیست رنگیں ز حنا ناخنِ پایت که بهار
طلعتِ خویش دریں آئینه ها می بیند

همه راست ز انجمن آرزو که به کامِ دل ثمرے رسد
من و پَرفشانیِ حسرتے که ز نامه گل به سرے رسد

چه قدر ز منّتِ قاصداں بگدازدم دلِ ناتواں
به برِ تو نامه برِ خودم اگرم چو رنگ پرے رسد

نه گہے نکرده ز خود سفر ز کمالِ خود چه بری اثر
بردیم در بیت القدر که به ما ز ما خبرے رسد

ثمرِ طبیعتِ عاشقاں به فسردگی ندهد عناں
تبِ موجِ ما نبری گماں که به سکتهٔ گہرے رسد

به هزار کوچه دویده ام به تسلّیٔ نه رسیده ام
ز قدِ خمیده شنیده ام که چو حلقه شد به درے رسد

از پنبه اگر آتشِ سوزاں گله دارد — دیوانه ہم از خارِ بیاباں گله دارد

کو دل که بدانم ز غمت ناله فروش است — کو لب که تواں گفت ز جاناں گله دارد

درعالمِ آسودگیِ خویش روانم — موجِ گہر از چیدنِ داماں گله دارد

چشم واکن، رنگِ اسرارِ دگر دارد بہار — آنچه در وہمت نگنجد جلوه گر دارد بہار

ساعتے چوں بوئے گل از قیدِ پیراہن برآ — از تو چشمِ آشنائی آنقدر دارد بہار

از صلائے رنگِ عیشِ ایں چمن غافل مباش — پاره ہائے چند از خونِ جگر دارد بہار

چشم تا واکردهٔ رنگ از نظرہا رفته است — از نسیمِ صبح دامن برکمر دارد بہار

بے فنا نتواں گلے از ہستیِ موہوم چید — صفحهٔ ما گر زنی آتش شرر دارد بہار

ابر می نالد کز اسبابِ نشاطِ ایں چمن — ہرچه دارد در فشارِ چشمِ تر دارد بہار

از گل و سنبل به نظم و نثرِ سعدی قانعم — ایں معانی در گلستاں بیشتر دارد بہار

زیں چمن **بیدل** نه سروے جست و نه شمشاد رست

از خیالِ قامتش دودے به سر دارد بہار

چنیں کشتهٔ حیرتِ کیستم من — که چوں آتش از سوختن زیستم من

نه شادم نه محزوں، نه گردوں نه خاکم — نه نقطم نه مضموں نه معنیستم من

نوائے ندارم نفس می شمارم — اگر سازِ عبرت نیم چیستم من

جہاں گرچه با سازِ ہستی نبازد — کمالم ہمیں بس بُود نیستم من

به این یک نفس عمرِ موہوم **بیدل**
فنا تہمتِ شخصِ باقیستم من

نه نفس تربیتم کرد نه داماں مددے
آتشم خاک شد اے سوخته جاناں مددے

شوقِ دیدارم و یک جلوه ندارم طاقت
مگر آئینه کند بر منِ حیراں مددے

آرزو می کشدم بر درِ ابرامِ طلب
کو حیا تا کند از وضع پشیماں مددے

یادِ چشمِ تو ز آوارگیم غافل نیست
گردِ این دشتم و دارم ز غزالاں مددے

راحت از قافلهٔ ہوش بروں تاخته است
اے جنوں تا شودم بارِ دل آساں مددے

باہمه ظلم رہا نیست کس از منتِ چرخ
آه زاں روز که می کرد به احساں مددے

حیله جوئے نمِ اشکیم دریں وادیِ خشک
کاش از آبله بخشند به مژگاں مددے

بیدل از غنچه گرفتم سبقِ زانوئے فکر
بود کوتاہیِ دامن به گریباں مددے

واقف بٹالوی

(وفات ۱۱۹۰ھ)

رباعی

به کنارِ کسے نمی آئی! تو به کارِ کسے نمی آئی!
از برائے تو چوں تواں مردن به مزارِ کسے نمی آئی!

غزلیات

تا خوں به ایاغ نیست ما را دل نیست دماغ نیست ما را
اے نالہ مقصّریم از تو کز گریہ فراغ نیست ما را
یک لختِ جگر چو برگِ لالہ بے بہرہ ز داغ نیست ما را
از ما احوالِ دل چہ پُرسی بگزار، دماغ نیست ما را
واقف شبہا ز پرتو داغ
حاجت بہ چراغ نیست ما را

اے به بزمِ شوقِ تو نالاں بہ ہر سو سازہا رفتہ در ہر گوشۂ زاں سازہا آوازہا

مہ جبیناں جبہ سا بر آستانت از نیاز — نازنیناں بر درت بنہادہ از سر نازہا

در ہوائے اوجِ توحیدِ تو از سر می رود — طائرانِ قدس را سر رشتۂ پروازہا

رازہا یت را بسے گفتند سرمستانِ عشق — ہمچناں ہستند لیکن سر بہ مُہر آں رازہا

از رگ و پے بندہ **واقف** نے ہیں در نالہ است

اے بہ بزمِ شوق تو نالاں بہ ہر سو سازہا

یارِ ناپائدار را چہ کنم — عمرِ بے اعتبار را چہ کنم

من گرفتم کہ ساختم با بخت — بختِ ناسازگار را چہ کنم

ساخت در مرداں مرا رسوا — دیدۂ اشکبار را چہ کنم

دل اگر خوش کنم بہ وعدۂ وصل — کاہشِ انتظار را چہ کنم

روزگارم گزشت در گردش — گردشِ روزگار را چہ کنم

نہ بہ وصل است سازشم نہ بہ ہجر — طبعِ ناسازگار را چہ کنم

گر تو ام نا امید می سازی — دلِ امّید دار را چہ کنم

گر نہ دیوانگی کنم **واقف**

خود بفرما بہار را چہ کنم

بہ یاد آرم چو صحبت ہائے یاراں — سرشک از دیدہ ریزم ہمچو باراں

کشم از خارِ حنائے گلعذاراں — ہزاراں نالہ مانندِ ہزاراں

نماند امروز غیر از شمع زندہ — کسے از دودۂ شب زندہ داراں

وسے نگزاشت باکس از تطاول — کمندِ گیسوئے ایں دل شکاراں
چنیں بہرِ کہ می گردند افلاک — قرارم بردہ اند ایں بے قراراں
بجز برباد رفتن در ہوایت — چہ می آید دگر از خاکساراں

بہ روزِ وصل **واقف** اشکِ شادی
چو باران است در فصلِ بہاراں

ہر غنچہ بشگفت اِلّا دلِ من — اے وا دلِ من صد وا دلِ من
دیرانۂ عشق معمورۂ حُسن — مجنوں دلِ من لیلیٰ دلِ من
مقبولِ دَیر و مَردودِ کعبہ — کافر دلِ من ترسا دلِ من
درکوئے جاناں جاں داد آخر — بیکس دلِ من تنہا دلِ من
یارب چہ سازم با سنگِ طفلاں — نازک دلِ من مینا دلِ من
از ربطِ الفت دارد طپیدن — آنجا دلِ اُو اینجا دلِ من

واقف ہر شکلِ رنگیں برآمد
امروز خوں شد اِلّا دلِ من

ہزار گونہ الم ہست دلفگار یکے — ہزار حیف نمیدانی از ہزار یکے
ہزار کار بیاموختم وسے در عشق — ازاں ہزار نیامد مرا بہ کار یکے
چہ نخلہا کہ نشاندم دریں زمینِ امید — وسے ہنوز نیاوردہ است بار یکے
ز روزگار بہ پیشِ تو شکوہ نتواں کرد — کہ ہست خوئے تو با خوئے روزگار یکے

صبا بہ یار ز واقف ہمیں قدر گوئی
کہ ہست بر سرِ راہت در انتظار یکے

توئی کہ رحم بہ جانہائے مبتلا نہ کنی — توئی کہ ہیچ دل از بندِ غم رہا نہ کنی
توئی کہ شوخیِ حسنت نمی دہد آرام — بہ دل قرار نگیری بہ دیدہ جا نہ کنی
توئی کہ خونِ عزیزاں نمودہ پامال — بہ زیرِ پا نظر از فرطِ کبریا نہ کنی
توئی کہ در رطبِ تست معجزِ عیسےٰ — ولے چہ سود کہ یک خستہ را دوا نہ کنی
توئی کہ شیوۂ بے باکیت گزشتہ ز حد — ستم بہ خلق کنی ترس از خدا نہ کنی
توئی کہ عادتِ بیگانہ پروری داری — توئی کہ حاجتِ یک آشنا روا نہ کنی
توئی کہ راہِ وفا کردۂ غلط صد بار — ولے بہ راہِ جفا یک قدم خطا نہ کنی
توئی کہ جنگِ ترا صلح در قفا نہ بود — ز ہر کہ رنجہ شود خاطرت صفا نہ کنی
توئی کہ عہدِ تو پادار نیست ہمچوں گل — بہ دستِ ہر کہ بیفتی بہ او وفا نہ کنی
توئی کہ کردہ خدا بادشاہِ حسن ترا — توئی کہ لطف بہ حالِ منِ گدا نہ کنی

توئی کہ ساختۂ دردمند واقف را
توئی کہ چارۂ آں دردمند را نہ کنی

محمدؐ علی حزیں

(۱۱۳۰ھ ——— ۱۲۰۸ھ)

آغازِ کلام

نظر کن در سوادِ صفحہ ام تا گلستاں بینی
گزر کن دفترے را تا بہارِ بے خزاں بینی

صریرِ خامہ ام در طاقِ ہفتم آسماں یابی
صفیرِ نالہ ام را گوشوارِ عرشیاں بینی

بہ لفظ آغوش واکن تا بدامانت گہر ریزد
بہ معنی گوش بکشا تا لبم را ترجماں بینی

زمن پیمانہ بستاں تا حیاتِ جاوداں یابی
مے ازایں جامِ جمشیدی بکش تا نورِ جاں بینی

غزلیات

اے نامِ تو زینتِ زبانہا
حمدِ تو طرازِ داستانہا

تا دام کشادہ چینِ زلفت
افتادہ خرابِ آشیانہا

مقصد توئی از سلوکِ عالم
شوقِ تو دلیلِ کاروانہا

بکشائے نقاب تا برآیند
از قالبِ جسم تیرہ جانہا

خاموش حزیں کہ بر نتابد
افسانۂ عشق را زبانہا

تن دیدہ اند از من و جانم نہ دیدہ اند
نامم شنیدہ اند و نشانم نہ دیدہ اند

آنہا کہ آورند سبک در نظر مرا
بیچارگاں بہ کوئے مغانم نہ دیدہ اند

قومے کہ سر کشند ز نخوت بر آسماں
بر آستانِ میکدہ شانم نہ دیدہ اند

ز آوارگانِ دہر شمارند ابلہاں
در لامکانِ قدس مکانم نہ دیدہ اند

لب تشنگانِ بادیۂ شوقِ سلسبیل
آبِ حیاتِ شعرِ روانم نہ دیدہ اند

تنہا زنند لاف بہ میدانِ گفتگو
آنانکہ ذوالفقارِ زبانم نہ دیدہ اند

پوشیدہ است دیدۂ نادیدگاں حزیں
عنقائے مُغربیم کہ نشانم نہ دیدہ اند

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد
در دام ماندہ باشد صیّاد رفتہ باشد

آہ از دمے کہ تنہا با داغِ او چو لالہ
در خوں نشستہ باشم چوں باد رفتہ باشد

از آہِ دردناکے سازم خبر دلت را
روزے کہ کوہِ صبرم برباد رفتہ باشد

آوازِ تیشہ امشب از بے ستوں نیاید
گویا بہ خوابِ شیریں فرہاد رفتہ باشد

شادم کہ از رقیباں دامن فشاں گزشتی
گو مشتِ خاکِ ماہم برباد رفتہ باشد

پُر شور از حزیں است امروز کوہ و صحرا
مجنوں گزشتہ باشد فرہاد رفتہ باشد

زندگی در جمعِ ساماں رفت حیف
صبح در خوابِ پریشاں رفت حیف

دانۂ اشکے بیفشاں ندیم
عمر چوں سیلِ بہاراں رفت حیف

نورِ جاں در ظلمت آبادِ بدن
چوں چراغِ زیرِ داماں رفت حیف

از بیاباں رفت تا مجنونِ ما
شوخی از چشمِ غزالاں رفت حیف

شیشہ ہا شد از مئے روشن تہی
نورِ چشمِ مے پرستاں رفت حیف

نالۂ عاشق نمی آید بہ گوش
از چمن مرغِ خوش الحاں رفت حیف

اوّلِ شب از گدازِ دل حزیںؔ
شمعِ بزمِ ما بہ پایاں رفت حیف

من آں غارت گرِ جاں می پرستم
غمِ جاں نیست جاناں می پرستم

بر آمد گرچہ از پروانہ ام دود
ہنوز آتش عذاراں می پرستم

دمید از تربتم صبحِ قیامت
ہماں چاکِ گریباں می پرستم

سرم سودائے جمعیّت ندارد
من آں زلفِ پریشاں می پرستم

بہ گلبانگِ پریشاں دادہ ام دل
خروشِ عندلیباں می پرستم

بہ چشمم در نمی آید صفِ حور
من آں صف ہائے مژگاں می پرستم

حزیںؔ از کوریِ خفاش طبعاں
من آں خورشیدِ تاباں می پرستم

پیش از ظہورِ جلوۂ جانانہ سوختیم
آتش بہ سنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

لب ناچشیدہ از نفسِ آتشینِ خویش
چوں داغِ لالہ بادہ بہ پیمانہ سوختیم

دل بودہ است محفلِ شمع طرازِ ما
خود را عبث بہ کعبہ و بتخانہ سوختیم

یک شعلہ برقِ خرمنِ دلہا بُوَد ولے — ماگر بہ طرزِ سوزشِ پروانہ سوختیم

خواہم حزیں زمصرعِ وحدت بہ دیدہ سوخت
ماخود نفس زگفتنِ افسانہ سوختیم

بیبیں بدنا شمعِ شبستانِ کہ بودی — من سوختم آرائشِ ایوانِ کہ بودی
شب باکہ نشستی، سرِ زلفت کہ بکف داشت — جانانِ من آرامِ دل و جانِ کہ بودی
پیدا بُوَد از لعلِ تو پیمانہ کشی ہا — اے عہد شکن بر سرِ پیمانِ کہ بودی
نگذاشتہ دیں بہ خرابات نشیناں — در صومعہ غارت گرِ ایمانِ کہ بودی
آشفتہ شد اے بادِ صبا از تو دماغم — در سلسلۂ زلفِ پریشانِ کہ بودی

جاں مست حزیں می شود از طرزِ صفیرت
دستاں زنِ خوش لہجۂ بستانِ کہ بودی

می گزشتیم بہ جاناں سرِ راہے گاہے — اوہم از لطفِ نہاں داشت نگاہے گاہے
چہ عجب گر نگہش داشت سرِ الفتِ ما — برقِ راہست نوازش بہ گیاہے گاہے
دو سہ روزیست کہ دزدیدہ نگہ دیں عجب است — نہ ثوابے زمن آمد نہ گناہے گاہے
ایں قدر ہست کہ در سختیِ تاب و تبِ عشق — درد می داد بہ دل رخصتِ آہے گاہے
ایں گراں آمدہ باشد بہ دلِ نازکِ او — می شود بار بہ خاطر پرِ کاہے گاہے
دلِ مسکیں چہ کند گر نہ طپد زیں دہشت — ریزد از خوئے شہاں خونِ سپاہے گاہے
لیک نومید نیَم زاں نگہِ بندہ نواز — می شود روز، شبِ بختِ سیاہے گاہے

لوحِ مزار

زباں دانِ محبت بودہ ام دیگر نمی دانم
ہمیں دانم زباں از دوست پیغامے شنید ایں جا
حزیںؔ از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم
سرِ شوریدہ بر بالینِ آسائش رسید ایں جا

میر قمر الدّین منّتؔ

(١١٣٩ھ ——— ١٢٠٨ھ)

غزلیات

لب از حدیثِ ناکس و کس بستہ ایم ما ‌‌ چوں نَے بہ حرفِ درد نفس بستہ ایم ما
تا بر نسیمِ ما نخورد جز نسیمِ دوست ‌‌ از لختِ دل شگافِ قفس بستہ ایم ما
افتادہ ایم تا ز دلِ او بہ جرمِ عشق ‌‌ بر خویش تہمتے ز ہوس بستہ ایم ما
وادی ز نالہ ہائے جگر سوز پُر شدہ است ‌‌ از دل بہ محملِ کہ جرس بستہ ایم ما

از بہرِ امتحانِ دلِ گرمِ بلبلاں — در باغ آشیانہ زخس بستہ ایم ما

عنقاشکارِ دامِ ضعیفاں نمی شود — چوں عنکبوت بالِ مگس بستہ ایم ما

دہ ایں چہ رندی است کہ مدّت ہزار ہا

بر چوبِ تاک دستِ عسس بستہ ایم ما

مایۂ تب زعشق یافتہ است — سینۂ من تنورِ تافتہ است

قامتش یا کہ آب دادہ نہال — طرّہ اش یا کمندِ بافتہ است

ہر نسیمے کہ آید از برِ دوست — لالہ سانم جگر شگافتہ است

دلِ من پُر ز آرزوئے دید — مژہ اش ہر قدر کہ کافتہ است

عاقبت دم گسیخت مدّتِ ما

گرم در راہِ او شتافتہ است

خوبے ز تو خوب تر نباشد — با خوبیِ تو بشر نباشد

ہر کس کہ ترا پری کند نام — از وے دیوانہ تر نباشد

مجنوں لیلیت خواند د گوشم — بر گفتۂ ہرزہ گر نباشد

خسرو شیرینت گفت، او را — فرقِ زہر از شکر نباشد

ہستی بہ از آں ہر آنچہ گویند — وصفت بہ ازیں دگر نباشد

ہر چند کہ بر جمالِ پاکت — مقدورِ بشر نظر نباشد

پنہاں نگہے کنم بہ رویت — زاں ساں کہ ترا خبر نباشد

منّت از تیغِ او چو سعدی
روزے برود کہ سر نباشد

رقصِ آں سروِ ناز را نگرید — پریِ شیشہ باز را نگرید
طائرِ عرش را بہ سیخ زند — مژہ ہائے دراز را نگرید
شیشہ جانے بہ جنگِ طور رود — شوقِ بے امتیاز را نگرید
بر فزودم بہ داغ نالۂ درد — سوز دیدید ساز را نگرید
شیشہ دار است و جام کاسہ سر — مۓ پُر زورِ راز را نگرید
جُز بہ پہلوئے من نگیرد جا — ناوکِ دل نواز را نگرید

دوش خلوت بہ دخترِ رز داشت
منّتِ پاکباز را نگرید

گاہے خموش و گاہ بہ آدا گریستم — در بزمِ او چو ساغر و مینا گریستم
بر خاک دانۂ کہ فشاندم ثمر نداد — در شورہ زارِ دہر چہ بیجا گریستم
معمورہ و خرابۂ عالم گرفت سیل — از بسکہ بر خرابۂ دنیا گریستم
مانندِ ابر با کرمم خشک و تر یکیست — یکساں ز دشت تا سرِ دریا گریستم
تا ہمدمے بہ بیکسیم چشم تر نہ کرد — در گوشۂ نشستم و تنہا گریستم
منّت رسید بیتکے از واقفم بہ گوش — دستے نہادہ بر دلِ شیدا گریستم

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

از مئے عشقِ تو مستم تننا ہو یا ہو   جامِ پندار شکستم تننا ہو یا ہو
باز دل رفت ز دستم تننا ہو یا ہو   سرِ راہِ تو نشستم تننا ہو یا ہو
طرفے از ہوش بہ بستم تننا ہو یا ہو   مستِ صہبائے اَلستم تننا ہو یا ہو
نیست گنجائشِ ادراک بہ جائے کہ منم   برتر از وہمِ تو ہستم تننا ہو یا ہو
خرقۂ زہد گرو کردہ قدح می نوشم   مفلسِ بادہ پرستم تننا ہو یا ہو

مسّتِ رند و خرابم خبرم نیست ز غیر
مستِ او گشتم و رستم تننا ہو یا ہو

در بدوِ سدهٔ هژدهم عیسوی بعد از وفاتِ شاهنشاه اورنگ‌زیب عالمگیر که از آلِ تیمور آخرینِ فرمانروایانِ بزرگ بوده تغیرے عظیم در روایاتِ ادبی و لسانیِ برّصغیرِ هند و پاک رو داده۔ در نتیجهٔ آں زبانِ فارسی از پایهٔ اعتبار پیشیں افتاد و السنهٔ نواحیِ مختلفه جاے آں گرفت۔ لکن بعض از اجلهٔ شعرائے فارسی گو مثلاً خانِ آرزو گلشن و مظهر شاگردانِ خود را در آدابِ سرودنِ شعر در زبانِ اُردو نحوے تربیت کردند که روایاتِ شعرِ فارسی جزوِ کلامِ ایشاں گشت، گذشته ازیں فارسی را دریں برّصغیر رواجے نبوده که کلیتاً متروک گردد، می تواں گفت که شعرِ اُردو اصلاً مبنی بر شعرِ فارسی است و ازیں هم منکر نتواں شد که در سدهٔ هژدهم عیسوی اکثر ایں سرایندگان به فارسی بلد بودند و احیاناً به سرودنِ شعرِ فارسی سر مباهات افراختند، ما اشعارِ اینها را درجِ ذیل ساخته نشاں می دهیم:-

مشاہیر شعرائے اُردو کہ در فارسی ہم شعر سرودند

گلشن دہلوی

(وفات ۱۱۴۱ھ)

بہ درش رفتہ سجدہ ہا کردم　　منّتِ پائے ماست بر سرِ ما

سخت جاناں نیستند از چارہ سازاں کامیاب
مومیائی نفع کے بخشد شکستِ سنگ را

بہ چشمِ خویش نگہ سحرِ سامری این است　　نظر بہ آئینہ کن شیشہ و پری این است

گشتم شہیدِ تیغِ تغافل کشیدنت　　جانم ز دست برد غزالانہ دیدنت

سرِ دیوانگی سلامت باد　　رازِ ما را چہ پردہ پوشی کرد

بہ دقت می تواں فہمید معنی ہائے نازِ او
کہ شرحِ حکمت العین است مژگانِ درازِ او

ز شوقِ مہرِ رخسارِ کہ چشمِ گریہ پیدا شد
چو گوہر در گرہ ہر اشکِ من دارد سحر گاہے

سراج الدّین علی خاں آرزو اکبر آبادی

(وفات ۱۱۶۹ھ)

وحشت آموزِ غزالانم من
شہر استادِ بیابانم من

شیخ ز تاریخ جہاں آگہم
کعبۂ تو کہنہ صنم خانہ ایست

رَوَم زِ خویش اگر آں نگار فرماید
جنوں چہ کار بُوَد چوں بہار فرماید

ز دودِ آہ کنم طرحِ سنبلستانے
بہ طیبِ خاطر اگر زلفِ یار فرماید

مہ کامل بہ نورانی رُخِ دلبر نمی ماند   اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

صنما قصدِ جانِ من داری   دشمنِ بندۂ خدا شدۂ

مرزا جانِ جاناں مظہر

(۱۱۱۳ھ ـــــ ۱۱۹۵ھ)

غزلیات

از اں در پہلوئے خود جا دہم ایں رنج و محنت را
کہ غیر از من پناہے نیست در عالم مصیبت را

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

نگیرد باطنِ اہلِ صفا زنگ از نظر بازی
تصرف نیست ہرگز در دلِ آئینہ صورت را

دماغِ دل درایں جا گاہ گاہے چاق می گردد
خدا آباد تر سازد خراباتِ محبت را

به جائے سنگِ طفلاں پارہ ہائے شیشہ باید زد
چو مظہر میرزا دیوانۂ نازک طبیعت را

ہردم از یارانِ دیریں یاد می آید مرا — کوہکن از آبِ شیریں یاد می آید مرا
لالۂ واژوں چو می بینم گریباں می درم — دورِ آں دامانِ رنگیں یاد می آید مرا
گردنِ مینا چو گیرم آب می گردد دلم — ساعد و ساقِ بلوریں یاد می آید مرا
سرو چوں آہستہ می جنبد بہ تحریکِ نسیم — آں خرامِ ناز و تمکیں یاد می آید مرا
واشدِ گلہائے باغ از رشک داغم میکند — جوششِ یارانِ رنگیں یاد می آید مرا

نامِ برگِ گل مبر مظہر کہ دل خوں می شود
ناخنِ پائے نگاریں یاد می آید مرا

غلامِ عشقم و لطف و کرم بہائے من است — کسے کہ بندہ بخواند مرا خدائے من است
ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق — بہ خاک و خوں تپم و گوئی از برائے من است
خدا نکردہ برہمن ز بُت کند فریاد — تو واقفی کہ چہ از نالہ مدعائے من است
جزائے آنکہ بہ ہیچوں توئے وفا کردم — بہ ہر جفا کہ دلت خوش شود سزائے من است

مکن شکایتِ آں یارِ تند خو مظہر
ہمیں کہ عاشق و دیوانہ ام خطائے من است

یادِ ایامے کہ یارے غمگسارے داشتم — با غمِ ہجر و سرے در وصل کارے داشتم
ظاہر و باطن ہمہ نذر و نیازِ عشق بود — دردِ پنہانے و داغِ آشکارے داشتم

دل درونِ سینہ دائم ہمچو بسمل می طپید — روز و شب با بیقراری ہا قرارے داشتم

بر سرِ من نازنینے گاہ پائے می گزاشت — با ہمہ بے اعتباری اعتبارے داشتم

نوجواناں شورِ عشق و عاشقی مفتِ شماست

پیش ازیں من ہم دلِ ہنگامہ دارے داشتم

مرزا محمّد رفیع سودا

(۱۱۲۵ھ —— ۱۱۹۵ھ)

غزلیات

گر کعبہ را ز کوئے تو بہتر نہ گفتہ ام — اے بت بہ خاکِ او کہ برابر نہ گفتہ ام

رنگیں تر است قصۂ دل خوں شدن ز گُل — لیکن بہ پاسِ خاطرِ دلبر نہ گفتہ ام

نامحرم است خضر بہ جائے کہ می زدم — نامِ مقامِ دوست بہ رہبر نہ گفتہ ام

از بہرِ دستگیریِ خود درمیانِ آب — جاں دادہ ام ولے بہ شناور نہ گفتہ ام

احوالِ تشنہ کامیِ خود را بہ ہیچ کس

گاہے بغیرِ ساقیِ کوثر نہ گفتہ ام

هرگز به جهان ما غمِ دستار نه داریم — چون مهر ز عریانیِ سر عار نه داریم

چون گوهرِ ناسفته از اسبابِ معیشت — دل بستگیِ خویش به یک تار نه داریم

در کعبه یهودیم و مسلمان به درِ دیر — آرام به جز خانهٔ خمّار نه داریم

ما بندهٔ عشقیم و مبرّا ز مذاهب — با شیخ و برهمن سرِ پیکار نه داریم

بلبل دلِ نالان و خیالِ رُخِ او گل — با بلبلِ گلزارِ جهان کار نه داریم

ناز و نگه و عشوه بهائے دلِ سوداست

زین هرچه خَسرو دیار که انکار نه داریم

به نادانی دلِ ما را ز دست انداختی رفتی — فغان کاین گوهرِ شهوار را نشناختی رفتی

به من بسیار می زد شیخ لاف از عقل و دانائی — سرت گردم به یک نظّاره کارش ساختی رفتی

دَر اوّل چشم روشن ساختی اے گوهرِ یکتا — دَر آخر چون صدف در سینه چاک انداختی رفتی

هزارت آفرین کاندر قمارِ عشق او سودا

جگر دارانه چون منصور سر را باختی رفتی

دردِ دهلوی

(۱۱۳۳ھ —— ۱۱۹۹ھ)

غزلیات

تا بہ کے نالہ ہا و زاری ہا ... آہ از دستِ بے قراری ہا

من و بے طاقتی و بے تابی ... تو و تمکین و بردباری ہا

نقشِ پایش نکرد رنجہ قدم ... خاک بر فرقِ خاکساری ہا

دوستی کردم و ندانستم ... دشمنی بود دوستداری ہا

نالہ ام ہیچ اثر نکرد ترا ... رفت برباد آہ و زاری ہا

دردِ چوں گرد باد در حقِ ما
سر بلندیست خاکساری ہا

نقدِ جانے نہ زیرِ خزانۂ ماست ... طبعِ روشن چراغِ خانۂ ماست

بلبلِ بوستانِ دوستی ایم ... گوشۂ خاطر آشیانۂ ماست

نغمہ سنجِ مقامِ عشاقیم ... نالۂ ما ہمہ ترانۂ ماست

ہمچو تسبیح، رشتۂ تقدیر ... جامعِ رزقِ دانہ دانۂ ماست

غیرِ زلف و رخِ تو ننماید ... شب و روز سے کہ در زمانۂ ماست

بسکہ غوّاصِ بحرِ توحیدیم | دُرِ یکتا دلِ یگانۂ ماست

رسید موسمِ پیری غمِ زمانہ نماند | برائے طولِ امل حرص را بہانہ نماند
بیا کہ دادِ محبّت کنوں تواں دادن | دگر ز لیلی و مجنوں بجز فسانہ نماند
زبسکہ عالمِ دنیاست خود ہمہ فانی | اگرچہ ماند درو خضر جاودانہ نماند

بُوَد چو نورِ نظر درد را سفر بہ وطن
بہ خانہ ماند مدام و گہے بہ خانہ نماند

عہد را اعتبار می باید | قول راہم قرار می باید
سست پیمانی و ہی گوئی | دوستی استوار می باید
بہرِ کردارِ نا ملائمِ ما | لطفِ آمرزگار می باید
شمع ساں بہرِ جانِ سوختہ ام | دیدۂ اشکبار می باید
ساقیا نشہ نیست منظورم | رفعِ رنجِ خمار می باید

درد در کوچہ ہا چہ می نالی
نالہ در کوہسار می باید

یادِ ایامے کہ ما ئیل و نہارے داشتیم | بارخ و زلفِ کسے خوش کاروبارے داشتیم
اینہمہ از خویش رفتی درپئے کارے کسے | اے دلِ گم گشتہ ماہم با تو کارے داشتیم
اتفاقاً آمدی امروز و ما از مدّتے | گوش بر آواز و چشمِ انتظارے داشتیم

اے گلِ خنداں دریں گلزار ما ہم مثلِ تو — از شگفتن ہائے دل گاہے بہارے داشتیم

بہ دل خیالِ دہانے کہ داشتم دارم — بہ سینہ رازِ نہانے کہ داشتم دارم

نشد کہ سوزشِ دل کم کند بیانِ مرا — بسانِ شمع زبانے کہ داشتم دارم

صدائے شہرۂ واعظ کہ بس بلند شد است — رہینِ گوش گرانے کہ داشتم دارم

اگرچہ کس نخرد جنسِ ناقبولِ مرا — چو شیخِ شہر دکانے کہ داشتم دارم

نماندہ است مرا گرچہ پائے رفتارے — چو سَیل، طبعِ روانے کہ داشتم دارم

اگرچہ رخت زکونین بردہ ام بیروں — برائے خویش جہانے کہ داشتم دارم

نیم زپاسِ نفس در دیک نفس غافل
بہ دستِ خویش عنانے کہ داشتم دارم

سیّد محمّد تقی میر

(۱۱۳۷ھ —— ۱۲۲۵ھ)

از ما حکایتِ غمِ دل می تواں شنید — ما خوب می کنیم بیاں ایں مقالہ را

یک رہ تو ہم بپرس ازو اے نسیمِ صبح — من خود نیافتم سببِ داغِ لالہ را

بہ جمعِ ماتمیاں حرفِ من اثر دارد | بہ بزمِ عیش نداند کسے زبانِ مرا
ز ضعف میر بہ چشمِ کسے نمی آیم | لطافتے ست چو جاں جسمِ ناتوانِ مرا

محمد حسن قتیل

(وفات ۱۲۳۲ھ)

مارا بہ غمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت | خود سوئے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت
دستے بدوشِ غیر نہاد از رہِ کرم | مارا چو دید لغزشِ پا را بہانہ ساخت
آمد برونِ خانہ چو آوازِ ما شنید | بخشیدنِ نوالہ گدا را بہانہ ساخت
رفتم بہ مسجدے بپئے نظارۂ رخش | دستے بہ رُخ کشید و دعا را بہانہ ساخت
زاہد نداشت تابِ جمالِ پری رُخاں | کُنجے گرفت و ترسِ خدا را بہانہ ساخت

سویم فگند تیر و خطا را بہانہ ساخت | تیرِ دگر کشید و ادا را بہانہ ساخت
تا در تو بیند و سخنے با تو سر کند | حق باز پرسِ روزِ جزا را بہانہ ساخت
در بزمِ غیر رفت و سے از خُم بہ جام کرد | دُورم نشاند تنگیِ جا را بہانہ ساخت
پیشِ کہ نالم از غمِ دل کاں مسیح دم | دردم فزود و قحطِ دوا را بہانہ ساخت

خونِ قتیلِ بے سروپا را بہ پائے خویش
مالیدنِ نگار حنا را بہانہ ساخت

غمِ عشقِ تو پایانے نہ دارد
چہ درد است ایں کہ درمانے نہ دارد

جنوں را گو کہ سوئے ما نیاید
کسے اینجا گریبانے نہ دارد

اثر در گریۂ مجنوں مجوئید
کہ لیلیٰ چشمِ گریانے نہ دارد

چہ داند رتبۂ خارِ مغیلاں
سیہ روزے کہ دامانے نہ دارد

مسلماناں مسلمانش نگوئید
قتیلؔ کافر ایمانے نہ دارد

انشا اللہ خاں انشا دہلوی

(متوفی ۱۲۳۳ھ)

صد ہزاراں عقدہ ہا بکشودہ است
عشقبازی طرفہ چیزے بودہ است

بسکہ در دشتِ تمنّا گشتہ ام
پایم از طیِّ مراحل سودہ است

توبہ از مے کردہ ام لیکن ہنوز
خرقہ و سجّادہ ام آلودہ است

آنکہ از دنیا و ما فیہا گزشت
از تعلق خاطرش آسودہ است

من ندارم علم و دانائی ، فقط — بے نیازی قدرِ من افزوده است
جذبِ الفت از رہِ جوش و خروش — از رہِ شفقت به من بنموده است

مُرد باش و آشنائے درد باش
سید **انشا** ایں چنیں فرموده است

باده نوشاں که بهم انجمنے ساخته اند — شیشه را یوسفِ گل پیرہنے ساخته اند
اے که می گوئیم از دوزخ و انواعِ عذاب — مگر اینہا همه از بهرِ منے ساخته اند
اندریں بادیه آتش نفساں می باشند — اکثر ایں طائفه با سوختنے ساخته اند

آنچه دربارهٔ **انشا** به تو مردم گفتند
هیچ در اصل نباشد سخنے ساخته اند

ما شکوهٔ زحالِ تباہے نکرده ایم — خوں گشته ایم و ناله و آہے نکرده ایم
صیاد یک نفس قفس اندر چمن گزار — با عندلیب زمزمه گاہے نکرده ایم
اے آتشِ گل ایں همه تهدید بهرِ چیست — ما آشیاں به زیرِ گیاہے نکرده ایم
پیچیده ایم شانه صفت زلفِ یار را — اندیشهٔ ز روزِ سیاہے نکرده ایم
با رنگِ کهربائیِ خود قانع ایم و بس — با کس ساجت پرِ کاہے نکرده ایم
طے کرده ایم وادیِ عشقِ پری رخاں — هرگز قرار بر لبِ چاہے نکرده ایم

تا بوده ایم خود به همیں حال بوده ایم
هرگز تلاشِ حشمت و جاہے نکرده ایم

مومن خاں مومن

(۱۲۱۵ھ ——— ۱۲۶۸ھ)

جانم بہ لب رسید، کجائی؟ بیا بیا
وقت است گر بہ پرسشم آئی، بیا بیا

دیگر من و ستائشِ ہم بزمیِ رقیب
باز آمدم ز شکوہ سرائی، بیا بیا

لیلیٰ بہ دشت رفتہ و شیریں بہ بیستوں
پابندِ احتیاط چرائی؟ بیا بیا

می آئی آں زماں کہ بدیں نالہ بگزرم
اے در لبِ تو روح فزائی، بیا بیا

باشد سزائے وصلِ تو عاشق نہ بوالہوس
اے آنکہ فتنۂ و بلائی بیا بیا

روزِ فراق طرزِ خرامت بہ یاد داد
دیگر نماند تابِ جدائی بیا بیا

از بیکسی گُلے بہ مزارم کسے نریخت
خصمی و لب بہ خندہ کشائی بیا بیا

اکنوں ستیزہ چیست کہ انداختم سپر
دانم ز جور باز نیائی بیا بیا

آخر نمی رسد بہ صفا و فضائے دیر
مومن بہ کعبہ چند گرائی بیا بیا

گرمیِ صحبتِ اغیار ہمانست کہ بود
اثرِ آہِ شرر بار ہمانست کہ بود

دشمنم گرچہ بہ آزردنِ من دل ندہد
دلِ من درپئے آزار ہمانست کہ بود

نتواں کرد تسلیِ دل از خوابِ وصال
شکوۂ دیدۂ بیدار ہمانست کہ بود

ناصحا ترکِ محبت نتواں کرد آخر   من ہمانم کہ بدم، یار ہمانست کہ بود

غیر چوں کام گرفت از تو ندانم کہ چرا   آرزو ہائے دلِ زار ہمانست کہ بود

جلوہ صد بار فزوں کرد، ز نیرنگیِ او   در دلم حسرتِ دیدار ہمانست کہ بود

شرمت اے نازِ بتاں باد کہ در عہدِ تو نیز

مذہبِ **مومنِ** دیندار ہمانست کہ بود

دل گرفتند و ز دلدار نشانم دادند   آنچہ بردند ز من، بہتر ازانم دادند

بیکس از گبر و مسلماں نظرے می جوید   چہ کنم دیدۂ ہر سو نگرانم دادند

تو فریبندہ و من سادہ و مہرم بہ دلت   رہ ندادند و خوشم، چوں بہ گمانم دادند

غیر غیر است ہماں، مہر کجا، یار کجا   خامشم تا خبر از رازِ نہانم دادند

بگزارید کہن قصۂ برجیس و خلیل   کام از خونِ دل و آتشِ جانم دادند

بہرِ حسرت زدہ نوروز و شبِ قدر یکے است   خوں بہ فصلِ گل و مے در رمضانم دادند

سخنم سحر و جمالِ سخنم نیست بہار   از زیاں بہرہ ندادند و زیانم دادند

جان و دل، دین و خرد صرفِ نکویاں گردید   ہرچہ دادند برائے دگرانم دادند

مومن از نیست ریا کفر صواب است، صواب

جنت و حور ز اخلاصِ بتانم دادند

محتسب شیشہ زد بہ سنگِ خلاف   خاک بر فرقِ شاہ، کو انصاف؟

اے کہ ابرِ سیہ فرستادی   سادہ روئے بہ بخش و بادۂ صاف

من گزشتم ز دیں برائے صنم | شیخ بہرِ خدا بہ ترک ملاف
نامۂ شوقِ من ز طولانی | تا بہ عنقا رسید در پئے قاف
خرقہ پوشیدہ ام ز بیمِ عسس | می کشم بر سبوئے بادہ غلاف
من کہ با بختِ خویش در جنگم | دارم از بوالہوس چہ بیمِ مصاف
ساقی ام بودہ است مفتیِ شہر | از چہ آخر نمی کند اسراف
فتنۂ کوئے او چو یاد کنم | باز گردم بہ دوزخ از اعراف

چہ بُتی کز وسیلۂ عشقت
جرمِ مومن خدائے کردہ معاف

دل بہ وجد از رقصِ جاناں آمدہ | فتنہ سویم پائے کوباں آمدہ
وحشتے خوردم ندانستم کہ مرگ | در لباسِ شامِ ہجراں آمدہ
تا بہ پرسش آمدی دردم فزود | در دماغم بوئے درماں آمدہ
جوشِ رحمت کار بر ما تنگ کرد | توبہ بر لب رفت و باراں آمدہ
بسکہ بیتابانہ بوسیدم عناں | رخشِ پندارش بہ جولاں آمدہ
در تمنائے گدائے کوئے اوست | خندہ ام بر حالِ سلطاں آمدہ

مومنم امّا بہ رغمِ واعظاں
با صنم مست و غزلخواں آمدہ

نواب مصطفیٰ خاں حسرتی و شیفتہ

(وفات ۱۲۸۶ھ)

بیتابم و یار را خبر نیست — می نالم و نالہ را اثر نیست

بر طرّۂ پُر شکن چہ نازی — آخر ز دلم شکستہ تر نیست

آغازِ محبت است اے چشم — ہنگامِ تراوشِ جگر نیست

در انجمنت بہ سر رسیدم — در عشق تمیزِ پا و سر نیست

سرمایۂ حسنِ بوستان است — ہر چند کہ سرو را ثمر نیست

یاراں ہمہ اند و بزمِ شعراست

افسوس بہ حسرتی خبر نیست

پیشِ او قدرِ من و رتبۂ اغیار یکے ست

مستِ ناز است برش بیخود و ہشیار یکے ست

یا در آئینہ ببیں یا بہ سرِ دار بر آ

خویشتن را بشناس آئینہ و دار یکے ست

اے دل از نالہ خمُش باش کہ بیدرداں را

صوتِ مُرغِ چمن و مُرغِ گرفتار یکے ست

مے کہ مانندِ نگاہِ توگراں می ارزد
اندریں شہر مگر خانۂ خمّار یکے ست
ذوقِ ایں زمزمہ از خویش بروں آورد
می سراید کہ دلدادہ و دلدار یکے ست
دی بہ بزمش سخنِ اہلِ سخن بود کہ گفت
بے سخن حسرتی امروز دریں کار یکے ست

بوئے ز طرّۂ تو اگر با صبا رود
از قیس وحشت و ز فلاطوں ذکا رود
خاکم بہ سر اگر کہ عاشقِ کار آزمودہ ام
دانم کہ با رقیب بہ خلوت چہا رود
آں ذرّہ ام کہ لمعۂ او تا بہ خور رسد
آں قطرہ ام کہ موجۂ او تا سما رود
رندیم و بذلہ سنج و مے آشام و کامجوے
معشوقہ از طرب کدۂ ما کجا رود
آمد بہار و سوئے چمن رفت حسرتی
آری بہ باغِ بلبلِ دستاں سرا رود

هر روز غم زروزِ دگر جانگداز تر
هر شام می شود شبِ ہجراں دراز تر

از دامنِ بلندِ تو ہر دست کوتہ است
یارب نہالِ قامتِ تو سرفراز تر

دیگر چنیں بہ پاکیِ دامن مناز و بیں
از اشکِ مدّعی همه دامانِ ناز تر

زانگہ کہ من اسیرِ تو اے فتنہ گر شدم
دستت شده به غارتِ دلہا دراز تر

گلزار گرچہ پُر ز ہزار است حسرتی
از من یکے نکرده ترنّم به ساز تر



غالب

اسد اللہ خاں غالب

(١٢١٢ھ ——— ١٢٨٥ھ)

سخنور

کشد چو رنج سخنور کہ نقشہائے بدیع | ز ہر آنکہ گزارد بہ یادگار کشد
خجستہ طالعِ دستے کہ بے توقعِ مزد | ز پائے رہروِ آزردہ پائے خار کشد
نیاز مند مباد آں بزرگِ کوچک دل | کہ ناز راہ نشینانِ خاکسار کشد
کفش بہ کوچہ و بازار زر فشاں باید | بہ خانہ آنکہ مرا پردہ زرنگار کشد

در جیبِ رقیباں گلِ شاداب فشاندم | ہر چند تفِ تشنگیم سوخت بہ صحرا
در بزمِ حریفاں رگِ مہتاب کشودم | گر خود ہمہ گردوں نکم ریخت بہ صہبا
نفریں نہ زند سیلیِ صرصر بہ چراغم | تحسیں نہ دماند زرگِ سازِ من آوا
از بسکہ سیہ مست مئے جنبشِ کلکم | در پردۂ ہر نقش دلم میرود از جا

کلکِ شاعر

کلکِ من ہیں کہ ہر نفس جاسنے | در رگِ تارِ مسطر اندازد

در سیه مستی و سراندازی — هرکجا هرچه درخور اندازد
باسلیماں زند دم از ابلیس — در رہِ مور شکّر اندازد
با زلیخا اگر شود ہمراز — طرح کارِخ مصوّر اندازد
با سمندر اگر بوَد دمساز — ہمہ آتش بہ دفتر اندازد
از نوائے کہ در غزل سنجد — حلقہ درگوش را در اندازد
از طرازے کہ در دعا بندد — بر ورق مشکِ اذفر اندازد

صبحِ بنارس

تعالیٰ اللہ بنارس چشمِ بد دُور — بہشتِ خرّم و فردوسِ معمور
بیا اے غافل از کیفیتِ ناز — نگاہے بر پری ناداتش انداز
ہمہ جانہائے بے تن کن تماشا — نہ دارد آب و خاک ایں جلوہ حاشا
نہادِ شاں چو بوئے گل گراں نیست — ہمہ جانند، جسمے درمیاں نیست
خس و خارش گلستان ست گوئی — غبارش جوہرِ جان ست گوئی
سوادش پائے تختِ بت پرستاں — سراپایش زیارتگاہِ مستاں
عبادت خانۂ ناقوسیان است — ہمانا کعبۂ ہندوستان است
بتانش را ہیولا شعلۂ طور — سراپا نورِ ایزد، چشمِ بد دُور!
میاں ہا نازک و دل ہا توانا — ز نادانی بہ کارِ خویش دانا

تبسم بسکه در لبها طبیعی است — دهن ها رشکِ گلهائے ربیعی است

ادائے یک گلستاں جلوه سرشار — خرامے صد قیامت فتنه در بار

به لطف از موجِ گوهر نرم رَو تر — به ناز از خونِ عاشق گرم رَو تر

ز انگیزِ قد اندازِ خرامے — به پائے گلبنے گسترده دامے

ز رنگیں جلوه ها غارتگرِ هوش — بهارِ بستر و نوروزِ آغوش

ز تابِ جلوهٔ خویش آتش افروز — بتانِ بت پرست و برهمن سوز

به سامانِ دو عالم گلستاں رنگ — ز تابِ رُخ چراغانِ لبِ گنگ

قیامت قامتاں مژگاں درازاں — ز مژگاں بر صفِ دل نیزه بازاں

به تن سرمایهٔ افزائشِ دل — سراپا مژدهٔ آسائشِ دل

به مستی موج را فرموده آرام — ز نغزی آب را بخشیده اندام

فتاده شورشے در قالبِ آب — ز ماهے صد دلش در سینه بیتاب

ز بس عرضِ تمنا می کند گنگ — ز موج آغوش ها وا می کند گنگ

ز تابِ جلوه ها بے تاب گشته — گهرها در صدف ها آب گشته

فریاد

نه مرا دولتِ دنیا نه مرا اجرِ جمیل — نه چو نمرود توانا نه شکیبا چو خلیل

با رقیباں کفِ ساقی به مئے ناب کریم — با غریباں لبِ جیحوں به دمے آب بخیل

اے به مسمارِ قضا دوخته چشمِ ابلیس — به دمِ گرم رواں سوخته بالِ جبریل

با تو ام خرّمیِ خاطرِ موسےٰ بر طور | با خودم خستگیِ لشکرِ فرعون به نیل
برکمالِ تو در اندازه کمالِ تو محیط | بر وجودِ تو در اندیشه وجودِ تو دلیل
نه کنی چاره لبِ خشکِ مسلمانے را | اے به ترسا بچگاں کرده مئے ناب سبیل!

غالب سوخته جاں را چه به گفتار آری
به دیارے که ندانند نظیری ز قتیل

حیات

تو نالی از خلۂ خار و ننگری که سپهر
سرِ حسینِ علی بر سناں بگرداند
برو، به شادی و اندوه دل منه که قضا
چو قرعه بر نمطِ امتحاں بگرداند
یزید را به بساطِ خلیفه بنشاند
کلیم را به لباسِ شباں بگرداند

مزارِ آرزو

از نکوئی نشاں نمی خواهم | خویش را بدگماں نمی خواهم
زیست بے ذوقِ مرگ خوش نه بُوَد | دل اگر رفت جاں نمی خواهم
باغبانم گرفت و خست و گذاشت | جُز به باغ آشیاں نمی خواهم

کس نمی‌نالد از فسانهٔ من / دردِ دل را بیاں نمی‌خواہم
ہیچ کس سودِ من نمی‌خواہد / ہیچ کس را زیاں نمی‌خواہم
ہر کسے دشمنے است دوست نما / یاری از اختراں نمی‌خواہم
آرزو عیب نیست خرده مگیر / خواہم امّا چناں نمی‌خواہم
بیخ صاحبدلاں روا نه بُوَد / بندِ اہلِ زباں نمی‌خواہم
دوشہا را نگار نه پسندم / بارہا را گراں نمی‌خواہم
آتش اندر نہادِ من زده اند / لاله و ارغواں نمی‌خواہم
ہاں و ہاں نیستم محال طلب / نو بہار از خزاں نمی‌خواہم
گُہر افشانم و بہا طلبم / سیم و زر رائگاں نمی‌خواہم
دل ز معنی لبالب است ولے / خامه اندر بناں نمی‌خواہم
نتواں شد طرف به مور و مگس / انگبیں در دکاں نمی‌خواہم
نتواں کرد با فلک پرخاش / خردِ خرده داں نمی‌خواہم
خستهٔ چشمم ز چشمِ خویشتنم / ناوکے بر نشاں نمی‌خواہم
خو به بیداد کرده ام غالب / عیدِ نوشیرواں نمی‌خواہم
خواہشے چند می کنم لیکن / کارہا را رواں نمی‌خواہم
پاے فرسوده در رکاب و ہنوز / دستِ خود بر عناں نمی‌خواہم
سخن از عالمِ دگر دارم / ہمدمِ رازداں نمی‌خواہم

گر نبود خودسردش وحی سرائے / با خودش ہم زباں نمی خواہم
سینۂ ما فم قلندرم، مستم / رازِ خود را نہاں نمی خواہم
پایۂ من فروتر افتاد است / سرِ خود بر سناں نمی خواہم
پایۂ در نظم بماند دگر / خویشتن را شہاں نمی خواہم
یوسف از مصر گشتہ خوش دل و من / بہ تلافی جناں نمی خواہم
بہ زلیخا شباب بخشیدند / بختِ خود را جواں نمی خواہم
بر رُخِ حکمتِ موجبِ حق / غازۂ امتحاں نمی خواہم
عینِ من ہر چہ اقتضا می کرد / خواستم، غیرِ آں نمی خواہم
چوں حکایت بہ جائے خویش رسید / تن زدم داستاں نمی خواہم

سحرِ حلال

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می زنم / کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم
زخمہ بر تارم پریشاں می رود / کایں نواہائے پریشاں می زنم
چوں ندیدم کز نوایش خوں چکد / طعنہ بر مرغِ سحر خواں می زنم
خامہ ہمرازِ دمِ گرمِ من است / آتش از نَے در نیستاں می زنم
جوئے شیر از سنگ راندن ابلہی است / بہرِ گوہر تیشہ بر کاں می زنم
دیگراں گر تیشہ بر کاں می زنند / من شبیخوں بر بدخشاں می زنم

گریہ را در دل نشاطِ دیگر است — خندہ بر لب ہائے خنداں می زنم

باز شوقم در خروش آوردہ است — باز ہوئے ہمچو مستاں می زنم

دی بہ یغما دادہ ام رخت و متاع — امشب آذر در شبستاں می زنم

در جنوں بے کار نتواں زیستن — آتشِ تیز است و داماں می زنم

خار خارِ چاکِ دیگر داشتم — بخیہ بر چاکِ گریباں می زنم

گرچہ دل با ہیچ کس در بند نیست — جوشِ خوں با این و با آں می زنم

بندِ ہر خواہش ز دل می بگسلم — نقشِ ہر صورت بہ عنواں می زنم

در رہ از رہزن خطرہا گفتہ اند — گام در بے راہہ آساں می زنم

راز دانِ خوئے دہرم کردہ اند — خندہ بر دانا و ناداں می زنم

خوئے آدم دارم، آدم زادہ ام — آشکارا دم ز عصیاں می زنم

بادہ در ابرِ بہاراں می زدم — حالیا در تیر باراں می زنم

طعنہ بر دلقِ مے آلودم مزن — نیست ساغر، مے بہ نیگاں می زنم

غالبم از مے پرستی نگذرم — غوطہ در گردابِ طوفاں می زنم

تو دریں جا بینی و من خود ہنوز — جامِ مے در بزمِ اعیاں می زنم

در ترقی می نگنجد گفتگو — در تنزّل دم ز عرفاں می زنم

می ستیزد با قضا از دیرباز — خویش را بر تیغِ عریاں می زنم

لعب با شمشیر و خنجر می کنم — بوسہ بر ساطور و پیکاں می زنم

بر خرامِ زهره و رفتارِ تیر — چشمکے دارم که پنہاں می زنم

گہ گہے کز پایه می آیم فرود — حرف با برجیس و کیواں می زنم

می بَرَد از من قضا چنداں که من — گوئے گردوں را به چوگاں می زنم

ہزلِ من از آسماں از حد گذشت — عذر را حرفے به برہاں می زنم

خانه زادِ درگہِ شاہنشہم — دم ز مہرِ شاہِ مرداں می زنم

دیده وراں

راه زیں دیده وراں پرس که در گرم روی — جاده چوں نبضِ تپاں در تنِ صحرا بینند

شررے را که به ناگاه بدر خواہد جست — زخمه کردار به تارِ رگِ خارا بینند

قطرهٔ را که ہر آئینه گہر خواہد بست — صورتِ آبله بر چہرهٔ دریا بینند

شام در کوکبهٔ صبح نمایاں نگرند — روز در منظرِ خفّاش ہویدا بینند

وحشتِ تفرقه در کاخِ مصوّر سنجند — مجمعِ اُنس به سنے بستِ زلیخا بینند

ہرچه گوید عجم از خسرو و شیریں شنوند — ہرچه آرد عرب از وامق و عذرا بینند

نستوہند اگر ہمرہِ مجنوں گردند — نخروشند اگر محملِ لیلا بینند

قشقه را رونقِ ہنگامهٔ ہندو خوانند — باده را شمعِ طرب خانهٔ ترسا بینند

برسم و زمزمه و قشقه و زنّار و صلیب — خرقه و سبحه و مسواک و مصلّا بینند

دل نه بندند به نیرنگ و دریں دیرِ دو رنگ — ہرچه بینند به عنوانِ تماشا بینند

آئینِ دهر

هست از تمیز گر به هما استخوان دهد / آئینِ دهر نیست که کس را زیان دهد

مرد است مرد، هر چه کند بے خطر کند / راد است راد، هر چه دهد رایگان دهد

گلزار را اگر نه ثمر، گل بهم نهد / درویش را اگر نه سحر، شام نان دهد

گنجِ سخن نهد به نهان خانۂ ضمیر / وانگه کلیدِ گنج به دستِ زبان دهد

تا روئے خاک تیره نگردد ز رشکِ چرخ / رخشانیِ ستاره به ریگِ روان دهد

تا آدمی ملال نگیرد ز یک هوا / سرما و نوبهار و تموز و خزان دهد

هم در بهار گل شگفاند چمن چمن / تا راحتِ مشام و نشاط روان دهد

هم در تموز میوه فشاند طبق طبق / تا آرزوئے کام و مرادِ دهان دهد

آن را که بختِ دسترسِ بذلِ مال نیست / طبعِ سخن رس و خردِ خرده دان دهد

آن را که طالعِ کفِ گنجینه پاش نیست / نعم البدل ز خامۂ پروین فشان دهد

چون جنبشِ سپهر به فرمانِ داور است / بیداد نبود آنچه به ما آسمان دهد

بهار

باز پیغامِ بهار آورد باد / مژده بهرِ روزگار آورد باد

نیکوئی در رنگ و بو افزود دهر / تازگی در برگ و بار آورد باد

گنج بادآوردِ خسرو یک طرف — گنج هائے بے شمار آورد باد
گر ترنجِ زر نباشد، گو مباش — زیں نمایش ہا ہزار آورد باد
شاہدِ گل تابِ مستوری نداشت — مستش اندر رہ گزار آورد باد
از ہجومِ غنچہ در صحنِ چمن — کودکانِ نے سوار آورد باد
نقشہائے دلفریب انگیخت چرخ — ابرہائے دجلہ بار آورد باد
کرد خونش گرم تابِ آفتاب — چشمہ ہا از کوہسار آورد باد
چوں سمن بشگفت گوہر در صدف — از کجا ایں کاروبار آورد باد
گر نہ لعبت باز بود است از چہ رو — لالہ و گل را بہ کار آورد باد
گل بہ روئے سبزہ می غلطد بہ دشت — آرزوئے سبزہ زار آورد باد
جوشِ خوں در سینہ، جوشِ گل بہ باغ — ہم نہاں ہم آشکار آورد باد
بوئے گل شد گر بخار انگیخت خاک — موجِ گل زد گر غبار آورد باد

قطعہ

فرصت اگرت دست دہد مغتنم را — ساقی و مغنّی و شرابے و سرودے
زنہار ازآں قوم نباشی کہ فریبند — حق را بہ سجودے و نبی را بہ درودے

غزلیات

ز من گرت نبود باور انتظار بیا — بہانہ جوئے مباش و ستیزہ کار بیا

به یکدو شیوه ستم دل نمی شود خرسند — به مرگِ من که به سامانِ روزگار بیا
هلاکِ شیوهٔ تمکیں مخواه مستاں را — عناں گسسته تر از بادِ نو بہار بیا
ز ما گسستی و با دیگراں گرو بستی — بیا که عهدِ وفا نیست استوار بیا
وداع و وصل جداگانه لذتے دارد — هزار بار برو صد هزار بار بیا
فریب خوردهٔ نازم چها نمی خواهم — یکے به پرسشِ جانِ امیدوار بیا
ز خوئے تست نهادِ شکیب نازک تر — بیا که دست و دلم می رود ز کار بیا
رواجِ صومعه هستی ست زینهار مرو — متاعِ میکده مستی است هوشیار بیا

حصارِ عافیتے گر هوس کنی غالب
چو ما به حلقهٔ رندانِ خاکسار بیا

دل برد و حق آنست که دلبر نتواں گفت — بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت
در رزم گهش ناچخ و خنجر نتواں برد — در بزم گهش باده و ساغر نتواں گفت
رخشندگیِ ساعد و گردن نتواں جُست — زیبندگیِ یاره و پرگر نتواں گفت
پیوسته دهد باده و ساقی نتواں خواند — همواره تراشد بُت و آزر نتواں گفت
از حوصله یاری مَطَلب صاعقه تیز است — پروانه شو اینجا ز سمندر نتواں گفت
هنگامه سرآمد چه زنی دم ز تظلّم؟ — گر خود ستمے رفت به محشر نتواں رفت
در گرم روی سایه و سرچشمه نجوئیم — با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت
آں راز که در سینه نهان است نه وعظ است — بر دار تواں گفت و به منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ ما را
مومن نہ بُوَد غالب و کافر نتواں گفت

بہ وادیٔ کہ در آں خضر را عصا خفتست — بہ سینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفتست
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز — گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفتست
غمت بہ شہر شبیخوں زناں بہ بنگہِ خلق — عسس بہ خانہ و شہ در حرم سرا خفتست
دلم بہ سبحہ و سجّادہ و ردا لرزد — کہ دزدِ مرحلہ بیدار و پارسا خفتست
ببیں ز دُور و مجو قربِ شہ کہ منظر را — دریچہ باز و بہ دروازہ اژدہا خفتست
دگر ز ایمنیِ راہ و قربِ کعبہ چہ حظ — مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست

بہ خواب چوں خودم آسودہ دل مداں غالب
کہ خستہ غرقہ بہ خوں خفتہ است تا خفتست

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند — شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند
رُخ کشودند و لبِ ہرزہ سرایم بستند — دل ربودند و دو چشمِ نگرانم دادند
سوخت آتشکدہ، ز آتش نفسم بخشیدند — ریخت بتخانہ، ز ناقوس فغانم دادند
گہر از رایتِ شاہانِ عجم برچیدند — بہ عوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند
افسر از تارکِ ترکانِ پشنگی بردند — بہ سخن ناصیۂ فرِّ کیانم دادند
گوہر از تاج گسستند و بہ دانش بستند — ہرچہ بردند بہ پیدا بہ نہانم دادند
ہرچہ در جزیہ ز گبراں مۓ ناب آوردند — بہ شبِ جمعۂ ماہِ رمضانم دادند

هرچه از دستگهِ پارس بہ یغما بردند   تا بنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند

اے ذوقِ نواسنجی بازم بہ خروش آور
غوغائے شبیخونے بر بنگہِ ہوش آور
گر خود نہ جہد از سر از دیدہ فرو بارم
دل خوں کن و آں خوں را در سینہ بہ جوش آور
ہاں ہمدمِ فرزانہ دانی رہِ ویرانہ
شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش آور
شورابۂ ایں وادی تلخ است اگر رادی
از شہر بہ سوئے من سرچشمۂ نوش آور
دانم کہ زرے داری، ہر جا گزرے داری
مے گر ندہد سلطاں از بادہ فروش آور
گر مغ بہ کدو ریزد، بر کف بنہ و راہی شو
ور شہ بہ سبو بخشد بردار و بہ دوش آور
ریحاں دمد از مینا، رامش چکد از قلقل
آں در رہِ چشم افگن، ویں از پئے گوش آور
گاہے بہ سبک دستی از بادہ ز خویشم بر
گاہے بہ سیہ مستی از نغمہ بہ ہوش آور

غالب کہ بقایش باد ہم پائے تو گر ناید
بارے غزلے فردے زاں موئنہ پوش آور

بیا و جوششِ تمنائے دیدنم بنگر | چو اشک از سرِ مژگاں چکیدنم بنگر
زمن بہ جرمِ تپیدن کنارہ می کردی | بیا بہ خاکِ من و آرمیدنم بنگر
شنیدہ ام کہ نہ بینی و نا امید نیَم | ندیدنِ تو شنیدم، شنیدنم بنگر
دمید دانہ و بالید و آشیاں گہ شد | در انتظارِ ہما، دام چیدنم بنگر
نیاز مندیِ حسرت کشاں نمیدانی | نگاہِ من شو و دُزدیدہ دیدنم بنگر
بہ دادِ من نرسیدی ز درد جاں دادم | بہ دادِ طرزِ تغافل رسیدنم بنگر

تواضعے نہ کنم بے تواضعے، غالب
بہ سایۂ خمِ تیغش خمیدنم بنگر

مرا کہ بادہ نہ دارم ز روزگار چہ حظ | ترا کہ ہست و نیاشامی از بہار چہ حظ
خوش است کوثر و پاک است بادہ کہ دردست | ازاں رحیقِ مقدس دریں خمار چہ حظ
چمن پُر از گُل و نسرین و دلربائے نے | بہ دشتِ فتنہ ازیں گردِ بے سوار چہ حظ
در آنچہ من نتوانم، احتیاط چہ سود | بدانچہ دوست نخواہد، ز اختیار چہ حظ
چنیں کہ نخل بلند ست و سنگ ناپیدا | ز میوہ تا نفتد خود ز شاخسار چہ حظ
نہ ہر کہ خونی و رہزن، بہ پایہ منصور ست | بدیں حضیضِ طبیعی ز اوجِ دار چہ حظ
بہ بندِ زحمتِ فرزند و زن چہ می کُشیم | ازیں نخواستہ غمہائے ناگوار چہ حظ

به عرضِ غصّهٔ نظیری وکیلِ غالب بس
اگر تو نشنوی از ناله ہائے زار چه حظ

بحر اگر موج زن است از خس و خاشاک چه باک — با تو ز اندیشه چه اندیشه و از باک چه باک

وحشتے نیست اگر خانه چراغے دارد — با دل از تیرگیِ زاویهٔ خاک چه باک

با رضائے تو ز ناسازیِ ایّام چه بیم — با وفائے تو ز بے مہریِ افلاک چه باک

کلکِ ما تا به کفِ ماست ز دشمن چه ہراس — چوں فریدوں علم آراست ز ضحاک چه باک

طبعم از دخلِ خساں باز نه استد ز سخن
شعله را **غالب** از آویزشِ خاشاک چه باک

بیا که قاعدهٔ آسماں بگردانیم — قضا به گردشِ رطلِ گراں بگردانیم

ز چشم و دل به تماشا تمتّع اندوزیم — ز جان و تن به مدارا زیاں بگردانیم

به گوشهٔ بنشینیم و در فراز کنیم — به کوچه بر سرِ ره پاسباں بگردانیم

اگر ز شحنه بُوَد گیر و دار نندیشیم — دگر ز شاه رسد ارمغاں بگردانیم

گل افگنیم و گلابے به رہگذر پاشیم — مَے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم — به کاروبارِ زنِ کارداں بگردانیم

گہے به لابه سخن با ادا بیامیزیم — گہے به بوسه زباں در دہاں بگردانیم

نہیم شرم به یک سو و باہم آویزیم — به شوخیی که رُخِ اختراں بگردانیم

ز جوشِ سینه سحر را نفس فرو بندیم — بلائے گرمیِ روز از جہاں بگردانیم

بہ وہمِ شب ہمہ را در غلط بیندازیم
زنیمہ رہ رمہ را با شباں بگردانیم

بہ جنگ باج ستانانِ شاخساری را
تہی سبد ز در گلستاں بگردانیم

بہ صلح بال فشانانِ صبح گاہی را
ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود
گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

بہ من وصالِ تو باور نمیکند غالب
بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

دیدہ ور آنکہ تا نہد دل بہ شمارِ دلبری
در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آزری

اے تو کہ ہیچ ذرّہ را جُز بہ رہِ تو روئے نیست
در طلبت تواں گرفت بادیہ را بہ رہبری

ہر کہ دل است بر درش داغِ تو رویدش ز دل
تا چو بہ دیگرے دہد باز بری بہ داوری

رشکِ مَلک چہ و چرا چوں بہ تو رہ نمی برد
بیہدہ در ہوائے تو می پرد از سبکسری

حیف کہ من بہ خوں تپم وز تو سخن رود کہ تو
اشک بہ دیدہ بشمری نالہ بہ سینہ بشکری

کوثر اگر بہ من رسد خاک خورم ز بے نمی
طوبیٰ اگر ز من شود ہیمہ کشم ز بے بری

بینیم از گدازِ دل در جگر آتشے چو سیل
غالب اگر دمِ سخن رہ بہ ضمیرِ من بری

از جسم بہ جاں نقاب تا کے — ایں گنج دریں خراب تا کے
ایں گوہرِ پُر فروغ یا رب — آلودۂ خاک و آب تا کے
ایں راہ روِ مسالکِ قدس — واماندۂ خورد و خواب تا کے
بے تابیِ برق جز دمے نیست — ما دیں ہمہ اضطراب تا کے
جاں در طلبِ نجات تا چند — دل در تعبِ عتاب تا کے
پُرسش ز تو بے حساب باید — غمہائے مرا حساب تا کے
غالب بہ چنیں کشاکش اندر
یا حضرتِ بو تراب تا کے

رباعی

خواندیم سخن ہائے محبّت بسیار
راندیم سخن ہائے محبّت بسیار
رفتیم آخر ز عالم و در عالم
ماندیم سخن ہائے محبّت بسیار

نوادر

شہنشاہِ بابر

نوروز و نوبہار و مئے و دلبرے خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ہلاک می کندم فرقتِ تو دانستم   دگرنہ رفتن ازیں شہر می توانستم

تا بہ زلفِ سیہش دل بستم   از پریشانیِ عالم رستم

رباعی

درویشاں را گرچہ نہ از خویشانیم
لیک از دل و جاں معتقدِ ایشانیم
دُور است مگوئے شاہی از درویشی
شاہیم و لے بندۂ درویشانیم

ہمایوں پادشاہ

قطعہ

بہ خانخاناں بیرم خاں نوشتہ شد

بازفتحے زغیب روئے نمود که دلِ دوستاں ازاں بکشود
شکر للہ کہ باز شادانیم بر رُخِ یار و دوست خندانیم
دوستاں را بہ کامِ دل دیدیم میوۂ باغِ فتح را چیدیم
روزِ نوروزِ بیرم است امروز دلِ احباب بے غم است امروز
شاد بادا ہمیشہ خاطرِ یار غم نہ گردد بہ گردِ یار و دیار
ہمہ اسبابِ عیش آمادہ است دل بہ فکرِ وصالت افتادہ است
کہ جمالِ حبیب کَے بینم گل ز باغِ وصال کَے چینم
گوش خُرّم شود ز گفتارت دیدہ روشن شود ز دیدارت
در حریمِ حضور شاد بہم بنشینیم خُرّم و بے غم

بعد ازیں فکرِ کارِ ہند کنیم
عزمِ تسخیرِ مُلکِ سند کنیم

غزل

گزشت از دلِ سرگشتہ ناوکِ ستمش
نماند بر منِ دلدادہ لذّتِ المش

بہ قصدِ کشتنِ عشاق گر کند میلے
عجب نباشد از اخلاق و شیوۂ کرمش

کجاست زہرۂ قربِ حریم حرمت او
کہ جبرئیلِ ایں نیست محرمِ حرمش

اگر بہ پرسشِ عشّاق می نہد قدمے
ہزار جانِ گرامی فدائے ہر قدمش

اورنگ زیب عالمگیر

غمِ عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگِ بیاباں را

شاہِ عالم ثانی

درسِ عبرت

در ۱۱۰۲ ہجری غلام قادر رہیلہ بر قلعۂ دہلی متصرف شدہ ہر دو چشمِ جہاں بینِ شاہِ عالم ثانی را بہ نوکِ خنجر برکند و شاہ احوالِ پُرملالِ خود را در اشعارِ ذیل برعد داد:-

صرصرِ حادثہ برخاست پئے خواریِ ما
داد برباد سر و برگِ جہانداریِ ما

آفتابِ فلکِ رفعتِ شاہی بودم
بُرد در شامِ زوال آہ سیہ کاریِ ما

چشمِ من کندہ شد از جورِ فلک بہتر شد
کہ نہ بینم کہ کند غیر جہانداریِ ما

کردہ بودیم گناہے کہ سزایش ایں بود
ہست امید کہ بخشند گنہگاریِ ما

داد افغاں بچۂ شوکتِ شاہی برباد
کیست جز ذاتِ خدائے کہ کند یاریِ ما

نازنینانِ پری چہرہ کہ ہمدم بودند
کیست جز محلِ مبارک بہ پرستاریِ ما

عہد و پیماں بہ میاں دادہ نمودند دغا
محلیاں خوب نمودند وفاداریِ ما

شیر دادیم بہ افعی بچۂ پروردیم
عاقبت گشت مجوز پئے خونخواریِ ما

راجہ و راؤ زمیندار امیر و چہ فقیر
حیف باشد کہ نہ سازند بہ غم خواریِ ما

آفتاب از فلک امروز حوادث دیدیم
باز فردا دہد ایزد سر و سرداریِ ما

بہادر شاہ

بُتے سرکشے کافرے کج کلاہے — بہ رُخ آفتابے بہ رخسار ماہے

معطّر کُنِ مغزِ جانِ دو عالم — بہ عنبر فشانیِ زلفِ سیاہے

بہ ہر گام در راہِ مہر و محبّت — دو دیدہ بہ دنبالِ او داد خواہے

نہ در خاکساری چو من بے نوائے — نہ در ناز و تمکیں چو او پادشاہے

برم تحفۂ پیشِ او از کجا من — نہ در دیدہ اشکے نہ در سینہ آہے

فگند از سرِ زلف آں ماہِ خوباں
ظفر بر منِ بے بضاعت نگاہے

مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں

غزل

شمارِ شوق ندانستہ ام کہ تا چند است — جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزومند است

ادائے حقِ محبّت عنایتے ست ز دوست — وگرنہ خاطرِ عاشق بہ ہیچ خرسند است

نہ زلف دانم و نے دام ایں قدر دانم — کہ پائے تا بہ سرم ہر چہ ہست در بند است

به دوستی که بجز دوستی نمی‌دانم　　خدائے داند و آں کو مرا خداداده است

ازیں خوشم به سخن ہائے عالیہائے رحیم
که اندکے به ادا ہائے دوست مانده است

تمام عمر و محبت شدم نمی دانم
که دل کدام، محبت کدام و یار کدام

میر غلام علی آزاد بلگرامی

غزلیات

حالِ منِ درویش به سلطاں که کند عرض　　از مورِ پیامے به سلیماں که کند عرض

در کوچۂ ایں شهر مرا تنگ گرفتند　　بیتابیِ مجنوں به بیاباں که کند عرض

عمریست که یک خانه نشد قسمتِ پایم　　حرمانِ غریبی به مغیلاں که کند عرض

از دل شکنی حالتِ ظالم شود ابتر　　ایں حرف به آں زلفِ پریشاں که کند عرض

آزاد ازیں باغ نچیند گلِ رعنا
یک رنگیِ او را به عزیزاں که کند عرض

دلربا یا نہ بہ ویرانۂ ما می آئی می تواں یافت کہ از شہرِ وفا می آئی

طرزِ شوخی نگزارد کہ نشینی یک جا بہ تماشائے چمن یا بہ حنا می آئی

می تواں ریخت عبیرے زغبارِ دامن گر بہ گلگشتِ مزارِ شہدا می آئی

بر سرِ مشہدِ آزاد شنیدم امروز
کہ تو می آئی و بسیار بجا می آئی

عہدِ نو

۱۲۷۶ھ —— ۱۳۶۹ھ

۱۸۵۷م —— ۱۹۵۰م

تبرّکات

سید احمد خاںؒ

بانیِ دارالعلوم علی گڑھ

غزل

فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم
مسیحا رشک می آرد ز درمانے کہ من دارم

ز کفرِ من چہ می خواہی، ز ایمانم چہ می پُرسی
ہماں یک جرعۂ عشق است ایمانے کہ من دارم

خدا دارم، دلے بریاں ز عشقِ مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

ز جبریلِ امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم
ہمہ گفتارِ معشوق است قرآنے کہ من دارم

ز برہاں تا بہ ایماں سنگہا دارد رہِ واعظ
ندارد ہیچ واعظ ہیچو برہانے کہ من دارم

ابیات

کیست آں سروِ سہی کاندر رہش   باختم دین و دل و آرام را
قومِ ما، اے قومِ ما، کز بہرِ تو   دادہ ام برباد ننگ و نام را

لوحِ مزار

تابِ یک جلوہ نیاورد نہ موسےٰ و نہ طُور
ایں دلم ہست کزیں گونہ ہزاراں دید است

مولینا محمّد قاسم رح

بانیِ دارالعلوم دیوبند

مناجات

الٰہی غرقِ دریائے گناہم   تو می دانی و خود ہستی گواہم
گناہِ بے عدد را بار بستم   ہزاراں بار توبہ ہا شکستم
حجابِ مقصدم عصیانِ من شد   گناہم موجبِ حرمانِ من شد
بہ آں رحمت کہ وقفِ عام کردی   جہاں را دعوتِ اسلام کردی

نمی دانم چرا محروم ماندم — رهینِ این چنیں مقسوم باشم
دلم از نقشِ باطل پاک فرما — به راهِ خود مرا چالاک فرما
بکَش از اندرونم الفتِ غیر — بشو از دل ہوائے کعبہ و دیر
درونم را به عشقِ خویشتن سوز — به تیرِ دردِ خود جان و دلم دوز
دلم را محوِ یادِ خویش گرداں
مرا حسبِ مرادِ خویش گرداں

حالی رح

در شعر سرودن به زبانِ اُردو طرحِ نویں انداخت۔ اوّلاً در زبانِ فارسی ہم شعری گفت۔ از وست :۔

غزلیات

برقع به رخ افگنده دہر سو نگران اند — فریاد که ایں پردگیاں پرده دران اند
از زلف و رخ آشوبِ دلِ بوالہوسان اند — در نازو ادا فتنۂ صاحب نظران اند
جاں دار وئے عشق اند و به کامِ دلِ اغیار — عمرِ ابدِ ما و نصیبِ دگران اند
صد حرفِ غلط گفته به خاطر بنشانند — صد تیرِ خطا کرده ز دل درگزران اند

سازند و بسوزند و گرایند و ربایند — زنهار ازیں قوم که پُر فتنه گران اند

لب بهره ز رازِ ما ندارد — خود زمزمه سازِ ما ندارد

هر جا صنمے است معبدِ ماست — یک قبله نمازِ ما ندارد

بر نالۂ ما دلش نه سوزد — آں کس که گدازِ ما ندارد

آں گوش که پُر ز حرف و صوت است — گنجائیِ رازِ ما ندارد

کارم به کسے فتاده کز ناز — پروائے نیازِ ما ندارد

گر هر دو جهاں فراهم آرند — اندازۂ آزِ ما ندارد

حالی گلۂ جفائے دوراں

صوتے ست که سازِ ما ندارد

عشق اگر کیش است ملت ها کهن خواهد شدن — منبرے هر گوشه از دار و رسن خواهد شدن

می دمد گُل هر کجا پائے نگاریں می نهی — جاده چوں از سیر باز آئی چمن خواهد شدن

شکوه گر بر لب نیاید عاقبت کیں می شود — زخم را درماں نباشد چوں کهن خواهد شدن

در غریبی طرحِ الفت افگنم با هر کسے — در دلِ گبر و مسلمانم وطن خواهد شدن

غزلِ ناتمام

بے نورِ صفائے دل، پنهاں شده هر پیدا — اے شب تو به پایاں رس، اے مهرِ درخشاں شو

سازند و بسوزند و گرایند و ربایند
زنهار ازیں قوم که پُر فتنه گران اند

لب بهره ز رازِ ما ندارد
خود زمزمه سازِ ما ندارد

هر جا صنمے است معبدِ ماست
یک قبله نمازِ ما ندارد

بر نالهٔ ما دلش نه سوزد
آں کس که گدازِ ما ندارد

آں گوش که پُر ز حرف و صوت است
گنجائیِ رازِ ما ندارد

کارم به کسے فتاده کز ناز
پروائے نیازِ ما ندارد

گر هر دو جهاں فراهم آرند
اندازهٔ آزِ ما ندارد

خالی گلهٔ جفائے دوراں
صوتے ست که سازِ ما ندارد

عشق اگر کیش است ملّت ها کهن خواهد شدن
منبرے هر گوشه از دار و رسن خواهد شدن

می دمد گُل هر کجا پائے نگاریں می نهی
جاده چوں از سیرِ باز آئی چمن خواهد شدن

شکوه گر بر لب نیاید عاقبت کیں می شود
زخم را درماں نباشد چوں کهن خواهد شدن

در غریبی طرحِ الفت افگنم با هر کسے
در دلِ گبر و مسلمانم وطن خواهد شدن

غزلِ ناتمام

بے نورِ صفائے دل، پنهاں شده هر پیدا
اے شب تو به پایاں رس، اے مهرِ درخشاں شو

گر بازوئے ہمت ہست دستے بہ گریباں زن | ور پائے ارادت ہست لختے بہ بیاباں شو
شوخی است کہ نگزارد بر ملتِ خود کس را | اے شیخ ز دیں برگرد، اے گبر مسلماں شو
اے بر تو نقاب از تست خود جلوہ حجاب از تست | از خود بہ خدا پیوند و ز خویش برآ، آں شو

حالی بہ سخن خواہی رفتن نہ بہ پئے غالب
«دولت بہ غلط نبود، از سعی پشیماں شو»

مرثیۂ سید احمد خاں

(بندِ اوّل)

آہ ازیں تیرِ گزارا کز کماں انداختند | آہ کز یک زخم قومے نیم جاں انداختند
اے عجب کز رحلتِ فردے ز افرادِ بشر | عالمے را از قیامت در گماں انداختند
اے عجب کز مردنِ یک پیر مردِ سالخورد | تاب و تب در کودک و پیر و جواں انداختند
اے عجب کز سوزِ اندوہِ وفاتِ مسلمے | مردمِ ہر کیش را آتش بہ جاں انداختند
سیّد اندر قوم نقدے بود اندر کیسہ | کیسہ خالی ماندہ و نقد از میاں انداختند
قوم را سرمایۂ مجد و علا از دست رفت | بعد ازاں کایں گنج را در خاکداں انداختند
نو بہار آید دگر در باغِ قوم امید نیست | بعد از و طرحِ خزانِ جاوداں انداختند
تا قیامت گوئی از تاراجِ ما فارغ شدند | کایں مصیبت بر سرِ اسلامیاں انداختند

رفت و با خود رونقِ بزمِ مسلمانی ببرد | ملّت از مرگش بمرّد و مسلمانی بمرد

مولانا عبیداللہ عبیدی سہروردی جہانگیرنگری

(وفات ۱۳۰۶ھ)

غزلیات

سفینہ ایست پُر از رمزِ عشق سینۂ ما
خیالِ یار بیا بنگر ایں سفینۂ ما

بہ آبگینہ زنی مشت، دست رنجہ شود
حذر ز بہرِ خدا کن ز آبگینۂ ما

ز اشکباریِ روز و شبم چہ کار کشود
نہ شست از دلِ او چوں غبارِ کینۂ ما

چو ہست حکمِ تو جاری بہ کشورِ دلہا
چرا خراب بُوَد کارِ ایں مدینۂ ما

عبید ذکرِ لبِ لعلِ اوست در نظم
بہ از نبات بُوَد نظمِ شکّرینۂ ما

صبح روشن شد بر آمد آفتاب
بر کفم نہ ساقیا جامِ شراب

آں مئے گلرنگ نوشیں تر ز نوش
کوست چوں گل سرخ و بویا چوں گلاب

ہست در مینا زیہ بگدا اختر
ہست در زرّیں قدح لعلِ مذاب

چوں بہ مینا در، نجوم اندر فلک
چوں بہ ساغر در، درخشاں آفتاب

گرچشد یک جرعہ زاں فرتوت پیر
باز یابد حالیا عہدِ شباب



عبیدی

ساغرے چوں آفتاب آور بہ دست | شد نہفتہ آفتاب اندر سحاب
توبہ از مے کردم و نادم شدم | در چنیں فصل است توبہ ناصواب
برنگیرم من حساب از محتسب | چوں ندارم من غمِ روزِ حساب

چیست ایں ہستیِ دو روزہ عبید
برسرِ آبِ رواں خیلِ حباب

درآمد از درِ من یارم امشب | کہ باشد طالعِ بیدارم امشب
چو پروانہ بہ روئے یار رقصم | چو شمع از دیدہ خوں می بارم امشب
زمستی تا نہ سر ماند نہ دستار | بدہ یک ساغرِ سرشارم امشب
بسوزم روز را از رشکِ ایں شب | نقاب از چہرہ اش بردارم امشب

عبیدی دُرّ و گوہر را نخواہم
کہ کلکِ گوہر افشاں دارم امشب

ابلہے کو ز خدا غیرِ خدا می طلبد | خار از گل طلبد خستہ ز خرما طلبد
تا بہ خورشیدِ رُخت دیدہ بدوزد گستاخ | دلِ دیدار طلب دیدۂ حربا طلبد
گو رخِ یوسفِ من بیند و نظمم شنود | ہر کرا دل کفِ موسیٰ، دمِ عیسیٰ طلبد
مطلبے می طلبد گر دلِ زارت ز خدا | از منش گوے خدا را کہ خدا را طلبد

از پئے خویش عبیدی دلِ شبہا بہ شریک
سرِ شوریدہ ز سودا دلِ شیدا طلبد

خوں کہ از دیدہ چکیدست شراب ست امروز
دلِ شوریدہ نمک سود کباب ست امروز

جائے یک حرف چو در نامۂ اعمال نماند
ہر گناہے کہ کنم عینِ ثواب ست امروز

ننگ و ناموس عبیدی ز تو گشتند وداع
رخصتِ صبر و سکون، طاقت و تاب ست امروز

عمر بہ پایاں رسید فتنۂ خوباں ہنوز
دل ز جہاں سرد شد سوزشِ پنہاں ہنوز

قوتِ عہدِ شباب رفت و شدم بسکہ پیر
لیک نرفت از دلم عشقِ جواناں ہنوز

موئے سیاہم سفید گشت بہ پیری ولے
روئے سیہ دارم از شامتِ عصیاں ہنوز

آتشِ شوق ار چہ شد سرد ز آبِ وصال
گرمی دارم نہاں از تپِ ہجراں ہنوز

ترکِ تنم گفت جاں در غمِ آئینہ رو
بر رخِ او ہست وا دیدۂ حیراں ہنوز

خشک و ترم ہر چہ بود رفت بہ باد دما
خشک لب و چشم تر در غمِ جاناں ہنوز

بردہ پریشانی از گیسوئے او شانہ گر
در خمِ ہر پیچِ او جانست پریشاں ہنوز

بحرِ طبیعت ترا گرچہ بہ پیری ست خشک
لیک دہد اے عبید لولوئے غلطاں ہنوز

بہار آمدہ گلرنگ مے بہ ساغر ریز
ز نکہتِ گل و ریحانست باد عنبر بیز

بخواہ شاہدِ نو خیز و گیر بادۂ جام
بکن بہ دشت تماشائے سبزۂ نو خیز

علاجِ طبعِ فسردہ بجوئے از آبے
کہ ہست آب بہ شکل و بہ طبع آتش بیز

گرفت زاہدِ ما آبِ آتشیں در دست
ز آبِ آتشے برزند بہ خرقہ بہ ہیز

گرت ارادهٔ صلح ست جانِ من بنشیں — ورت ارادهٔ جنگ ست مرحبا برخیز

برائے دردِ غمِ دل عبید یاست دوا

اگرچہ شعرِ تو تست بسکہ درد انگیز

(در صفتِ چائے مزرعِ سلہٹ)

بہ رنگ ہمسرِ راحِ لطیف ریحانی — بہ بوئے رو کشِ ریحان و عنبر و لادن

زمرد است بہ شکل و از و برآید لعل — بنفشہ ہست بہ رنگ و از و دمد ردین

خورد چو جوش برآید از و سے احمر — بہ شکلِ ظاہر اگر ہست اغبر و ادکن

مئے کہ نیست صداعِ خمار در شربش — مئے کہ گاہ نماندہ بہ قعرِ شیشہ ودن

بہ پیشِ او بہ صفت چوں گیاہکے زرد ست — ہر آں گزیدہ صفت چائے کاید از پیکن

اگر ز بوئے خوشش مست نغمہ یابد — عجب نباشد اگر رو بتابد از ارسن

سزد برند نمونہ ازیں شگرف متاع — بہ شہرِ برلن و پاریس و جرمن و لندن

سزد کنوں کہ ازیں چائے خطۂ سلہٹ — ز فخر باج نخواہد ز ملکِ چین و ختن

کند ممالکِ چیں ہمسری بہ سلہٹ حال — برابری چو بہ گلشن سگہے کند گلخن

چنیں کہ رو کشِ چیں گشت خاکِ بنگالہ — سزد کہ طعنہ زند سلہٹ اکنوں بر قنطن

آزاد جہانگیرنگری

(وفات ۱۳۲۶ھ)

در مدح جہانگیرنگر (ڈھاکہ)

همایون خطّهٔ مینو سوادے دلکشا شہرے
که باشد روکشِ گلزارِ جنت ہر بیابانش

مبارک مرز بومے جاں فزا جائے طرب خیزے
که آمد خوشتر از صبحِ وطن شامِ غریبانش

مقرِّ دولت و اقبال، شارستانِ معمورے
که از رفعت به کیواں می زند پہلو ہر ایوانش

غبارش غازهٔ رخسارهٔ گردونِ مینائی
سوادش سرمهٔ چشمِ مه و خورشید رخشانش

ز تاثیرِ ہوا و آبِ جاں بخش و رواں پرور
فراغ از فیضِ انفاسِ مسیح و آبِ حیوانش

ز جاں آسائیِ شام و مسرت زائیِ صبحش
به جاں شامِ ہرات و صبحِ نیشاپور قربانش

طرب ساماں شنیدن از نواہائے طیورِ او
چمن سرمایه دیدن از گل و ریحانِ الوانش

به صد حسن و صفا سمتِ جنوب اندر سطحِ آبِ خود
بُود دریاچه اش آئینه دارِ عظمتِ شانش

رواں سرمایه بابِ نزہت از آبِ روانِ او
تواں نیرو پذیر فرحت از اندازِ جریانش

گہرہائے سلامت زینتِ دامانِ موجِ او
سفرہائے ظفر آیت طرازِ جیبِ طوفانش

چه دریائے که بہرِ رونمائے شہرِ خود دارد
ز کشتیہا صدف ہائے پُر از گوہر به دامانش

چه زیبا گل زمین، حسن آفرین شهرِ نزاکت زا — که هست از خوبرویان در بغل صد یوسفستانش

نزاکت دلبری آماده طرزِ بتانِ او — قیامت پیشِ پا افتادهٔ محشر خرامانش

خرابِ جلوهٔ خوبانِ او صد خلخ و کشمیر — به جان دادهٔ فتنهٔ طرزِ بتان فرخار و کنعانش

تبسم پرده دارِ کینهٔ سنگین دلانِ او — تکلم پیشکارِ عشوهٔ جادو ادایانش

گرفته بیعتِ صنعت ز چین و لندن و پیرس — نزاکت هائے چابکدستیِ صنعت طرازانش

فرید دهر صناعانِ صنعت آفرینِ او — خصوصاً زرگران و همگرانِ جامه بافانش

تو گوئی ساختند از غایتِ حسن و لطافتها — ز تارِ نورِ مهتاب و شعاعِ مهرِ تابانش

به انواعِ نزاکت آفرینی در رفوکاری — میانِ اهلِ صنعت همگران مشهورِ دورانش

رفو صد جا زنند از سوزنِ مژگانِ معشوقان — به چاکِ سینهٔ عشاقِ بے احساس و وجدانش

ز نازک جامه هائے خوشنمائے ممتع صنعت — که آمد باعثِ صد ناز بر اقصائے گیهانش

سمن زارِ جهان در دامنِ هر کارگاهِ او — هزاران چادرِ مهتاب فرشِ صحنِ دکانش

سمندر لهرِ او آئینه دارِ موجهٔ بحرش — چکن هائش مرقع هائے تصویرِ گلستانش

کشیده از سرِ تعظیم بر سرها بود جایش — که در هر شهر بینی صرفِ دستارِ بزرگانش

روان را مایهٔ آرام از آبِ روانِ او — به جان منت کشِ آسایشِ تن سرو قدانش

قصیده

ز بادِ سردِ زمستان و ابرِ برف افشان — اثیر میدهد اکنون ز زمهریر نشان

زبسکه منجمد از سردیِ هوا شده است / ز مردمک نرسد نور تا سرِ مژگان
به جسمها اثرِ بَرد شد چنان ساری / که ماند از حرکت خونِ ناب در شریان
سزد که چشمهٔ خورشید منجمد گردد / ز سردیِ دمِ صرصر به گنبدِ گردان
کنون که از نفسِ سردِ باد در عالم / نماند گرمیِ رخسارهای شعله رخان
سزد که آتشِ عشقِ بُتان شود خاموش / به مجمرِ دلِ پُرسوزِ آتشین نفسان
درین زمانه همه انتقامِ مکر و دغا / گرفت دادِ برد از عجوزهٔ دوران
نمی‌کند حرکت هیچ کس ز خانهٔ خویش / درین زمانه که در برف شد زمین پنهان
چه مالدار و چه بی‌مایه در خورِ مقدور / برای راحتِ خود کرده هر کسی سامان
برای حفظِ وجود از اذیتِ سرما / شهان به شال و گدایان تهِ گلیم نهان
نموده گرم ز خورشید روی خود آغوش / گدا به گوشهٔ نی بست و شاه بر ایوان
کسی ز آتشِ بی‌دود کرده روشن جام / که گرمیش بدهد خونِ بسته را سیلان
کسی به حلقهٔ آغوشِ شعله رخساری / ز جورِ صدمهٔ سرما گرفته است امان
ز گُزینِ وطن درچنین زمان که کسی / نمی‌کند حرکت از مقرِّ خود به جهان
به سیلیِ ستمِ دهر و گردشِ تقدیر / روان به جانبِ کلکتّه ام به صد حرمان
میانِ کشتیِ چرخی نشسته ام مغموم / جگر گداخته از رنجِ دوریِ یاران
سفینه که بسانِ سفینهٔ شعرم / هزار بحر در آغوشِ او شود پنهان
دهان گشاده نهنگی است در میانهٔ بحر / که مثلِ فیلِ سیاهی شده ست قطره زنان

دیا بزرگ عقابے بہ بازوانِ قوی   فرازِ چشمۂ سیماب میکند طیراں

شبانہ روز روان است ہمچو فُلکِ فلک   بہ بحرِ پدّا کہ یک لجّہ ایست فتنہ نشاں

محیطِ کشورِ بنگالہ بحرِ ذخارے   کہ ساحلش بہ زمستاں بُوَد زدیدہ نہاں

جگر گدازِ نہنگاں محیطِ پُر شورے   کہ شورِ موجۂ او میدہد ز صُور نشاں

بہ رنگِ طرّۂ خوباں ہمیشہ در خم و تاب   بسانِ دیدۂ عاشق ہمیشہ در طغیاں

شبانہ روز بہ کارِ شکست و پیوست ست   خداش کردہ مگر قاسمِ زمیں بہ جہاں

چنیں محیطے و بر کشتیم بہ تنہائی   ندیمِ رنج و رفیق ست حسرت و حرماں

بہ شکوۂ ستمِ دہر ہم زباں ہستیم   بہ صد ملامت و حسرت من و دلِ گریاں

زبسکہ پنجۂ اندوہ دل بہ سینہ فشرد   زنوکِ ہر مژۂ سر کشیدہ صد طوفاں

زشعلہ ریزیِ افکار و سوزشِ تپِ غم   بہ سر گداختہ مغز و بہ جسم سوختہ جاں

گہے ز دوریِ گلزارِ ڈھاکہ نالہ بہ لب   گہ از جدائیِ یاراں زدیدہ اشک فشاں

گہ از خیالِ تباہی نمک بہ زخمِ جگر   گہے ز سوزِ دروں آتشے بہ خرمنِ جاں

گہے بہ شکوۂ بختِ سیہ زباں گستاخ   گہے زحیرتِ دل سرمہ در گلوے بیاں

زبے قراریِ دل روئے یاس پیشِ نظر   ز اضطرابِ جگر جلوہ گر رخِ حرماں

گداخت دل زستم ہائے دہر وقت آنست   کہ عرضِ حال کنم پیشِ دادرِ دو جہاں

پناہِ عالم و آدم محمدِ عربی   امامِ خیلِ رسل قبلۂ زمین و زماں

شفیعِ روزِ جزا سیدی ابوالقاسم   قسیمِ خلد و سقر، علتِ وجودِ جہاں

شہنشہے کہ خیالِ ثناش میسر یزد — چمن چمن گُلِ نزہت بہ دامنِ اذہاں
اگر شرارۂ قہرش زبانہ زن گردد — بہ چرخ حوت شود ہمچو ماہیِ بریاں

ترانہ کہ سراید بہ وصفش اے آزاد
بہ روزِ محشر للہ دُرّۂ حسّاں

غزلیات

نگاہِ او نہ تنہا کرد رُسوا بے قراراں را — شکستِ رنگ شد آئینہ حالِ رازداراں را
بہ آں شوخی ادایش ساخت کارِ دلفگاراں را — کہ بر لب نالہ از حیرت گرہ شد غمگساراں را
بہ دل می آفریند بالیقینِ سُست پیمانی — یک اندازِ نگاہت صد شکیبِ امیدواراں را
شبِ مہتاب و سیرِ دجلہ در بنگالۂ شرقی — رساند نشۂ عیش و نشاطِ بادہ خواراں را
زعیشِ برشگال آگہ نبود رندے کہ در خلوت — بسر کرد ست با معشوق و مے شبہائے باراں را
چہ می نازی بہ جاہِ بے بقا زیرِ زمیں بنگر — بجائے تاج بر سر خاکِ گردوں اقتداراں را

شدا ے آزاد از معجز نگاری ہائے کلکِ تو
قلم انگشتِ حیرت در دہاں جادو نگاراں را

ہجومِ دردمنداں باز برخاکِ من است امشب — چراغِ تربتم از سوزِ دلہا روشن است امشب
بیا در رنگِ عشرت ہائے مشتاقاں تماشا کن — بجائے گل جگر پرکالہ ہا در دامن است امشب
نمی دانم کہ نازِ کیست بیباکانہ شبخوں زن — کہ در دل ہر طرف آوازہ شکن شکن است امشب

آنکہ آزرمِ دے آزارِ نہاں می دارد | سرِ غمخواریِ خونیں جگراں می دارد

دہر ہر لحظہ زصد فتنہ نشاں می دارد | آدمی خاطرِ آسودہ چساں می دارد

دل برآں عاشقِ بدعاقبتم می سوزد | کہ وفا چشم زانصافِ بتاں می دارد

یا زدر سینہ زخوں گرمیِ بے تابیِ شوق | خلشے ناوکِ نازِ تو نہاں می دارد

گرچہ جادو سخنانند درآفاق بسے
مگر آزاد عجب طرزِ بیاں می دارد

شکر کز دولتِ جاوید نشانم دادند | عوضِ گنج رواں طبعِ روانم دادند

تا رُباید دلِ جادو سخناں را بہ فسوں | قلمِ سحر نوائے بہ بیانم دادند

تا بہ دلہا شکند نشترِ حسرت سخنم | فیض ہا از دمِ خونیں نفسانم دادند

غمگساراں زجہاں رفتہ و بر دل داغے | یادگاریست کہ از فرقتِ شانم دادند

عشرت از نسبتِ من طبع ملالت گیرد | کہ زحسرت دل واز درد روانم دادند

تا بہ کامِ دگراں بینمش از شورشِ شوق | راہ در انجمنِ بوالہوسانم دادند

تا نیفتد ز صریرِ قلمم شور بہ دہر | عوضِ مشقِ سخن شغلِ فغانم دادند

در غمِ عشقِ تو بے صرفہ فغانم دادند | دلم از دست ربودند و زبانم دادند

نشترِ کلکِ حزیں سینہ خراشید آزاد
تا دل و دیدۂ خوننابہ فشانم دادند

دلِ آسودہ زہر عیش نشانے دارد | ہر کرا خاطرِ جمعے است جہانے دارد

هر زماں کارے و هر کار زمانے دارد
حیف پیرے که مهرِ وصلِ جوانے دارد

جاں بری زاں قدر انداز محال است محال
که ز ابرو و مژه تیر و کمانے دارد

یارب اندر چمنِ دهر گلِ خاطرِ کیست
کز سمومِ غمِ ایام امانے دارد

چوں نه نازیم به هم طرزیِ حافظ **آزاد**
کلکِ ما نیز زبانے و بیانے دارد

برخِ حسرتِ دنیا درِ دل وا کردیم
مقدمِ خانه برانداز تمنا کردیم

تا جگر پاره شد و ریخت به همراهیِ اشک
پارهٔ از غمِ دل بود که افشا کردیم

به پیامے نگرائید و سلامے ننواخت
آنکه صد نامه به خونِ دلش انشا کردیم

به غلط فهمیِ ما حیف که از مزرعِ دهر
جز زیاں هیچ نبود آنچه تمنا کردیم

در نواگستری از همدمیِ سازِ خیال
خامه از غیرتِ مضرابِ نکیسا کردیم

از سبک روحی و آزاده دلی اے **آزاد**
راه مثلِ سخنِ خویش به دلها کردیم

شمس العلما مولانا محمد شبلی نعمانی

(۱۲۷۴ھ ——— ۱۳۳۲ھ)

داستانِ عہدِ گل

غزلیات

دستۂ گل

ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء

چند بیہودہ بہ بندِ غمِ دنیا باشم
زیں سپس با قدح و بادہ و مینا باشم

جبہ سائے حرمِ کعبہ چو بودم یک چند
بر درِ بتکدہ ہم ناصیہ فرسا باشم

گرچہ رندی و ہوس شیوۂ دانا نبود
حاجتم نیست کہ فرزانہ و دانا باشم

بادہ ہرچند بہ خرقہ تواں نیز کشید
نرگسِ مستِ کسے خواست کہ رسوا باشم

اے خوش آں روز کہ رازم فتد از پردہ بروں
از دو سو خلقے و من مے زدہ رسوا باشم

محتسب دست بہ دامانِ من و من سرمست
دست در دامنِ آں شوخِ خود آرا باشم

دامنِ عیش ز دستم نرود تا شبلی
دامنِ بمبئی از کف ندہم تا باشم

ستمبر ۱۹۰۶ء

نثارِ بمبئی کن ہر متاعِ کہنہ و نَو را — طرازِ مسند و جمشید و فرِّ تاجِ خسرو را
بہ ہر سو از ہجومِ دلبرانِ شوخِ بے پروا — گزشتن از سرِ رہ مشکل افتادست رہرو را
فغاں از گرمیِ ہنگامۂ خوبانِ زردشتی — بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و ضو را
بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنّت نخواہی یافت — کنارِ آبِ چوپاٹی و گلگشتِ اپالو را

بیا شبلی بہ یادِ پنجہ گیرائے مژگانش
دگر رہ پارہ سازم ایں قبائے زہدِ صد تَو را

ستمبر ۱۹۰۶ء

گردم از مدحتِ شیراز و صفاہاں زدہ ام — شرم بادم کہ نواہائے پریشاں زدہ ام
بمبئی بود مرا منزلِ مقصود و عبث — پیش ازیں گامِ طلب در رہِ حرماں زدہ ام
ساغرِ زندگیم (حیف) کہ جز درد نداشت — جز ہمیں جرعۂ آخر کہ بہ پایاں زدہ ام
اندکے نیز بہ کامِ دلِ خود بیں باشم — روزگارے چو دم از دانش و عرفاں زدہ ام
چند در پردہ تواں کرد سخن فاش بگوے — سنگ بر شیشۂ تقویٰ زدہ ام، ہاں زدہ ام
داستاں گردم ازیں پس کہ ازیں زہد و ورع — با بُتاں جامِ طرب با نَے و دستاں زدہ ام
ساغرے چند بہ یادِ رخِ رنگیں خوردم — قدحے چند در آغوشِ گلستاں زدہ ام
از پریشانیِ ایام میندیش کہ من — دست در حلقۂ آں زلفِ پریشاں زدہ ام
کارم افتاد بہ آں بادشہِ کشورِ حسن — دست آزد بر چشمِ قیصر و خاقاں زدہ ام

آں نگارِ عجمی چہرہ بدانساں افروخت
کاتش آوردم و من در خرمنِ ایماں زدہ ام

جامۂ زہد چو بر قامتِ من راست نبود
شیشۂ تقویِ سی سالہ بہ سنداں زدہ ام

۹ اپریل ۱۹۰۶ء

من کہ در سینہ دلے دارم و شیدا چہ کنم
میل بالالہ رخاں گر نہ کنم تا چہ کنم

من نہ آنم کہ بہ ہر شیوہ دل از دست دہم
لیک باآں نگہِ حوصلہ فرسا چہ کنم

ہست چل سال کہ بیہودہ نگہ داشتمش
گر نہ بر سنگ زنم شیشۂ تقوی چہ کنم

ساغرِ بادہ و طرفِ چمن و لالہ رُخے
چوں بہ اینہا فتدم کار، بفرما چہ کنم

شاہد و بادہ و طرفِ چمن و جوشِ بہار
شبلیا خود تو بفرما کہ بہ اینہا چہ کنم

۹ دسمبر ۱۹۰۸ء

اسمے نماند خلوتیانِ حجاز را
دیدی تطاولِ خمِ زلفِ دراز را

لعلِ لبش اگرچہ بہ کامم شکر نریخت
باما ہمے ست آں نگہِ جاں نواز را

ہرگز کسے بہ خوبی و رعنائیِ تو نیست
ما دیدہ ایم کج کلہانِ طراز را

بیچارہ نکتہ دانِ اداہائے عشق نیست
ضائع مکن بہ غیر نگہ ہائے راز را

ہرچند جور نیز ز معشوق خوش بُوَد
ما بندہ ایم دلبرِ عاشق نواز را

آدر برم کہ کار ز اندازہ در گذشت
دستِ دراز گشتہ و آغوشِ باز را

ناوک بزد بہ غیر و مرا بر جگر نشست
قرباں شوم خطائے نگہ ہائے ناز را

من خود نخواہم اینکہ برافتد حجابِ راز
امّا چہ چارہ کلکِ حقیقت طراز را

دسمبر سنہ ۱۹۰۸ء

وقتِ سحر کہ عارضِ او بے نقاب بود
در بزمش اوّل آں کہ رسید آفتاب بود

بزمِ شراب و شاہدِ رنگین و بانگِ نَے
ایں حرفے از فسانۂ عہدِ شباب بود

اندازہ دانِ حوصلۂ ہر کسے ست دوست
با دیگراں بہ لطف و بہ ما در عتاب بود

شب بود و صد ہزار تماشائے دلفریب
صبح از کرانہ سر زد و دیدم کہ خواب بود

با چشمِ سُرمگینِ تو کارے نداشتیم
ما را سخن بہ غمزۂ حاضر جواب بود

نازو غرورِ حُسن نہ دادش اجازتے
ورنہ سوالِ بوسہ ما را جواب بود

شبلی خراب کردۂ چشمِ خرابِ اوست
تو در گماں کہ مستیِ او از شراب بود

اے آں کہ ہمی گوئی کز راز خبر دارم
اندیشۂ خامے ہست من نیز بہ سر دارم

اے دوست مپرس از من رسم و رہِ تقویٰ را
اکنوں کہ منِ بیدل سودائے دگر دارم

تا سالِ دگر خواہد شد رہنِ مے و مطرب
ایں خرقۂ مستوری کامسال بہ بر دارم

روئے و چنیں روئے، شایانِ نہفتن نیست
بگزار کہ ایں پردہ از روئے تو بردارم

یک دیدۂ حیرانے از ہستیِ من باقی ست
واں نیز ہمی خواہم کز روئے تو بردارم

اے معتکفِ کعبہ ایں جلوہ فروشی چیست
من ہم بہ سر کوئے گہ گاہ گزر دارم

از زہدِ دروغِ خود بفریفتہ ام خلقے
اے دوست چہ می پُرسی تا من چہ ہُنر دارم

اے شبلی نعمانی ایں پردہ دری از چیست
ایہا کہ ز خود گفتی من نیز خبر دارم

بہ یاراں آشکارا گفتہ ام ایں حرفِ پنہاں ہم — کہ شوخے نکتہ دانے بُرد از من عقل و ایماں ہم
حدیثے ایں چنیں کم اتفاق افتادہ دوراں را — کہ من نادان ز ناصح ہست ناداں تر ز ناداں ہم
شبِ وصلے درازے خواہم از بہرِ آں خواہم — کہ خواہم گفت با او شکوۂ ایامِ ہجراں ہم
دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیبیست سالک را — خجل ہستم ز کفرِ خود کہ دارد بوئے ایماں ہم

مدہ از دستِ خود رنگیں نوائے ہمچو شبلی را
تو شاہِ حُسنی و در کار داری یک غزلخواں ہم

بوئے گل

۱۱ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

پیکِ فرخندہ قدم مژدہ سرا می آید — کز سفر یارِ سفر کردۂ ما می آید
رفت از شہر بداں ساں کہ بہاراں ز چمن — آمد آں گونہ کہ در باغ صبا می آید
گوئیا یوسفِ گم گشتہ بہ کنعاں آمد — یا نگارِ یمنی سوئے سبا می آید
رفتنش گرچہ بہ کامِ دلِ احباب نبود — چوں بیاید بہ مرادِ دلِ ما می آید
بوئے جانے کہ مشامِ دل و جاں تازہ کند — می تواں یافت کزاں بندِ قبا می آید
ہر کجا می گذرد عطر فشاں می گذرد — ہر نسیمے کہ ازاں زلفِ دوتا می آید

شبلی غمزدہ آورد دل و دیں بہ نثار
غیر ازیں چیست کہ از دستِ گدا می آید

۱۷ اکتوبر ۱۹۰۸ء

زجاں گزشتم و بازم بہ بر نمی آید — کہ نیست زورم و آں بت بہ زر نمی آید
فراق و ہجرِ دیارِ خوشے بُوَد کہ درو — پس از گزشتنِ شب ہم سحر نمی آید
دل ار بہ دستِ تو افتد نثارِ خوباں کُن — کہ ایں متاع بہ کارِ دگر نمی آید
جدا ز دوستِ شبِ ماہتاب راچہ کنم — کہ کارِ عارضِ او از قمر نمی آید
بہ خواری کہ ز کوئے تو رفت نعمانیؔ
گماں برم کہ ازیں پس دگر نمی آید

۲۴ اکتوبر ۱۹۰۸ء

آں شوخ را بہ من سرِ آں پُرس و جو نماند — یعنی گُلِ مُرادِ مرا رنگ و بو نماند
ہر چند آں نوازشِ ظاہر ہماں بجاست — پیداست ایں کہ آں روشِ پُرس و جو نماند
شبلی ہر آنچہ داشت بہ دل بر زباں نگند
گویا کہ کار با صنمِ تند خو نماند

۳۱ اکتوبر ۱۹۰۸ء

یک سر و صد گونہ سودائے نہانے داشتم
یادِ آں روزے کہ من با خود جہانے داشتم

یادِ آں روزے کہ دور از ماجراہائے جہاں
ماجرائے با نگارِ نکتہ دانے داشتم

یادِ آں روزے کہ پنہاں از حریفِ بدگماں
آشتی ہائے نہاں با پاسبانے داشتم

یادِ آں روزے کہ دست افشاں گزشتم از حرم
از غرورِ آں کہ من ہم آستانے داشتم

خود تو دانی با جہانم تا چہ خواہد بود کار
من کہ در آغوشِ خود جانِ جہانے داشتم

ہیچ باک از گردشِ گردونِ گردانم نہ بود
کز زمینِ کوچۂ او آسمانے داشتم

یادِ آں روزے کہ از ناکردہ کاری ہائے خویش
ہم بہ او می گفتم ار دردِ نہانے داشتم

گرچہ حرفے می نیارستم بدو گستاخ گفت
از نگاہِ شوق با او داستانے داشتم

یادِ آں روزے کہ من از سادہ لوحی ہائے خود
با عدو می گفتم ار رازِ نہانے داشتم

شبلیا آں جلوۂ نیرنگ ہائے بمبئی
بود تا وقتے کہ من خوابِ گرانے داشتم

گرامی جالندھری

(وفات ۱۳۴۵ھ)

پنجاب

من و دل گرمیِ آہِ جگر تاب — من و سر جوشِ حُسن آبادِ پنجاب
برآمد حرفِ پنجاب از زبانم — زباں شد موجِ کوثر در دہانم
اگر عشق است در راہش بہ آہے — دگر حُسن است از خاکش گیاہے
بجائے لالہ اش لیلیٰ دمیدہ — بجائے بید، مجنوں سر کشیدہ
فرو گسترده در ہر گوشہ دامے — قیامت قامتے محشر خرامے
بہ دامِ آہواں شیراں اسیرند — کہ اینجا آہوانِ شیر گیرند
زباں تر کردہ کبکانِ بہاری — بہ خونِ شاہبازانِ شکاری
نظر ہا گرمِ رقصِ بسمل اینجا — نیاز اینجا و ناز اینجا، دل اینجا
نگاہ و جلوہ باہم عشق بازند — نیاز و ناز در ناز و نیازند
بُتاں در جلوہ، عاشق در نظارہ — کمند افگندہ ذرّہ بر ستارہ
تماشا مستِ جامِ کیقبادی — تمنّا کوچہ گردِ نامرادی

تماشا بسملِ در خوں تپیدن — تمنّا بیخودِ بیخود چکیدن

تماشا لغزشِ مستانہ دارد — تمنّا گردشِ پیمانہ دارد

تماشا زخمیِ تیغِ نگاہے — تمنّا بر سرِ راہے بہ آہے

سرِ راہے دو چارم شد نگارے — گُل اندر گُل، بہار اندر بہارے

نگارِ دل ربائے، دل فریبے — نگارِ خود فروشے، جامہ زیبے

پری دختے پری دیوانہ ماہے — پری و ماہ را داغِ نگاہے

شبے نظارۂ آں ماہ کردم — تپیدم، نالہ کردم، آہ کردم

غزلیات

اے سرت گردم بگردان جام را — شیشہ بشکن گردشِ ایّام را

بادہ گر خام ست ساقی خام نیست — دہ بشارت پختگانِ خام را

ہر یکے با در خورِ آں دادہ اند — بادہ را مستی و گردش جام را

من ز خود رفتم کہ معشوقِ غیور — بر نتابد نامہ و پیغام را

از ہوس بگسل کہ در ہر دانۂ — تعبیہ کردند گویا دام را

تا چہ بربندم کہ از خود بگسلم — چشم یا زنّار یا احرام را

مرغِ زیرک دانہ را دانست دام — ابلہ نشناسد ز دانہ دام را

عشق می ورزی گرامی شکوہ چیست
غوطہ در آغاز دِہ انجام را

عشق آمد و از عقلِ فسونگر نتواں گفت | پیداست کہ از پنبہ و اخگر نتواں گفت
ما خُم‌کشِ دیرینۂ سرجوشِ الستیم | با ما سخن از شیشہ و ساغر نتواں گفت
با دلشدگاں قصہ ز محشر نتواں کرد | با سوختگاں حرف ز کوثر نتواں گفت
آں طفل رہِ دل زد و رہزن نتواں خواند | در کعبہ زند آتش و کافر نتواں گفت
منصور کہ مستانہ بر آمد بہ سرِ دار | خوش گفت کہ ہر نکتہ بہ منبر نتواں گفت
با دوست حدیثِ دلِ غم دیدہ چہ گوئیم | وارفتگیِ ذرّہ بہ اختر نتواں گفت
در دیدۂ معنی نگہاں حضرتِ اقبال | پیغمبریٔ کرد و پیمبر نتواں گفت

بلا بہ گوشۂ آں چشمِ سرمہ سا خفت است | نگہ کنید کہ برقِ بلا کجا خفت است
یکے بہ شہر نگہ کن چہ انقلاب افتاد | کہ رندِ میکدہ بیدار و پارسا خفت است
فراق و وصل ندانم ولیک رشک آرم | بہ بیدلے کہ در آغوشِ دلربا خفت است
ستارہ دشمن و رہ پیچ پیچ و منزل دور | عسس بہ راہزناں یار و رہنما خفت است
دمید صبح و گرامی ما بہ خواب ہنوز
اجل گرفتہ بہ رہ بے خبر چہا خفت است

نگاہم آں چناں بر جلوۂ جانانہ می رقصد | کہ بیخود شمع را بر گردِ سر پروانہ می رقصد

من و تو هر دو اے مجنوں بیا از بیخودی رقصیم — که در شهرِ جنوں دیوانه با دیوانه می رقصد

ندانم غمزهٔ ساقی چه افسوں کرد در کارش — که امشب محتسب در مے کده رندانه می رقصد

نمیدانم فریبِ گردشِ چشمے که زد راهش — که شیخِ شهر در راهے چه استادانه می رقصد

مرا افسانهٔ لیلیٰ و مجنوں یاد می آید — اگر فرزانه می خندد اگر دیوانه می رقصد

گرامی را به طوفِ کعبه بیخود دیدم و گفتم
که ایں ماند به آں کافر که در بت خانه می رقصد

عشق در ذوق و عقل در نیرنگ — دوست در صلح پاسباں در جنگ

عشق در جذبه و هزار سلوک — عشق یک نغمه و هزار آهنگ

عشق را دار و عقل را منبر — عقل در رنگ و عشق خود بے رنگ

مسندِ عقل بر لبِ ساحل — عشق را تخت گاه کامِ نهنگ

عقل با عشق نسبتے دارد — جامِ بلّور و بادهٔ گلرنگ

عقل در پرده گفت هاں خاموش — عشق مستانه می کشد آهنگ

عقل از سنگ شیشه می آرد — می زند عشق شیشه ها بر سنگ

به دست آرد تمنّا نقدِ کام آهسته آهسته
عزیزِ مصر شد آخر غلام آهسته آهسته

ز گردش هائے چشمِ مستِ ساقی یاد می آید
به بزمِ مے کشاں گردد چو جام آهسته آهسته

بہ دَیر آوردہ ام ز افسوں طرازی شیخ را آخر
که افتد طائرِ دانا بہ دام آہستہ آہستہ

بہ گوشم از پرِ پروانہ آید ایں صدا امشب
که گردد پختہ کارِ عشق خام آہستہ آہستہ

بہ ذوقِ بوسۂ ابروے اُو از بسکہ می بالد
شد آخر ماہِ نَو ماہِ تمام آہستہ آہستہ

بے نیاز ایں قدر چرا شدۂ؟
بندہ پرور مگر خدا شدۂ؟

عشق بر حسن منتے دارد
دلِ من بردہ دلربا شدۂ

ناز منّت کشِ نیاز آمد
ہمہ ناز از نیازِ ما شدۂ

تُو نیازانِ ناز میدانند
که ز دل بردنم جہا شدۂ

سُست پیما چہ دیدۂ از من
سخت بیگانہ آشنا شدۂ

در شکستِ دلم چہ می کوشی
دشمنِ خانۂ خدا شدۂ

ہاں گرامی ترا شناسم من
چہ بلا رندِ پارسا شدۂ

چشم است سیہ مستے، دل ہست سیہ کارے
دردے بہ جگر دارد، بیمار نہ بیمارے

از عشق بگو با من یا شیخ چه می گوئی
هر کارے و هر مردے هر مردے و هر کارے

آهم به سیه راهے ، ماهم به سیه باسے
دیوار به امیدے ، امید به دیوارے

از یکدگر اے استاد دل دزد و دلآویز ست
رفتار ز گفتارے گفتار ز رفتارے

اے عقل چه تدبیرے ، اے هوش چه افسونے
شد رهزنِ ایمانم آں سادهٔ پرکارے

گفتم که نمی آئی آرے و نعم گوید
انکار در اقرارے ، اقرارے در انکارے

تمهیدِ وفا سنجاں خاریست ته پائے
امیدِ هوس کوشاں گل بر سرِ دستارے

از شوق به خود جوشم در ذوق ز خود رفتم
ایں آتش و آں بادے ، ایں زخمه و آں تارے

آنجا که بود قهرش هر شهر بیابانے
آنجا که بود عفوش ، هر ذره گنهگارے

از وعظ علم برکش از راز چه می لافی
وعظ است و سرِ منبر ، راز ست و سرِ دارے

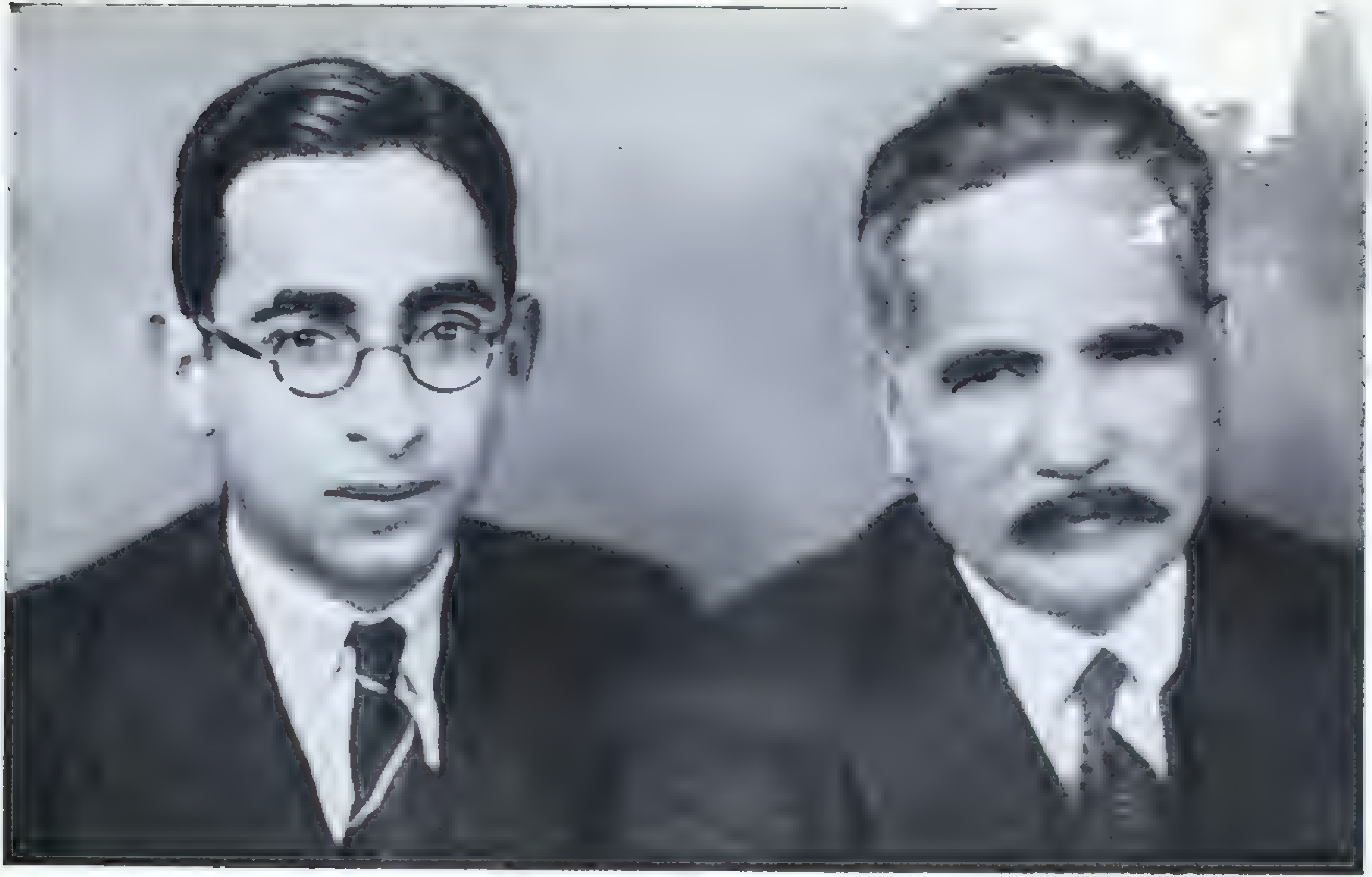
ہاں جُرمِ گرامی نیست جز کاہلی و پیری
دیرینه غلامے را مفروش به بازارے

بسا ہنگامۂ دلہا که برہم ساختی رفتی
نگاہے کردی و سرہا به خاک انداختی رفتی

وفا را کار فرما این چه کافر ماجرائیہا ست
مرا را سوختی ، با مدّعی در ساختی رفتی

ہزاراں در ہزاراں جان و دل افتاده در راہت
بسا انداختی رفتی ، بسا افراختی رفتی

ترا گفتم مرو زیں ره گرامی ہیچ نشنیدی
غمِ دل در خریدی نقدِ جاں در باختی رفتی



اقبال رح اور مولف ارمغان پاک ـــــ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء

اقبالؒ

(وفات ۱۳۵۷ھ)

جرعات

هزاران سال با فطرت نشستم
به او پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم این دو حرف است
تراشیدم، پرستیدم، شکستم

سحر می گفت بلبل باغبان را
دریں گل جز نہالِ غم نگیرد
به پیری می رسد خارِ بیابان
ولے گل چوں جواں گردد بمیرد

تو اے کودک منش خود را ادب کن
مسلمان زادهٔ ترکِ نسب کن
به رنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر، ترکِ عرب کن

نه افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است
که ما پروردهٔ یک نوبهاریم

در جهان مانندِ جوی کوهسار | از نشیب و هم فراز آگاه شو
یا مثالِ سیلِ بی زنهار خیز | فارغ از پست و بلندِ راه شو

میلادِ آدم

نعره زد عشق که خونین جگری پیدا شد
حُسن لرزید که صاحب نظری پیدا شد

فطرت آشفت که از خاکِ جهانِ مجبور
خودگری، خود شکنی، خودنگری پیدا شد

خبری رفت ز گردوں به شبستانِ ازل
حذر ای پردگیاں پرده دری پیدا شد

آرزو بی خبر از خویش به آغوشِ حیات
چشم وا کرد و جهانِ دگری پیدا شد

زندگی گفت که در خاک تپیدم همه عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینه دری پیدا شد

محاوره میانِ خدا و آدم

خطاب از خدا

جهان را ز یک آب و گِل آفریدم
تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک پولادِ ناب آفریدم
تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہالِ چمن را
قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

جواب از آدم

تو شب آفریدی، چراغ آفریدم — سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی — خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

ساقی نامہ

(در نشاطِ باغِ کشمیر نوشتہ شد)

خوشا روزگارے، خوشا نوبہارے — نجومِ پرن رست از مرغزارے
زمیں از بہاراں چو بالِ تذروے — ز فوارہ الماس بار آبشارے
نہ پیچد نگہ جز کہ در لالہ و گُل — نہ غلطد ہوا جز کہ بر سبزہ زارے
لبِ جو خود آرائیِ غنچہ دیدی؟ — چہ زیبا نگارے، چہ آئینہ دارے
چہ شیریں نوائے چہ دلکش صدائے — کہ می آید از خلوتِ شاخسارے
بہ تن جاں، بہ جاں آرزو زندہ گردد — ز آوائے سارے، ز بانگِ ہزارے

نواہائے مرغِ بلند آشیانے — درآمیخت با نغمۂ جوئبارے
تو گوئی کہ یزداں بہشتِ بریں را — نہاد است در دامنِ کوہسارے
کہ تا رحمتش آدمی زادگاں را — رہا سازد از محنتِ انتظارے
چہ خواہم دریں گلستاں گر نخواہم — شرابے، کتابے، ربابے، نگارے
سرت گردم اے ساقیِ ماہ سیما — بیار از نیاگانِ ما یادگارے
بہ ساغر فرو ریز آبے کہ جاں را — فروزد چو نورے بسوزد چو نارے
شقایق بروید ز خاکِ نژندم — بہشتے فرو چیں بہ مشتِ غبارے
نہ بینی کہ از کاشغر تا بہ کاشاں — ہماں یک نوا بالد از ہر دیارے
ز چشمِ امم ریخت آں اشکِ نابے — کہ تاثیرِ او گل دماند ز خارے
کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ — بتے می تراشد ز سنگِ مزارے
ضمیرش تہی از خیالِ بلندے — خودی ناشناسے، ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنتِ او — نصیبِ تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے — نہ در سینۂ او دلِ بے قرارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

تنہائی

به بحر رفتم و گفتم به موجِ بے تابے　　همیشه در طلب استی چه مشکلے داری؟
هزار لؤلوے لالاست در گریبانت　　درونِ سینه چو من گوهرِ دلے داری؟
تپید و از لبِ ساحل رمید و هیچ نگفت

به کوه رفتم و گفتم که ایں چه بیدردی است؟　　رسد به گوشِ تو آه و فغانِ غم زدهٔ
اگر به سنگ تو لعلے ز قطرهٔ خون است　　یکے در آ به سخن با منِ ستم زدهٔ
به خود خزید و نفس درکشید و هیچ نگفت

رهِ دراز بریدم، ز ماه پُرسیدم　　سفر نصیب! نصیبِ تو منزلے است که نیست؟
جهاں ز پرتوِ سیمائے تو سمن زارے　　فروغِ داغِ تو از جلوهٔ دلے است که نیست؟
سوئے ستاره رقیبانه دید و هیچ نگفت

شدم به حضرتِ یزداں، گذشتم از مه و مهر　　که در جهانِ تو یک ذرّه آشنایم نیست
جهاں تهی ز دل و مشتِ خاکِ من همه دل　　چمن خوش است ولے درخورِ نوایم نیست
تبسّمے به لبِ او رسید و هیچ نگفت

حور و شاعر

حور

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر گشائی
عجب این کہ تو ندانی رہ و رسمِ آشنائی

ہمہ سازِ جستجوئے، ہمہ سوزِ آرزوئے
نفسے کہ می گدازی غزلے کہ می سرائی

بہ نوائے آفریدی چہ جہانِ دلکشائے
کہ ارم بہ چشمِ آید چو طلسمِ سیمیائی

شاعر

دلِ رہرواں فریبی بہ کلامِ نیش دارے
مگر این کہ لذّتِ او نرسد بہ نوکِ خارے

چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نسازد
دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے

چو نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوبروئے
تپد آں زماں دلِ من پئے خوبتر نگارے

ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

چو ز بادۂ بہارے قدحے کشیدہ خیزم
غزلے دگر سرایم بہ ہوائے نو بہارے

طلبم نہایتِ آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہِ ناشکیبے، بہ دلِ امیدوارے

دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے
نہ نوائے دردمندے، نہ غمے، نہ غمگسارے

خطاب بہ یکے از صوفیہ

ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تو داری و نہ من
جگرِ گرمیِ صحرا نہ تو داری و نہ من

من جواں ساقی و تو پیرِ کہن میکدہ — بزمِ ما تشنہ و صہبا نہ تو داری و نہ من

دل و دیں در گروِ زہرہ وشانِ عجمی — آتشِ شوقِ سلیمیٰ نہ تو داری و نہ من

خزفے بود کہ از ساحلِ دریا چیدیم — دانۂ گوہرِ یکتا نہ تو داری و نہ من

دگر از یوسفِ گم گشتہ سخن نتواں گفت — تپشِ خونِ زلیخا نہ تو داری و نہ من

بہ کہ با نورِ چراغِ تہِ داماں سازیم

طاقتِ جلوۂ سینا نہ تو داری و نہ من

شعرِ اقبال

کشودم از رخِ معنی نقابے — بہ دستِ ذرہ دادم آفتابے

نہ پنداری کہ من بے بادہ مستم — مثالِ شاعراں افسانہ بستم

نہ بینی خیر از آں مردِ فرودست — کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست

بہ کوئے دلبراں کارے ندارم — دلِ زارے غمِ یارے ندارم

نہ خاکِ من غبارِ رہگزارے — نہ در خاکم دلِ بے اختیارے

بہ جبریلِ امیں ہم داستانم — رقیب و قاصد و درباں ندانم

مرا با فقر سامانِ کلیم است — فرِ شاہنشہی زیرِ گلیم است

اگر خاکم بہ صحرائے نہ گنجم — اگر آبم بہ دریائے نہ گنجم

دلِ سنگ از زجاجِ من بلرزد — یمِ افکارِ من ساحل نہ ورزد

نہاں تقدیرہا در پردۂ من — قیامت‌ہا بغل پروردۂ من
دمے در خویشتن خلوت گزیدم — جہانے لازوالے آفریدم

مرا زیں شاعری خود عار ناید
کہ در صد قرن یک عطّار ناید

ملّتِ اسلامیہ

آسماں با ما سرِ پیکار داشت — در بغل یک فتنۂ تاتار داشت
بندہا از پا کشود آں فتنہ را — بر سرِ ما آزمود آں فتنہ را
فتنۂ پامالِ راہش محشرے — کشتۂ تیغِ نگاہش محشرے
خفتہ صد آشوب در آغوشِ او — صبحِ امروزے نزاید دوشِ او
سطوتِ مسلم بہ خاک و خوں تپید — دید بغداد آنچہ روما ہم ندید
تو مگر از چرخِ کج رفتار پرس — زاں نو آئینِ کہن پندار پرس
آتشِ تاتاریاں گلزارِ کیست؟ — شعلہ ہائے او گلِ دستارِ کیست؟
زانکہ ما را فطرت ابراہیمی است — ہم بہ مولا نسبت ابراہیمی است
از [illegible] آتش براندازیم گل — نارِ ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلابِ روزگار — چوں بہ باغِ ما رسد گردد بہار
رومیاں را گرم بازارے نماند — آں جہانگیری جہاندارے نماند

شیشۂ ساسانیاں در خوں نشست — رونقِ خُمخانۂ یوناں شکست
مصر ہم در امتحاں ناکام ماند — استخوانِ او تہِ اہرام ماند
در جہاں بانگِ اذاں بودست و ہست — ملتِ اسلامیاں بودست و ہست
عشق آئینِ حیاتِ عالم است — امتزاجِ سالماتِ عالم است
عشق از سوزِ دلِ ما زندہ است — از شرارِ لَا اِلٰہ تابندہ است

گرچہ مثلِ غنچہ دلگیریم ما
گلستاں میرد اگر میریم ما

الملکُ لِلّٰہ

طارق چو بر کنارۂ اُندلس سفینہ سوخت — گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم — ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر بُرد و گفت — ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

تفسیرِ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ

قومِ تو از رنگ و خوں بالاتر است — قیمتِ یک اسودش صد احمر است
قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے — در بہا برتر ز خونِ قیصرے
فارغ از باب و اُم و اعمام باش — ہمچو سلماں زادۂ اسلام باش

نکته‌ئی ای همدم فرزانه بین — شهد را در خانه‌های لانه بین
قطره‌ئی از لالهٔ حمرا ستی — قطره‌ئی از نرگس شهلا ستی
این نمی گوید که من از عبهرم — آن نمی گوید من از نیلوفرم
ملت ما شانِ ابراهیمی است — شهدِ ما ایمانِ ابراهیمی است
گر نسب را جزوِ ملت کرده‌ئی — رخنه در کارِ اخوت کرده‌ئی
در زمینِ ما نگیرد ریشه‌ات — هست نامسلم هنوز اندیشه‌ات
نیست از روم و عرب پیوندِ ما — نیست پابندِ نسب پیوندِ ما
دل به محبوبِ حجازی بسته‌ایم — زین جهت با یکدگر پیوسته‌ایم
رشتهٔ ما یک تولایش بس است — کیفِ ما را کیفِ صهبایش بس است
مستیِ او تا به خونِ ما دوید — کهنه را آتش زد و نو آفرید
عشقِ او سرمایهٔ جمعیت است — همچو خون اندر عروقِ ملت است
عشق در جان و نسب در پیکر است — رشتهٔ عشق از نسب محکم‌تر است
امتِ او مثلِ او نورِ حق است — هستیِ ما از وجودش مشتق است

"نورِ حق را کس نجوید زاد و بود (مولانا روم) خلعتِ حق را چه حاجت تار و پود"

هر که پا در بندِ اقلیم و جد است
بی خبر از لم یلد لم یولد است

تقلیدِ مغرب

قوّتِ مغرب نه از چنگ و رباب
نی ز رقصِ دخترانِ بی حجاب

نی ز سحرِ ساحرانِ لاله روست
نی ز عریاں ساق و نی از قطعِ موست

محکمی او را نه از لادینی است
نی فروغش از خطِ لاطینی است

قوّتِ افرنگ از علم و فن است
از همیں آتش چراغش روشن است

حکمت از قطع و بریدِ جامه نیست
مانعِ علم و هنر عمّامه نیست

علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ
مغز می باید، نه ملبوسِ فرنگ

اندریں ره جز نگه مطلوب نیست
ایں کله یا آں کله مطلوب نیست

فکرِ چالاکے اگر داری بس است
طبعِ درّاکے اگر داری بس است

گر کسے شبها خورد دودِ چراغ
گیرد از علم و فن و حکمت سراغ

ملکِ معنی کس حدِ او را نبست
بی جهادِ پیهمی ناید به دست

بندهٔ افرنگ از ذوقِ نمود
می بَرد از غربیاں رقص و سرود

نقدِ جانِ خویش در بازد به لهو
علم دشوار است، می سازد به لهو

از تن آسانی بگیرد سهل را
فطرتِ او در پذیرد سهل را

سهل را جستن دریں دیرِ کهن
ایں دلیلِ آں که جاں رفت از بدن

علم و حکمت

برگ و سازِ ما کتاب و حکمت است ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ این دو قوت اعتبارِ ملّت است
آں فتوحاتِ جہانِ ذوق و شوق ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ این فتوحاتِ جہانِ تحت و فوق
ہر دو انعامِ خدائے لایزال ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ مومناں را از جمال است این جلال
حکمتِ اشیا فرنگی زاد نیست ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ اصلِ او جز لذّتِ ایجاد نیست
نیک اگر بینی مسلماں زادہ است ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ این گہر از دستِ ما افتادہ است
چوں عرب اندر اروپا پر کشاد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرانشیناں کاشتند ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ حاصلش افرنگیاں برداشتند
این پری از شیشۂ اسلافِ ماست ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ باز صیدش کن کہ او از قافِ ماست

حُدی

(نغمۂ ساربانِ حجاز)

ناقۂ سیّارِ من
آہوئے تاتارِ من
درہم و دینارِ من
اندک و بسیارِ من
دولتِ بیدارِ من
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دور نیست

دلکش و زیباستی
شاہدِ رعناستی
روکشِ حوراستی
غیرتِ لیلاستی
دخترِ صحراستی
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دُور نیست
در تپشِ آفتاب
غوطہ زنی در سراب
ہم بہ شبِ ماہتاب
تند رَوی چوں شہاب
چشمِ تو نادیدہ خواب
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دُور نیست
لکّۂ ابرِ رواں
کشتیِ بے بادباں
مثلِ خضر راہ داں
بر تو سبک ہر گراں
لختِ دلِ سارباں
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دُو

سوزِ تو اندر زمام
سازِ تو اندر خرام
بے خورش و تشنہ کام
پا بہ سفر، صبح و شام
خستہ شوی از مقام
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دُور نیست

شامِ تو اندر یمن
صبحِ تو اندر قرن
ریگِ درشتِ وطن
پاسے ترا یاسمن
اسے چو غزالِ ختن
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دور نیست

مہ ز سفر پا کشید
در پسِ تل آرمید
صبح ز مشرق دمید
جامۂ شب بر درید
بادِ بیاباں وزید
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دور نیست

نغمۂ من دلکشائے
زیر و بمش جاں فزائے
قافلہ ہا را درائے
فتنہ رُبا، فتنہ زائے
اے بہ حرم چہرہ سائے
تیز ترک گام زن، منزلِ ما دُور نیست

از خوابِ گراں خیز

اے غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز
کاشانۂ ما رفت بہ تاراجِ غماں خیز
از نالۂ مرغِ چمن، از بانگِ اذاں خیز
از گرمیِ ہنگامۂ آتش نفساں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز!

خورشید کہ پیرایہ بہ سیمائے سحر بست
آویزہ بہ گوشِ سحر از خونِ جگر بست
از دشت و جبل قافلہ ہا رختِ سفر بست
اے چشمِ جہاں بیں بہ تماشائے جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز!

خاور ہمہ مانندِ غبارِ سرِ راہے است — یک نالۂ خاموش و اثر باختہ آہے است
ہر ذرّۂ ازیں خاک گرہ خوردہ نگاہے است — از ہند و سمرقند و عراق و ہمدان خیز

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز
از خوابِ گران خیز!

دریاے تو دریاست کہ آسودہ چو صحراست — دریاے تو دریاست کہ افزون نشد و کاست
بیگانۂ آشوب و نہنگ است، چہ دریاست؟ — از سینۂ چاکش صفتِ موجِ رواں خیز

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز
از خوابِ گران خیز!

ایں نکتہ کشایندۂ اسرارِ نہان است — ملک است تنِ خاکی و دیں روحِ رواں است
تن زندہ و جاں زندہ ز ربطِ تن و جان است — با خرقہ و سجّادہ و شمشیر و سنان خیز

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز
از خوابِ گران خیز!

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی — داراے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی — صہباے یقیں درکش و از دیرِ گماں خیز

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز
از خوابِ گران خیز!

فریاد ز افرنگ و دلآویزیِ افرنگ — فریاد ز شیرینی و پرویزیِ افرنگ

عالم همه ویرانه ز چنگیزیِ افرنگ   معمارِ حرم! باز به تعمیرِ جهان خیز

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز

از خوابِ گران خیز!

انقلاب

خواجه از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب

از جفاے ده خدایان کشتِ دهقانان خراب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

شیخِ شهر از رشتهٔ تسبیح صید مومن به دام

کافرانِ ساده دل را برهمن زنار تاب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

میر و سلطان نرد باز و کعبتینِ شان دغل

جانِ محکومان ز تن بردند و محکومان به خواب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

واعظ اندر مسجد و فرزندِ او در مدرسہ
آں بہ پیری کودکے، ایں پیر در عہدِ شباب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

اے مسلماناں! فغاں از فتنہ ہائے علم و فن
اہرمن اندر جہاں ارزان و یزداں دیریاب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

شوخیِ باطل نگر اندر کمینِ حق نشست
شپّر از کوری شبیخونے زند بر آفتاب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

در کلیسا ابنِ مریم را بہ دار آویختند
مصطفیٰ از کعبہ ہجرت کردہ با اُمّ الکتاب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

من درونِ شیشہ ہائے عصرِ حاضر دیدہ ام
آں چناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

با ضعیفاں گاہ نیروئے پلنگاں می دہند
شعلہ شاید بروں آید ز فانوسِ حباب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

بادۂ شیراز

غزلیات

چوں چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ شما
اے جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما
غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام
تا بہ دست آوردہ ام افکارِ پنہانِ شما

مہر و مہ دیدم نگاہم برتر از پروین گذشت
ریختم طرحِ حرم در کافرستانِ شما

تا سنانش تیزتر گردد فرو پیچیدمش
شعلۂ آشفتہ بود اندر بیابانِ شما

فکرِ رنگینم کند نذرِ تہی دستانِ شرق
پارۂ لعلے کہ دارم از بدخشانِ شما

می رسد مردے کہ زنجیرِ غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

حلقہ گردِ من زنید اے پیکرانِ آب و گِل
آتشے در سینہ دارم از نیاکانِ شما

از ما بگو سلامے آں ترکِ تند خو را
کآتش زد از نگاہے یک شہرِ آرزو را

ایں نکتہ را شناسد آں دل کہ دردمند است
من گرچہ توبہ گفتم نشکستہ ام سبو را

اے بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم
تو در کنار گیری باز ایں رمیدہ بو را

رمزِ حیات جوئی جز در تپش نیابی
در قلزم آرمیدن ننگ است آبجو را
شادم که عاشقاں را سوزِ دوام دادی
درماں نیافریدی آزارِ جستجو را
گفتی مجو وصالم بالاتر از خیالم
عذرِ نو آفریدی اشکِ بهانه جو را
از ناله بر گلستاں آشوبِ محشر آور
تا دم به سینه پیچد مگزار هاو هو را

باز به سرمه تاب ده چشمِ کرشمه زائے را
ذوقِ جنوں دو چند کن شوقِ غزلسرائے را
نقشِ دگر طراز ده آدمِ پخته تر بیار
لعبتِ خاک ساختن می نه سزد خدائے را
قصهٔ دل نه گفتنی است دردِ جگر نهفتنی است
خلوتیاں کجا برم لذّتِ هائے هائے را
آهِ دروں تاب کو؟ اشکِ جگر گداز کو؟
شیشه به سنگ می زنم عقلِ گره کشائے را

بزم به باغ و راغ کش، زخمه به تارِ چنگ زن
بادہ بخور، غزل سرا، بند کشا قبائے را
صبح دمید و کاروان کرد نماز و رخت بست
تو نشنیدۂ مگر زمزمۂ درائے را
نازِ شہاں نمی کشم زخمِ کرم نمی خورم
در نگرائے ہوس فریب ہمتِ ایں گدائے را

تکیہ بر حجّت و اعجازِ بیاں نیز کنند
کارِ حق گاہ بہ شمشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہِ خرقہ زرہ می پوشند
عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند
چوں جہاں کہنہ شود پاک بسوزند او را
وز ہماں آب و گِل ایجادِ جہاں نیز کنند
ہمہ سرمایۂ خود را بہ نگاہے بدہند
ایں چہ قومے است کہ سودا بہ زیاں نیز کنند
عشق مانندِ متاعے است بہ بازارِ حیات
گاہ ارزاں بفروشند و گراں نیز کنند

تا تو بیدار شوی ناله کشیدم ورنه
عشق کارے است که بے آہ و فغاں نیز کنند

حسرتِ جلوهٔ آں ماہِ تمامے دارم
دست بر سینه نظر برلبِ بامے دارم
حُسن می گفت که شامے نه پذیرد سحرم
عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم
نه به امروز اسیرم نه به فردا نه به دوش
نه نشیبے نه فرازے نه مقامے دارم
بادهٔ رازم و پیمانه گسارے جویم
در خراباتِ مغاں گردشِ جامے دارم
بے نیازانه ز شوریده نوایم مگذر
مرغِ لاہوتم و از دوست پیامے دارم
پرده درگیرم و درپرده سخن می گویم
تیغِ خوں ریزم و خود را به نیامے دارم

صورت نہ پرستم من بت خانہ شکستم من
آں سیلِ سُبک سیرم ہر بند گسستم من

در بود و نبودِ من اندیشہ گماں ہا داشت
از عشق ہویدا شد ایں نکتہ کہ ہستم من

در دَیر نیازِ من، در کعبہ نمازِ من
زنّار بہ دوشم من تسبیح بہ دستم من

سرمایۂ دردِ تو غارت نتواں کردن
اشکے کہ ز دل خیزد در دیدہ شکستم من

فرزانہ بہ گفتارم دیوانہ بہ کردارم
از بادۂ شوقِ تو ہشیارم و مستم من

بہ جہانِ دردمنداں تو بگو چہ کار داری؟
تب و تابِ ما شناسی؟ دلِ بے قرار داری؟

چہ خبر ترا ز اشکے کہ فرو چکد ز چشمے
تو بہ برگِ گل ز شبنم دُرِ شاہوار داری

چہ بگویمت ز جانے کہ نفس نفس شمارد
دمِ مستعار داری؟ غمِ روزگار داری؟

به ملازمانِ سلطاں خبرے دہم ز رازے
کہ جہاں تواں گرفتن به نوائے دلگدازے

به متاعِ خود چه نازی که به شہرِ دردمنداں
دلِ غزنوی نیرزد به تبسمِ ایازے

همه نازِ بے نیازی همه سازِ بے نوائی
دلِ شاه لرزه گیرد ز گدائے بے نیازے

ز مقامِ من چه پرسی به طلسمِ دل اسیرم
نه نشیبِ من نشیبے نه فرازِ من فرازے

رهِ عاقلی رہاکن که به او تواں رسیدن
به دلِ نیازمندے به نگاهِ پاکبازے

به رهِ تو ناتمامم ز تغافلِ تو خامم
من و جانِ نیم سوزے تو و چشمِ نیم بازے

رهِ دیر تختهٔ گل ز جبینِ سجده ریزم
که نیازِ من نگنجد به دو رکعتِ نمازے

ز ستیزِ آشنایاں چه نیاز و ناز خیزد
دلکے بهانه سوزے نگہے بهانه سازے

یادِ ایامے کہ خوردم بادہ ہا با چنگ و نے
جامِ مے در دستِ من مینائے مے در دستِ وے
در کنارم آئی خزانِ ما زند رنگِ بہار
در نیائی فرو دیں افسردہ تر گردد ز دے
بے تو جانِ من چو آں سازے کہ تارش درگسست
در حضور از سینۂ من نغمہ خیزد پے بہ پے
آنچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام دانی کہ چیست
یک چمن گُل یک نیستاں نالۂ یک خُم خانہ مے
زندہ کن باز آں محبّت را کہ از نیرِ وے او
بوریائے رہ نشینے در فتد با تختِ کے
دوستاں خرّم کہ بر منزل رسید آوارۂ
من پریشاں جادہ ہائے علم و دانش کردہ طے

بروں زیں گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتر می پرد آہِ سحر گاہے
غبارے گشتۂ؟ آسودہ نتواں زیستن ایں جا
بہ بادِ صبح دم در پیچ و منشیں بر سرِ راہے

زجوئے کہکشاں بگزر زنیلِ آسماں بگزر

زمنزل دل بمیرد گرچہ باشد منزلِ ماہے

چساں آدابِ محفل را نگہ دارند و می سوزند

مپُرس از ما شہیدانِ نگاہِ بر سرِ راہے

پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و می گویند

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

پیام

من دریں خاکِ کہن گوہرِ جاں می بینم
چشمِ ہر ذرّہ چو انجم نگراں می بینم

دانۂ را کہ بہ آغوشِ زمین است ہنوز
شاخ در شاخ و برومند و جواں می بینم

کوہ را مثلِ پرِ کاہ سبک می یابم
پرِ کاہے صفتِ کوہِ گراں می بینم

انقلابے کہ نگنجد بہ ضمیرِ افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چساں می بینم

خرم آں کس کہ دریں گرد سوارے بیند
جوہرِ نغمہ ز لرزیدنِ تارے بیند

زندگی جوئے روان است و رواں خواہد بود
ایں مۓ کہنہ جوان است و جواں خواہد بود

آنچہ بود است و نباید ز میاں خواہد رفت
آنچہ بایست و نبود است ہماں خواہد بود

عشق از لذّتِ دیدار سراپا نظر است
حُسن مشتاقِ نمود است و عیاں خواهد بود

آں زمینے کہ بر او گریۂ خونیں زدہ ام
اشکِ من در جگرش لعلِ گراں خواهد بود

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

حرفِ آخر

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

(ناظر پرنٹنگ پریس کراچی)